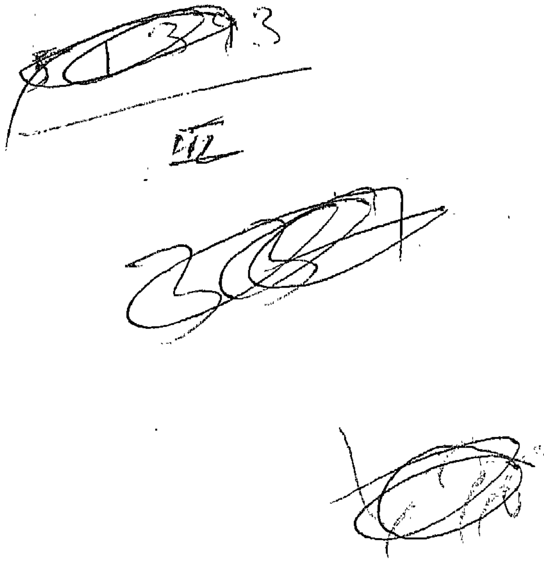


1101

سلسلہ آصفیہ نمبر ۵

مراثی انیس

جلد سوم

یعنی

جناب میر ببر علی صاحب انیس لکھنوی کے زمانہ شباب کا کلام اور ان کے

عنفوان مشق کے زور قلم کا نمونہ

مرتبہ

مولنا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی المخاطب نواب حیدر یار جنگ

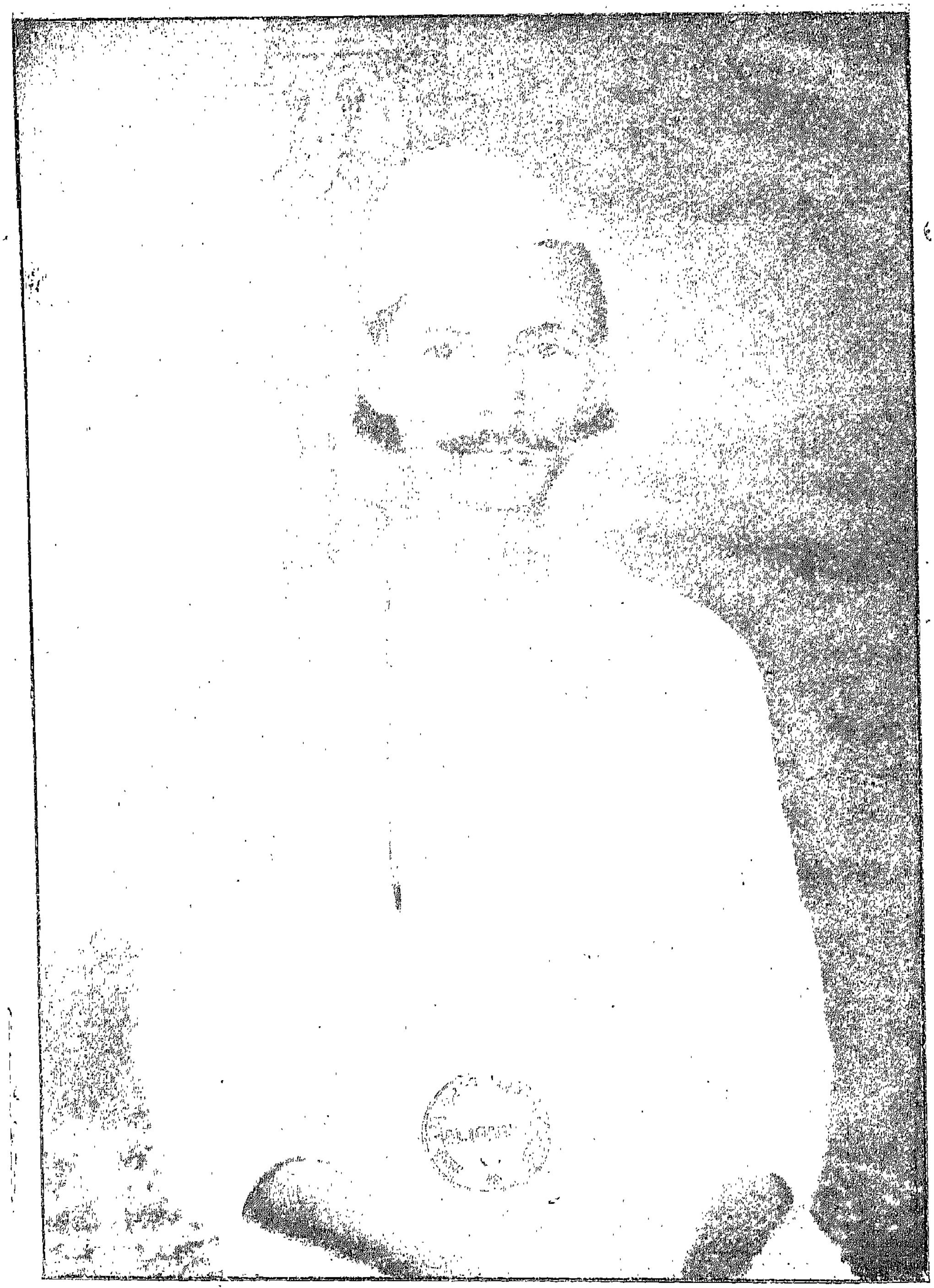
وظیفہ خوار پروفیسر نظام کالج حیدر آباد دکن

باہتمام

مسٹر احید الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے۔ لندن

نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا

بار اول | سنہ ۱۹۳۰ع | ۵۰۰ جلد



میر ببر علی انیس لکھنوی

ولادت سنہ ۱۸۰۵ع ✻ وفات سنہ ۱۸۷۴ ع

سلسلہ آصفیہ نمبر (۵)

مراثی انیس جلد سوم

عالی جناب سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود جنگ بہادر نے آج سے تقریباً ۱۴ سال پہلے اپنی ایک سکیم کے تحت میں اُردو کے مشہور اور مستند اساتذہ کے کلام کو صحت و خوش نمائی اور یکسانیت کے ساتھ شایع کرنے کی خدمت نظامی پریس کو سپرد کی تھی جس کی ابتدا ۱۹۱۹ء میں اُردو ادب کے خدائے سخن مرزا غالب کے دیوان سے ہوئی اور اس کی دوسری قسط اُردو کے سحر البیان شاعر میر انیس کے کلام کی پہلی جلد کی صورت میں ۱۹۲۱ء میں دنیائے ادب کے سامنے پیش کی گئی۔ اسی زمانے میں ان مطبوعات کو اعلیٰ حضرت قدر قدرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی سرپرستی نصیب ہو کر "سلسلہ آصفیہ" کے نام سے منسوب ہونے کی عزت حاصل ہوئی۔ اس سلسلے کی تیسری کڑی خواجہ میر درد کا دیوان تھا جو ۱۹۲۲ء میں مولنا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ کے عالمانہ مقدمے کے ساتھ اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد میر صاحب کے کلام کی دوسری جلد شایع ہوئی جو سلسلہ آصفیہ کی چوتھی کتاب ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج اس سلسلے کی پانچویں کتاب یعنی مراثی انیس کی تیسری جلد محترم ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔

مجھے اس مختصر گزارش میں میر صاحب کے کلام پر تبصرہ کرنے یا مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جلد اول میں میرا جو مقدمہ شامل ہے اس میں اپنی بساط کے مطابق میر صاحب کے کلام کی ہر خصوصیت اور ہر پہلو کو دکھا چکا ہوں۔ اس کے بعد مولنا علی حیدر صاحب نظم طباطبائی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر کا صرف یہی احسان نہیں ہے کہ انھوں نے میر صاحب کے کلام کی ترتیب و تالیف اور تصحیح نہایت کوشش اور قابلیت سے فرمائی بلکہ دوسری جلد کے آخر میں "خاتم المسک" کے زیر عنوان میر انیس کی شاعری پر مفصل تنقید لکھ کر اُس کمی کو پورا کر دیا جو جلد اول کے مقدمہ میں رہ گئی تھی۔ خاتم المسک میں مولنائے موصوف نے اُردو ادب کے ہوا خواہوں کو یہ بتا دیا ہے کہ میر انیس کا کلام کن خصوصیات کا حامل ہے۔ ان کے بیان میں اعجاز اور ان کی زبان میں جادو کیوں ہے۔ ان کے رونے میں موتی کیوں بکھرتے ہیں اور ہنسنے میں پھول کیوں جھڑتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں دل میں کیوں اُتر جاتا ہے۔ اُن کا نشانہ خطا کیوں نہیں کرتا۔ صرف اس وجہ سے کہ ان کی شاعری فطری شاعری تھی۔ وہ شاعری نہیں کرتے تھے بلکہ واقعات کی ہو بہو تصویر کھینچتے تھے۔ یہ مصوری ان کو اپنے دادا میر حسن سے جن کی مثنوی سحر البیان (بدر منیر بے نظیر) مشہور ہے میراث میں ملی تھی۔ اگر سچ پوچھیے تو طباطبائی صاحب کا یہ مضمون "خاتم المسک" اس تیسری جلد میں جو سلسلہ کلام انیس کی آخری جلد ہے شامل ہوتا

سلہ قابل مولف مولنا طباطبائی کو اس جلد سوم کی ترتیب کے سلسلے میں چند ایسے مرثیے ملے تھے جن کا مطالعہ حضرات اہل سنت والجماعت پسند نہ کرتے اس لیے انھوں نے ان مراثی کو اس جلد سوم میں جس کو بلا لحاظ عقیدہ و مذہب جملہ قدر شناسان ادب اُردو کے مطالعہ کی غرض سے مرتب کیا گیا ہے جگہ دینا مناسب نہ سمجھا بلکہ بطور جلد چہارم اُن کو مدون کیا لیکن یہ چوتھی جلد جو چند خاص مراثی پر مشتمل ہے اس سلسلہ میں اشاعت نہ پاسکے گی اس لیے یہ جلد سوم ہی آخری جلد ہے۔

تو نہایت موزوں ہوتا لیکن چونکہ مولٰنا نے اپنی مہربانی سے اُس وقت جبکہ جلد دوم شایع ہو رہی تھی اس کو لکھا، یا تھا یہ مناسب نہ سمجھا گیا کہ اس کو تیسری جلد کی اشاعت تک التوا میں ڈال کر ناظرین کو مدت دراز تک اس کے مطالعہ سے محروم رکھا جائے بعض احباب کی رائے تھی کہ اس پُر از معلومات اور دلچسپ مضمون کو اس جلد میں پھر نقل کر دیا جائے لیکن یہ سمجھ کر کہ دلدادگان کلام انیس جو جلد سوم کا مطالعہ کریں گے جلد دوم بھی ضرور ان کی نظر سے گزر چکی ہوگی اس کا اعادہ غیر ضروری سمجھا گیا۔ البتہ مولٰنا ممدوح سے میں نے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ایک نیا مضمون بطور دیباچہ جلد سوم کے لیے لکھ دیں۔ مولٰنا نے اپنی مہربانی سے میری درخواست منظور بھی کر لی تھی اور مجھے لکھا تھا کہ میں کتابت ختم ہو جانے کے بعد جلد سوم کا صحت شدہ مسودہ ان کے پاس واپس بھیجدوں تاکہ وہ اس کا دیباچہ لکھ سکیں میں نے آخر اکتوبر گزشتہ میں تعمیل ارشاد کی لیکن مولٰنا ممدوح اپنی ضعیف العمری یا کسی مصروفیت کی وجہ سے اس درخواست کو اب تک پورا نہ کر سکے۔ چونکہ اب کتاب کی طباعت کو بھی ختم ہوئے کئی ماہ گزر چکے تھے اس لیے زیادہ عرصے تک شایقین کو اس کے مطالعہ سے محروم رکھنا گوارا نہ ہو سکا۔

آخر میں جلد سوم کی چند خصوصیات پر ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ طباعت کی خوشنمائی، کاغذ کی نفاست اور جلد کی خوبصورتی کے لحاظ سے یہ جلد بھی پہلی اور دوسری جلد سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ میر صاحب کی ہاف ٹون بلاک کی تصویر کے سوا اس جلد میں یہ اضافہ ہے کہ میر صاحب کے خط کا عکس بھی اس میں موجود ہے۔ طرز کتابت بھی وہی ہے جو اس سے پہلی جلدوں کا ہے۔ ہر مرثیہ نئے صفحہ سے شروع ہوا ہے اور اگر کسی مرثیہ کے آخر صفحہ میں کچھ جگہ باقی رہ گئی ہے تو اس کو میر صاحب کی رباعیات یا سلام سے پورا کیا گیا ہے۔ اس التزام کی بدولت اُنتیس ۲۹ مرثیوں کے ساتھ دو ۲ سلام اور تتالیس رباعیاں شامل ہیں۔ جو مراثی ناظرین کے سامنے پیش کیے گئے ہیں ان کی نسبت قابل مولف کا اندازہ ہے کہ وہ میر صاحب کی سولہ سال سے پچیس ۲۵ سال کی عمر تک کا کلام ہے۔ یا یوں سمجھا جائے کہ یہ وہ مراثی ہیں جو تقریباً ۱۸۱۲ء سے ۱۸۳۰ء کے دوران میں لکھے گئے جو میر صاحب کے عنفوان مشق کا زمانہ تھا۔ میر صاحب کے اس کلام میں بھی وہ باتیں جو اس زمانے کے شعرا کا مایۂ فخر تھیں پائی جاتی ہیں مثلاً ضلع جگت اور تلازمے جو اس عہد کی خصوصیات میں تھے اکثر ملتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

بھرتی تھی آہِ سرد ہر اک باغ میں نسیم — غنچوں کے دل دھڑکتے تھے تھا روز خوف و بیم
کہتی تھی عندلیب کہ فریاد ہے کریم — آئی ریاضِ دیں پہ عجب آفتِ عظیم

پانی نہیں ملا ہے کسی گلعذار کو
لوٹے گی اب خزانِ ستم اس بہار کو

اسی طرح متروکات کا استعمال مثلاً (جاگہ) (ویجیو) (جائیو) وغیرہ الفاظ اگرچہ جلد دوم کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس جلد کے مراثی میں زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ اُردو کی ابتدائی ترقی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کے شعرا وہ محاورے جو قدیم کہے جاتے ہیں اور وہ الفاظ جن کے استعمال کرنے میں اب مبتدی کو بھی تامل ہوتا ہے بے تکلف استعمال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انیس جیسے قادر الکلام شاعر کے ابتدائی کلام میں ہم کو یہ شعر ملتا ہے جس میں کمر کی میم کی حرکت کو بصیغہ جمع استعمال کرنے کی صورت میں سکون سے بدل دیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وہ بولے کہ ہاں صبح سے ہم لوگ ہیں تیار   کمروں سے اسی واسطے کھولے نہیں ہتھیار

اس زمانے میں تعقید کو چاہے وہ کتنی ہی دور جاکر کیوں نہ پڑے روا رکھا جاتا تھا۔ مثلاً اس ٹیپ میں

رہنے دو زمیں پر نہ اُٹھاؤ ابھی ہم کو   ٹھہرو کہ امام زمن آیا کوئی دم کو

مصرع ثانی میں "کوئی دم کو" "ٹھہرو" سے بہت دور جا پڑا ہے۔ ایسی تعقید اس زمانے میں معیوب ہے۔ اس جلد کے مراثی کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان میں عربی فارسی کے مشکل الفاظ زیادہ ملتے ہیں۔ مثلاً اس شعر میں

کس کو نہیں معلوم تہ چرخ مقرنس   مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس

یا:- جتنے تھے الاغ و شتر و قاطر و رہوار   سیراب ہوئے سب تو چھپے سید ابرار

ہم نے مقرنس۔ الاغ۔ قاطر جیسے الفاظ کے معنی بھی موقع بموقع لکھ دیے ہیں۔ بعض اشعار بتلاتے ہیں کہ عربی فارسی کے ساتھ ساتھ ٹھیٹھ ہندی کے الفاظ بھی اس زمانے کے شعرا کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ ایک بند کی ٹیپ ہے ؎

جائے گی سحر کو تو اس آ کھر میں نہ آنا   بچہ نہ ملے گا تو مرے گھر میں نہ آنا

ایک دوسرے بند کی ٹیپ ہے ؎

اوٹ کچھ کرلے کہ وہ جی سے گزر جائے گی   ذبح ہوتے مجھے دیکھے گی تو مر جائے گی

اس جلد میں دو مرثیے ایسے شامل ہیں جن کے متعلق کچھ عرض کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک مرثیہ

"رن میں جس دم حُرِ ذی شان نے شہادت پائی"

وہ مرثیہ ہے جو میر صاحب کے چھوٹے صاحبزادے میر محمد کے نام سے مشہور ہے لیکن مولنا طباطبائی صاحب مولف نے اس کو میر انیس کی شہادت کی بنا پر میر انیس کے کلام کے مجموعہ میں یہ کہکر شامل کر دیا ہے کہ "فی الواقع یہ مرثیہ انیس کا مصنفہ ہے۔ اُنھوں نے اپنے صاحبزادے کے نام سے لکھ دیا تھا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جو کلام کسی شاگرد یا اپنے سے چھوٹے درجے کے شخص کے لیے کوئی بڑا آدمی لکھ دیتا ہے وہ اس کاوش اور توجہ سے کام نہیں لیتا جو اپنے کلام میں مدنظر رکھی جاتی ہے۔ اس لیے یہ مرثیہ بھی یقیناً آمد میں لکھا گیا ہے۔ اور اس میں سراسر آمد ہی آمد ہے۔ ساتھ ہی مشاقی اور اُستادانہ طرز بیان کی جھلک نمایاں ہے مثلاً لکھتے ہیں ؎

ملکے آنکھوں کو جو چومے قدم شاہ زماں   تیرگی رُخ کی سمٹ کر ہوئی سجدے کا نشاں

ہاتھ باندھے ہوئے آیا تو کھلے باب جناں   حُر کہاں زانوئے فرزند ید اللہ کہاں

لاکھ مردود جو بہکائیں تو کیا ہوتا ہے

بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے

ٹیپ کا آخری مصرعہ کس قدر صاف ہے اور وہ اس قدر زبان زد خاص و عام ہے کہ ضرب المثل کی حد تک پہنچ گیا ہے۔

دوسرا مرثیہ (شبیر پہ سختی ختم تھی مشکل نبی پہ) وہ مرثیہ ہے جو نول کشور پریس کی جلد اول میں میر صاحب ہی کے نام سے شایع ہوا ہے۔ مولنا طباطبائی صاحب نے ایک قلمی نسخے میں اس مرثیہ کے مقطع میں میر صاحب کے والد بزرگوار میر خلیق کا نام

ملہ ملاحظہ ہو مرثیہ نمبر ۳۰ صفحہ ۳۰۰   ۵۲ مرثیہ نمبر ا صفحہ ۹   ۵۳ مرثیہ نمبر ۲۳ صفحہ ۳۱۲

دیکھا ہی لیکن باوجود اس کے اُنھوں نے اس کو میر انیس کے کلام میں شامل کرنے کا بجا فیصلہ کیا کیونکہ میر خلیق کا نام اس مرثیہ کے مقطع میں صرف ایک قلمی نسخہ میں پایا جانا اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ یہ مرثیہ میر انیس کا نہیں ہی۔ یہ امر واقعہ ہی کہ میر انیس و مرزا دبیر کے انتقال کے بعد مرثیہ خوانوں کا ایک پیشہ ور گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے مرثیوں میں تصرف کرتا تھا۔ یہ مرثیہ خواں کہیں کی ٹیپ کہیں لگا دیتے تھے۔ ایک مرثیہ کے بند دوسرے میں چسپاں کر دیتے تھے جب حالت یہاں تک پہونچ گئی ہو تو مقطع میں تخلص کا بدل دینا تعجب خیز نہیں ہو سکتا۔ اس مرثیہ کی زبان اور طرز بیان پر غور کرنے سے بھی وہ میر انیس ہی کا معلوم ہوتا ہی۔ مثلاً جب حضرت علی اکبر رن میں تشریف لے گئے ہیں تو حضرت سید الشہدا حضرت شہربانو کو ان کے لخت جگر کی اس حالت کی خبر جو ان پر لڑائی میں گزر رہی تھی اس طرح دیتے ہیں ؎

میدان میں سُنتی ہو یہ تلواروں کی جھنکار اور برچھیوں کے پھل وہ چمکتے ہیں جو ہر بار
بی بی ترے فرزند پہ چلتے ہیں یہ سب وار وہ تشنہ دہن ایک ہی اور لاکھ ستمگار
مرکر ہمیں صورت بھی دکھاتے نہیں اکبرؑ ہم دیر سے چلاتے ہیں آتے نہیں اکبرؑ

اس کے بعد اسی مرثیہ میں حضرت علی اکبر کی شہادت کی خبر سُننے کے بعد حضرت زینب کی جو حالت ہوئی اس کی تصویر جس طرح کھینچی ہی وہ میر انیس ہی کا حصّہ ہو سکتی ہی فرماتے ہیں ؎

ہلتے تھے دُر گوش کھلا تھا سر انور اک دوش پہ اک خاک پہ تھا گوشۂ چادر
گرتی تھی کبھی اور کبھی چلاتی تھی اُٹھ کر ہی ہی علی اکبر علی اکبر علی اکبر
منزل کا پتہ مجھ کو نہ دیتے گئے واری اس پالنے والی کو نہ لیتے گئے واری

خلاصہ یہ ہی کہ میر انیس کا کلام خواہ وہ زمانہ پیری کی تصنیف ہو یا متوسط عمر میں کہا گیا ہو یا عنفوان شباب کی مشق ہو اُردو ادب کے لیئے مایۂ ناز ہی۔ میر انیس کی یہ تعلّی نہیں بلکہ حقیقت ہی ؎

نظم ہی یہ یا دُر شہوار کی لڑیاں۔ انیس جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

ایک رباعی میں بھی اسی مطلب کو ادا کیا ہی ؎

مملوء دُرِ معنی سے مرا سینہ ہی دل میں یہ صفائی ہی کہ آئینہ ہی
جب قفل دہن کھلا جواہر نکلے گویا کہ زباں کلیدِ گنجینہ ہی

اُمید ہی کہ اُردو ادب کے دلدادہ اس ادبی کوشش کو جو میر انیس کے کلام کو صحت و صفائی کے ساتھ شایع کرنے میں صرف کی گئی ہی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور یہ جلد سوم بھی سابقہ دو جلدوں کی طرح مقبول خاص و عام ہو گی

خاکسار

نظامی بدایونی

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ

مطابق ۲۳ فروری ۱۹۳۰ عیسوی

عکس تحریر میر انیس

(مراثی انیس جلد سوم)

اک جا ہی جو وہ شمع ہر عالم میں ہیں مشہور
کیا شان خدا ہے کہ وہ مقتول ہے مغفور
دو ہوتا ہے جو ہوتا ہے اللہ کو منظور
انسان ہی حق کی طرف اپنی بمقدور
دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھی
انکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھا

غل تھا کہ یہ احمد کی رفاقت کا ثمر ہے
جنت گل زہرا کی محبت کا ثمر ہے
ایمان کی ہی نخل ولایت کا ثمر ہے
سرسبزی حر باغ رسالت کا ثمر ہے
مولا جسے چاہیں وہ گنا ہو نسی بچا ہو
کہتے ہیں پسر اول آئے ہی کیونکر نہ بری ہو

یہ مرتبہ بھی شکر گزاری نہیں ہوتا
یہ اوج بجز رحمت باری نہیں ہوتا
کم قدر کا پلہ کبھی بھاری نہیں ہوتا
بے فیض یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا
راحت بھی اٹھاتے ہیں جب آزار ملے ہیں
غواص کو اکثر در شہوار ملے ہیں

بسم اللہ خیر الاکلاد
جب حر کو ملا خلعت پرخون شہادت
جنت میں گیا رایض گلگوں شہادت
مستوجب رحمت ہوا وہ مفتون شہادت
جان بیچ کے پایا در مکنون شہادت
بی سر دی ہر گز یہ مہم سر نہیں ہوتی
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسر نہیں ہوتی

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

فہرست مراثی

جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ (۱)

جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوفِ حرم کی
فرمایا کہ لو راہ بس اب ملکِ عدم کی
جوں قبلہ نما قصد جدھر کرتے ہیں شبیرؑ
کہتے تھے بصد درد کہ اے کعبۂ داور
ملتی نہیں سید کو اماں وائے مقدر
دوری ہوئی اس گھر سے بس اب دل کو یقیں ہے

اے رکن و مقام اب ہے مرا کوچ جہاں سے
اس دشت میں مشتاقِ قضا جاتا ہوں یاں سے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
اس راہ میں اب مجھ کو توقف کی نہیں تاب
دل غم سے بھرا آتا ہے اے زمزم و میزاب
اک جام دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا

اے کوہِ صفا دل ہے مکدر ترے غم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے
سب نعل مرے گردِ غریبی سے اٹیں گے

اس کعبۂ ایماں پہ گھٹا چھا گئی غم کی
بطحا سے چلی فوج شہنشاہِ امم کی
پھر پھر کے سوئے کعبہ نظر کرتے ہیں شبیرؑ
اب تجھ سے جدا ہوتا ہے فرزندِ پیمبرؐ
جاتا ہوں سوئے گور سراسیمہ و مضطر
قربانیِ شبیرؑ کا ہنگام قریں ہے

چھٹتا ہے مکیں خالقِ اکبر کے مکاں سے
ٹکڑے مجھے ہونا ہے جہاں تیغ و سناں سے
راضی ہوں خداوندِ دو عالم کی رضا پر
رخصت ہے مری اے حجر و منبر و محراب
دریا پہ لعیں ذبح کریں گے مجھے بے آب
چاہیں گے کنوؤں سے بھی تو پانی نہ ملے گا

صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگِ الم سے
قسمت لیے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
گرمی کے یہ دن بچوں پہ تشنگی سے کٹیں گے

پھر قبرِ محمّد کی طرف پڑھ کے زیارت
کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رخصت
کعبہ میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت
آزار پہ باندھے ہیں کمر اہلِ ضلالت
مخفی ہوئے ہیں قافلۂ حاج میں آکے
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے

ملجا ہی نہ منجی ہے نہ مأمن نہ مفر ہے
غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
تلواریں ہیں جلّادوں کی اور اک مرا سر ہے
رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
توڑیں اُنھیں گر پھول بھی پائیں مری بو کے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

نانا مجھے رہنے کا ٹھکانا نہیں ملتا
جنگل میں بھی بستی کا بسانا نہیں ملتا
آٹھ آٹھ پہر بچّوں کو کھانا نہیں ملتا
پانی کہیں ملتا ہے تو دانا نہیں ملتا
مہلت نہیں اتنی کہ میں سایہ میں کھڑا ہوں
حضرت سے جدا ہو کے تباہی میں پڑا ہوں

دنیا میں ہیں دو امن کے گھر یا شہِ ابرار
اِک خانۂ حق ایک درِ احمدِ مختار
بے خوف یہاں آکے جو مخفی ہو گنہگار
کرسکتا ہے سلطاں نہ وزیر اُس کو گرفتار
یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لیئے امن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

حاکم نے مدینہ کے ادھر مجھ کو ستایا
میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
جلّادوں سے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا
میں دھوپ میں ہوں جب سے اُٹھا آپ کا سایا
حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

فریاد ہے راحت سے مجھے مولا نہیں ملتی
اِک خیمہ بپا کرنے کی بھی جا نہیں ملتی
اب راہ پہاڑوں کی بھی اصلا نہیں ملتی
دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی
راحت مری اُمت ہی کو منظور نہیں ہے
مٹی بھی نہ دیں مجھ کو تو کچھ دور نہیں ہے

میں بچوں کو لیکر کدھر اس شہر سے جاؤں
کس دشت میں اس آپ کی بستی کو بساؤں
سیدانیوں کو کونسے پردے میں چھپاؤں
مخفی ہوں اگر قبر کا گوشہ کہیں پاؤں
کب دن میں کئی بار اُسے غش نہیں آتا
زینب کا ہے وہ حال کہ دیکھا نہیں جاتا

بانو غمِ صغرا میں بکا کرتی ہی دن رات
سہمی ہی سکینہ بہت اے قبلۂ حاجات
ساتھ اُس کے زمانہ سے گزر جاؤنگا میں بھی
تا شام تو لوں چلتی ہی جنگل میں سحر سے
چلاتی ہی برسا کے لہو دیدۂ تر سے
پہلو میں تری پاتی ہوں خوشبو نہیں صغرا
یہ کہہ کے روانا ہوا وہ خاصۂ باری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری
جھکے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
اونٹوں کو بھی تھا وجد حدی خواں کی صدا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یادِ خدا سے
صحرا تھا دمِ ظہر کہ دامن تھا جبل کا
وحشت کو فراموش کیے دشت کے آہو
غل تھا پسرِ شیرِ الٰہی ہی یہ مہرو
رُخ ماہِ دو ہفتہ ہی تو قد سروِ سہی ہی
کچھ دن سے اُترتے تھے جہاں سیدِ ابرار
اُردو میں دکانیں جو لگاتے تھے دکاندار
نیت میں فروشندوں کے ثابت قدمی تھی
کھولے ہوئے پرکھتے تھے شاہین ترازو
سُن لے جو فروشندہ ہی سنجیدہ و خوشخو
اِک فصل میں اس جنس کے عقدے بھی کھلیں گے

تلخی میں بسر ہوتی ہی مولا مری اوقات
رو دیتی ہی مجھ سے بھی جو کرتی ہی کوئی بات
یہ مر گئی غربت میں تو مر جاؤں گا میں بھی
کم دودھ ہی بانو کا صعوباتِ سفر سے
بچی ہیں تجھے ڈھونڈ کے لے آؤں کدھر سے
افسوس کہ سب ساتھ ہیں پر تو نہیں صغرا
گویا کہ بیاباں میں چلی بادِ بہاری
فیاض نے صحرا کی بھی کی کاربراری
نافے لیے جھولی میں نسیمِ ختن آئی
گھوڑے بھی تراروں میں کچھ آگے تھے ہوا سے
صاف آتی تھی تکبیر کی آوازِ درا سے
غل ہوتا تھا اِک حَیَّ عَلیٰ خَیرِ عمل کا
تکتے تھے بہ حسرت طرفِ سیدِ خوشخو
خوشبو میں بہ از مشکِ ختا ہیں یہی گیسو
دے آئی تھی بچہ جسے ہرنی وہ یہی ہی
ہو جاتی تھیں تاریک شبیں مطلعِ انوار
آراستہ ہو جاتا تھا اک چھوٹا سا بازار
پانی کا نہ تھا قحط نہ غلّے کی کمی تھی
پلّے ہوں برابر کہ یہ عادل کا ہی اُردو
خاسر ہی جو میزان میں ہوا فرق سرِ مو
اعمال یوہیں عدل کی میزان میں تلیں گے

قریوں سے زیارت کو جو آجاتی تھی خلقت
کرسی پہ نکل بیٹھتے تھے خیمہ سے حضرت
یکساں تھی ہر اک پر نظرِ لطف و عنایت
محتاجوں سے باتیں تھیں غریبوں سے محبت
ہر عاجز و بیکس کی مدد کرتے تھے مولا
درویش کا ہدیہ بھی نہ رد کرتے تھے مولا

عقدے تھے اگر حل انھیں کر دیتے تھے حضرت
خالی تھے جو دامن انھیں بھر دیتے تھے حضرت
بے برگ درختوں کو ثمر دیتے تھے حضرت
لاتا کوئی دو پھول تو زر دیتے تھے حضرت
پھل اُس کو دیئے جس کو برومند نہ دیکھا
فیاض کی مٹھی کو کبھی بند نہ دیکھا

کافر بھی جو آیا اُسے دی دولت ایمان
بے زاد مسافر تھا ہر ایک آپ کا مہمان
تھا مصحفِ ناطق کی طرح خلق پہ احسان
منزل کوئی بے فیض نہ تھی صورت قرآں
وہ کونسا عاجز ہے جو کچھ پا نہیں جاتا
دریا پہ جو آتا ہے وہ پیاسا نہیں جاتا

جس دشت میں اُس سرورداں کے قدم آئے
پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امامِ اُمم آئے
جس طرح برستا ہوا ابرِ کرم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

سب کہتے تھے ای احمدِ مختار کے جائے
کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا اِدھر آئے
فرماتے تھے شبیر کہ ہم رہنے نہ پائے
یوں کوئی مسلمان نہ مسلماں کو ستائے
مہمانیِ تیغ و تبر و تیر ہوئی تھی
تدبیر گرفتاریِ شبیر ہوئی تھی

گردست ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار
چلتی حرمِ حضرتِ معبود میں تلوار
بگڑے تھے خبر سنتے ہی عباس خوش اطوار
باندھے رہے تا صبح سرِ شام سے ہتھیار
بپھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رُکتے
نہ مجھ سے نہ یہ قافلۂ حاج سے رُکتے

کہتے تھے یہ شمشیر دو دم تول کے ہر بار
شیروں کے پسر بھی کہیں ہوتے ہیں گرفتار
پاس اِس کا نہ ہوگا کہ یہ ہے خانۂ غفار
کر دوں ابھی تا کوہ صفا لاشوں کے انبار
یوں قتل ہو سب فوج لڑائی کی بنا ہیں
جس طرح گلے کٹتے ہیں دُنبوں کے منا ہیں

ہونٹوں کو چباتے تھے علی اکبر گلفام ۔۔۔ تھرا رہا تھا غیظ سے قاسم کا بھی اندام
زینب کے پسر کہتے تھے تولے ہوئے صمصام ۔۔۔ اب کعبہ سے لڑتے ہی چلے جائیں گے تا شام
تلواریں پکڑ کر جو لعینوں پہ جھکیں گے ۔۔۔ روکیں گے جو آقا بھی تو پھر ہم نہ رکیں گے

جھنجلائے ہوئے مسلم ذی جاہ کے دلدار ۔۔۔ ایک ایک سے کرتے تھے تلفظ یہی ہر بار
آئے ہیں جو چھپ کر پئے قتل شہ ابرار ۔۔۔ بتلاؤ تو کس قافلے میں ہیں وہ ستمگار
پائیں تو پھریں قلب جگر کاٹ کے ان کے ۔۔۔ کوفے میں ابھی بھیج دیں سر کاٹ کے ان کے

سوچا ہیں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد ۔۔۔ حرمت حرم کعبہ کی ہو جائے گی برباد
گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہ کی اولاد ۔۔۔ حاضر تھا میں گر سر بھی مرا کاٹتے جلاد
پھیلے جو فساد آہ! ادھر سے نہ نکلتا ۔۔۔ مر کر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

راضی ہوں کہ اس بن میں کٹے تن سے مرا سر ۔۔۔ جس بن میں نہ پانی ہو نہ دانہ ہو میسر
کچھ غم نہیں لاشے کو کفن بھی نہ ملے گر ۔۔۔ پر خون نہ مسلمانوں کا ہو یاں کی زمیں پر
معلوم ہے سب کو کہ یہ وہ پاک زمیں ہے ۔۔۔ پشّے کے ستانے کا جہاں حکم نہیں ہے

کس کو نہیں معلوم تہ چرخ مقرنس ۔۔۔ مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
فرصت نہ ملی حج کی میں ایسا ہوا بے بس ۔۔۔ مقدور ہے پہ مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بیکس
تیغوں سے نہ ملتی انھیں مہلت کوئی دم کی ۔۔۔ واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

جس گھر کو بتوں سے اسد حق نے کیا پاک ۔۔۔ جانے نہیں دیتے اسی گھر میں ہمیں سفاک
بدعت سے لعینوں کی کلیجہ ہے مرا چاک ۔۔۔ شاید میں نہیں لخت دل سید لولاک
قابض ہوئے ہیں گھر پہ خداوند احد کے ۔۔۔ جانے نہ دیا مجھ کو مصلے پہ بھی جد کے

کعبہ جو حقیقت میں ہے لاریب وہ میں ہوں ۔۔۔ ہاں جس کے لیے ہے مدد غیب وہ میں ہوں
جس میں نہیں دنیا کا کوئی عیب وہ میں ہوں ۔۔۔ معصوم ہے طفلی سے جو تا شیب (پیری) وہ میں ہوں
اوج ان کے ہیں جو اوج سعادت کے ہما ہیں ۔۔۔ کعبہ بھی ہمیں سے ہے ہمیں قبلہ نما ہیں

عالم ہیں سب اس کے کہ ہیں حج و کعبۂ دیں ہوں
حق مجھ سے ہے نزدیک تو ہیں حق سے قریں ہوں
شاہد فلک اس کا ہے کہ مختار زمیں ہوں
کعبہ کی طرح خاتمِ دنیا کا نگیں ہوں
سمجھے وہی اس رمز کو جو حق کی طرف ہے
حج سے بھی سوا میری زیارت کا شرف ہے

سب حج کے مراتب ہیں زیارت میں ہماری
حاجی ہیں جو ہیں محو محبت میں ہماری
ناجی ہے جو مرتا ہے اطاعت میں ہماری
بگڑا بھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
ہم جس سے پھرے سب کی نگاہوں سے گرا وہ
جو ہم سے پھرا کعبۂ ایماں سے پھرا وہ

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی
قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
بندوں کو سرافراز کریں سرورِ عالی
مہماں ہوں غریبوں کے یہ انصار و موالی
فخر اس کا ہے رخ آپ کا جس دِہ کی طرف ہو
عزت ہو جو مُردوں کی تو زندوں کا شرف ہو

سرسبز زراعت بھی ہے جھیلیں بھی ہیں پرآب
میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے اسباب
باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں مریں گے
ہم جان بھی دیدینے میں صرفہ نہ کریں گے

گھر چھوڑ کے اب آپ کہاں جاتے ہیں مولا
یہ کیا ہے جو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں مولا
خادم انھیں قدموں سے شرف پاتے ہیں مولا
سب آپ کا صدقہ ہے جو ہم کھاتے ہیں مولا
خالی ہو جو دنیا قدمِ سرورِ دیں سے
دانہ کبھی برسوں میں نہ پیدا ہو زمیں سے

رکھے جو قدم اس پہ امامِ دوسرا نے
بخشی برکت خاک کے طبقے کو خدا نے
اک دانے کو سو سو جو خدا دیتا ہے دانے
بینا ہو تو سمجھے اسے دانا ہو تو جانے
جو دل سے بھلا دیتا ہے حق آلِ نبیؐ کے
بجلی بھی جو گرتی ہے تو خرمن پہ اُسی کے

اللہ نے چشمے جو کیے خلق میں جاری
سب ہے یہ کرم آپ کا اے خاصۂ باری
منھ آپ پھرا لیں تو زمیں خشک ہو ساری
صحرا کی طرف رُخ نہ کرے ابرِ بہاری
باغوں میں کوئی پھول نہ پتا نظر آئے
کوسوں کہیں جنگل میں نہ سبزا نظر آئے

یہ عجز یہ الطاف ہے اس جاہ و حشم پر
وہ قطع ہو جو ہاتھ اُٹھے شاہِ امم پر
تنہا یہ ترحم یہ عنایت نہیں ہم پر
مہمان ہیں دُنیا میں سب اس خوانِ کرم پر
نور آپ جو بخشیں تو ستارے بھی قمر ہوں
اس گھر کے طفیلی ہیں ملک ہوں کہ بشر ہوں

وہ کون ہے ان ہاتھوں سے جو پا نہیں جاتا
خالی کوئی اللہ کا بندا نہیں جاتا
گھر اُس کے پہونچا ہے جو کچھ کھا نہیں جاتا
دُشمن بھی جو آتا ہے تو بھوکا نہیں جاتا
دربان کوئی روکے یہ وہ سرکار نہیں ہے
کافر ہے جو اس گھر کا نمک خوار نہیں ہے

گھر جتنے ہیں مولا کے غلاموں کے وہ گھر ہیں
کھینچے کوئی تلوار تو ہم سینہ سپر ہیں
ہم بندے ہیں اور آپ محمدؐ کے پسر ہیں
جانیں ہیں تصدق تو فدا قدموں پہ سر ہیں
اشراف ہیں صادق ہیں وفادار ہیں مولا
اس دِہ کے زن و مرد حیادار ہیں مولا

عورات بھی ہیں فاطمہؓ کے نام پہ قربان
کیا دُخترِ زہرا کی زیارت کا ہے ارمان
فخر اُس کا نبی زادہ ہو جس قوم کا مہمان
فضہ کو بھی تکلیف نہ ہو اُن کو ہے یہ دھیان
ہوگا وہی شہزادیاں جو مُنہ سے کہیں گی
سب بی بیاں زینبؓ کی کنیزیں بنی رہیں گی

فرماتے تھے حضرت تمھیں خالق رکھے آباد
دُنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد
کیا اپنی تباہی کہوں میں بیکس و ناشاد
روؤ گے مفصل جو سنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے کنجِ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

جائے گا اُسی سمت یہ مظلوم مسافر
منزل جو ازل سے ہے معیّن مری خاطر
بستی ہو کہ جنگل وہی حافظ وہی ناصر
آتا ہے محرم یہ مہینا بھی ہے آخر
کھل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبطِ نبیؐ پر
قصہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی پر

ہر چند کہ لُوں چلتی ہے اُٹھتے ہیں بگولے
اشجارِ خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
پڑ جاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھولے
تم لوگوں کی ایسی نہیں اُلفت کہ جو بھولے
موت آئی تو بر میں کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آکے رہیں گے

اُن سب سے یہ فرما کے چلے سید ابرار　　روتے ہوئے بستی میں گئے اہل وہ دیندار
پھر تھے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار　　بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار
گرمی تھی کہ تھے نخل بھی سوکھے ہوئے بن کے　　مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

اُس بن میں چلے جاتے تھے مولائے خوش اطوار　　ہرنی ہوئی اک دور سے ناگاہ نمودار
پہونچی جو قریبِ فرسِ سیدِ ابرار　　ہاتھوں کو زمیں پر وہ پٹکنے لگی اکبار
پیدا تھا غم و درد و الم اُس کی صدا سے　　کچھ کہتی تھی گویا پسرِ شیرِ خدا سے

قرباں کبھی ہوتی تھی شہِ عرش نشیں پر　　جھک کر کبھی ماتھے کو رگڑتی تھی زمیں پر
رکھتی تھی اُٹھا کر کبھی سُم دامنِ زیں پر　　آنکھیں کبھی ملتی تھی وہ پائے شہِ دیں پر
پایا تھا زبس عقدہ کشا اہلِ عبا کو　　ہونٹوں سے پکڑ لیتی تھی دامانِ قبا کو

نزدیک تھے بیٹے جو کئی شیرِ خدا کے　　ایک ایک کا منھ تکتی تھی وحشت میں وہ آکے
ہنس دیتے تھے شہ ہاتھ کو ماتھے پہ پھرا کے　　رم کرتی نہ تھی خلق کے سرتاج کو پا کے
علم اُس کا کسی اور کو کیونکر ہو جہاں میں　　کچھ کہتے تھے حضرت اُسی ہرنی کی زباں میں

عباس سے ارشاد کیا آپ نے مڑ کر　　تم جانتے ہو مجھ سے جو کہتی ہے یہ مضطر
اُس شیر نے کی عرض کہ اے نائبِ حیدرؑ　　جانے کوئی کیا غیرِ دل و جانِ پیمبرؐ
سمجھے یہ زباں وہ جو امامِ دوجہاں ہو　　عقدہ یہ وہ کھولے جو سلیمانِ زماں ہو

جنات ہوں احرار ہوا ہوں کہ دد و دام　　دم بھرتے ہیں مولا کی عطا کا سحر و شام
اک بات میں بن جاتے ہیں بگڑے ہوئے سب کام　　عالم کا وسیلہ ہیں شہنشاہِ خوش انجام
سب اس درِ دولت پہ جھکائے ہوئے سر ہیں　　دنیا میں اگر ہیں متمرّد تو بشر ہیں

مور و ملخ و گرگ و غزال و فرس و شیر　　سب آتے ہیں جب آتا ہے کچھ خلق پہ اندھیر
کی جس نے جفا اُس پہ چلی عدل کی شمشیر　　فریاد رسی میں کبھی حضرت نے نہ کی دیر
بچ بچ گئے یاں ذبح سے جاں دار ہزاروں　　چھٹ چھٹ گئے مرغانِ گرفتار ہزاروں

دیکھے کوئی ہرنی کو نہ وحشت ہے نہ رم ہے
پہچانتے ہیں سب کہ یہ آہوئے حرم ہے
اخلاق حسنؑ ہے تو محمدؐ کا کرم ہے
زائل نہیں ہوتا ہے وہ جو کچھ جسے غم ہے
اللہ رے شرف سبط رسولِ دوسرا کے
مالک تو خدائی کے ہیں بندے ہیں خدا کے

مظلوم کو دنیا میں ملی داد اسی گھر سے
غمگیں بھی جو آیا وہ گیا شاد اسی گھر سے
احرار ہوا بھی ہوئے آزاد اسی گھر سے
آہو کے بھی آنکھوں پہ ہوا صاد اسی گھر سے
کھاتا ہے طمانچہ جو دلیر آتا ہے مولا
اس در پہ دبکتا ہوا شیر آتا ہے مولا

اے لخت دلِ قاضی شہباز و کبوتر
حیوانوں کے قضیئے نہیں فیصل ہوئے اکثر
مولائے جہاں نورِ رخ سبط پیمبرؐ
دنیا میں اگر ہے تو ہے عادل کا یہی گھر
ظالم کو سزائے شر و بیداد ملے گی
فریاد کو آئی ہے تو یاں داد ملے گی

فرمایا خدا دے نہ کسی کو غم اولاد
یاں آئی ہے فریاد کو یہ مضطر و ناشاد
کہتی ہے کہ اس دشت میں مجھ پر ہوئی بیداد
مولا مرے بچے کو پکڑ لے گیا جلاد
بیکل ہوں طبیعت مری جینے سے ہٹی ہے
آقا مجھے یہ رات تڑپنے میں کٹی ہے

ملتا نہیں حضرت مرے بچے کا ٹھکانا
پانی نہ بغیر اس کے خوش آتا ہے نہ دانا
سوجھے مجھے کس طرح چراگاہ میں جانا
اندھیر ہے مولا مری آنکھوں میں زمانا
بیتاب ہے دل خون ٹپکتا ہے جگر سے
میں چوکڑی بھولی ہوئی ہوں چار پہر سے

جاں آئے جو کھوئے ہوئے بچے کو میں پاؤں
کس دیس سے کس بن سے اسے ڈھونڈ کے لاؤں
صیاد کے گھر کس کے وسیلے سے میں جاؤں
شق چھاتیاں ہوتی ہیں کسے دودھ پلاؤں
جیتی رہوں یہ وہ ستم و جور نہیں ہے
اب تو کوئی بچہ بھی مرا اور نہیں ہے

اس رات کو باپ اس کا سحر تک نہیں سویا
ہٹکا کبھی سر کو کبھی تڑپا کبھی رویا
کہتا تھا کہ تو آپ ہے آرام کی جویا
غافل ہوئی ایسی کہ جگر بند کو کھویا
جائے گی سحر کو تو اس آگھر[۱] میں نہ آنا
بچہ نہ ملے گا تو مرے گھر میں نہ آنا

۱؎ چوپایوں کے رہنے کی جگہ ۱۲

کیوں تو نے سزا دور چلے جانے کی پائی
کیا کام ہے اب گھر میں مرے کس لیے آئی
ساری یہ مصیبت تری غفلت نے دکھائی
یاں سے تو اُسے لے گئی اور ساتھ نہ لائی
چھوڑا تجھے جنگل سے الگ جا کے مروں گا
اب سر کو پہاڑوں سے میں ٹکرا کے مروں گا

سایہ بھی نہیں دوپہر اب ڈھلتی ہے آقا
ہیں دھوپ میں آپ اور زمیں جلتی ہے آقا
کب دیکھیے یہ سر سے بلا ٹلتی ہے آقا
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے آقا
فریاد اسی دشت پُر آفت میں لٹی ہوں
بچّے سے بھی آہو سے بھی گھر سے بھی چھٹی ہوں

بن میں اُسے میں ڈھونڈھتی پھرتی تھی بصد یاس
اک آہوئے صحرا نے کہا کچھ نہیں وسواس
جنگل میں ہے فخر خضر و عیسے و الیاس
فریادی ہو جا کر پسر فاطمہؑ کے پاس
صحرا سے کہیں باد بہاری نہ نکل جائے
جا جلد کہ مولا کی سواری نہ نکل جائے

شہزادوں کو دنیا میں سلامت رکھے اللہ
اولاد کی اُلفت سے تو خوب آپ ہیں آگاہ
حیواں کو بھی دلبند کی ہوتی ہے بہت چاہ
للہ مدد کر مری اے ابن یداللہ
بچھڑے ہوئے دلبر سے مجھے جلد ملا دے
اصغرؑ کا تصدق مرے بچّے کو دلا دے

دے گا مجھے صیّاد جو بچہ مرا لا کے
میں پیار کروں گی اُسے چھاتی سے لگا کے
بچ جائے گا صدقے میں امام دوسرا کے
دے دوں گی اُسی شخص کو پھر دودھ پلا کے
دم بھر بھی جو شکل اُس کی نظر آئے گی مولا
تسکین تو کچھ قلب کو ہو جائے گی مولا

یہ سنتے ہی صیاد کے گھر پر گئے سرور
ہرنی بھی گئی ساتھ سراسیمہ و مضطر
گھر سے نکل آیا وہ تو بولے شہ صفدر
اُس بچۂ آہو کو یہاں چھوڑ دے لا کر
حسرت لیے دودھ اُس کو پلانے کی بڑی ہے
بچہ وہ اسی کا ہے یہ ہرنی جو کھڑی ہے

صیاد ہوا شہ کی طرف دیکھ کے ششدر
دل میں کہا مقبول ہے یہ بندۂ داور
دوڑا گیا اور گود میں بچے کو اُٹھا کر
لایا تو اُسے چھوڑ دیا ماں کے برابر
منہ بچّے کے چہرے سے ملانے لگی ہرنی
بو سونگھ کے دودھ اُس کو پلانے لگی ہرنی

جب سیر ہوا دودھ سے مادر کے وہ بچا
ہرنی نے اُسے چھوڑ کے منہ شاہ کا دیکھا
صیاد سے فرمانے لگے سیدِ والا
دے بچۂ آہو مجھے اور لے عوض اس کا
جس چیز کی خواہش ہو ابھی تجھ کو منگا دوں
بچہ اسے دیدوں تجھے بخشش کی دعا دوں

دُنیا میں بشر دل کو کسی کے نہ ستائے
لازم ہو کہ پاک آیا ہو اور پاک ہی جائے
کیا جانیے کب کوچ ہو کس دم اجل آئے
ہم خوش ہوئے تو حق سے جزا خیر کی پائے
رب دو جہاں گھر ترا آباد رکھے گا
بھائی ترے بچوں کو خدا شاد رکھے گا

منظورِ نظر ہو کہ نہ غمگین ہو یہ حیوان
بولا وہ کہ بخشا اسے میں نے بدل و جان
میں اور مرا گھر آپ کے الطاف پہ قربان
ہرنی سے یہ فرمانے لگے سرورِ ذیشان
بس اب مری جانب نہ بحسرت نگراں ہو
لے بچے کو لیکر طرفِ دشت رواں ہو

آنکھوں سے لگا کر قدمِ سیدِ ابرار
بچہ لیے راہی ہوئی ہرنی سوئے کہسار
کچھ بولتی جاتی تھی مگر راہ میں ہر بار
سب نے کہا کیا کہتی ہو اب یہ جگر افگار
فرمایا عوض خیر کا ہو خیر جہاں میں
دیتی ہو دعائیں یہ مجھے اپنی زباں میں

کہتی ہو کہ ای احمدِ مختار کے جائے
خالق ترے بچھڑے ہوؤں کو تجھ سے ملائے
اللہ سے تو اس کی جزا خلق میں پائے
غربت میں بلا کچھ ترے بچوں پہ نہ آئے
ہو لطف و کرم ختم گھرانے پہ علی کے
قربان غزال حرمِ لَمْ یَزَلِی کے

کیوں اہلِ عزا رحم کا حضرت کے سنا حال
حیوان پہ بھی کرتا تھا کرم فاطمہ کا لال
مارے گئے کس ظلم سے اُس شاہ کے اطفال
نازک کئی بچے صفتِ گل ہوئے پامال
اکبر تو جواں تھا اُسے شمشیر سے مارا
اصغر کی خطا کیا تھی جسے تیر سے مارا

کیسے وہ مسلماں تھے کہ کچھ رحم نہ آیا
بے شیر کو مرتے ہوئے پانی نہ پلایا
حضرت نے تو یوں بچۂ آہو کو بچایا
زنداں سے سکینہ کو کسی نے نہ چھڑایا
بسمل سی تڑپتی رہی وہ قیدِ محن میں
مرجانے پہ بھی ننھی سی گردن تھی رسن میں

اعجاز اسی طرح دکھاتے ہوئے شبیر
جاتے تھے بصد شوق سوئے نیزہ و شمشیر
گر شام کو ٹھہرے تو سحر کو ہوئے رہ گیر
ہر دم یہ دعا تھی کہ اے مالکِ تقدیر
کشتی مری طوفاں میں ہے ساحل نظر آئے
مشتاق ہے دل جس کا وہ منزل نظر آئے

مطلع دوم

خورشید درخشانِ امامت ہے سفر میں
گردش اُسے آتی ہے نظر دورِ قمر میں
احبابِ وطن پھرتے ہیں حضرت کی نظر میں
صغرا کے بچھڑ جانے کا ہے درد جگر میں
تشویش سے مُنہ قافلے والوں کا بھی فق ہے
غربت میں عجب یوسفِ زہرا کو قلق ہے

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں
یہ دھوپ میں حدّت تھی کہ جلتی تھی نگاہیں
دُشوار تھا پانی کسی چشمے کا جو چاہیں
اُٹھتا تھا دھواں دل سے نکلتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منہ سیم بروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

چہروں پہ جوانانِ علی روکے تھے ڈھالیں
لَو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی بھالیں
گرمی سے وہ کیونکر نہ زبانوں کو نکالیں
دھوپ اُن پہ جنھیں سائے میں سیدانیاں پالیں
اللہ ری تب و تابِ بیابانِ بلا کی
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا گرمی سے ہوا کی

مخفی تھے شرر شدتِ گرما سے حجر میں
چلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نہ بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں
جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے
ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے
دھڑکا تھا کہ یہ لُوں کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے
اودے تھے لبِ لعل سکینہؑ کے عطش سے

تھا مہر کی حدّت سے یہ حالِ شہِ ابرار
ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق، سُرخ تھے رخسار
تحمید میں جنباں تھے لبِ لعلِ گہربار
بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہرا کے چمن میں نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرتِ عباسؑ کا عالم
منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم
فرماتے تھے تاک آنکھوں میں بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمھیں بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یوں اکبرِ مہرو تھے پسینے میں نہائے
جیسے تبِ محرق میں جواں کو عرق آئے
جب پھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
ربِّ دو جہاں حشر کی گرمی سے بچائے
گزرے گا ہر اک دم تپشِ دل سے قلق میں
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہوں گے عرق میں

حضرت کو سکینہ یہ صدا دیتی تھی پیہم
محمل میں گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہوں یہ پسینے کا ہے عالم
برسے گی یوہیں آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہیں ابرِ کرم آپ کرم کیجیے بابا
سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجیے بابا

سن کر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباسؑ
کہتے تھے چچا صدقے ہو روؤ نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس
دم گھٹتا ہے محمل میں تو آ جاؤ مرے پاس
تکلیف تمہاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

قسمت نے نکالا ہے عجب فصل میں گھر سے
تم کیا ابھی واقف ہو صعوباتِ سفر سے
جو نازوں کی پالی کہ ہو نازک گلِ تر سے
گرمی میں وہ یوں سرد ہوا کے لیے ترسے
مجبور ہیں کچھ بن نہیں آتا ہے سکینہ
نیرنگ یہ سب چرخ دکھاتا ہے سکینہ

مشکیں لیے سقے جو سواری کے تھے ہمراہ
بھر لاتے تھے پانی پیے فوجِ شہِ ذی جاہ
جس طرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع بسرِ چاہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یوں شہ کے ہوا خواہ
جنگل میں عطش کا تھا جو صدمہ کہ وہ مہ پر
چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

بھرتا تھا دمِ سرد پریشان کوئی ہو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لوؤں سے ردا چہرے پہ رکھ کے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قریں ناقوں کے آکے شہِ ابرار — حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی سے گھٹا ٹوپ اٹھے جاتے ہیں ہر بار — ای بنتِ ید اللہ سکینہ سے خبردار
رستہ یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے — بچوں کو چھپائے رہو لو آج بڑی ہے

محمل سے نظر کرکے ید اللہ کی جائی — کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی — فریاد بہن دھوپ میں سنولا گئے بھائی
کیا بن گئی جنگل میں امامِ دوسرا پر — سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِ خدا پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں چلیے — دن کاٹیے سایہ میں کہیں رات کو چلیے
منھ دھوئیے دم لیجیے پوشاک بدلیے — لو چلتی ہے آفت کی پہاڑوں سے نکلیے
ناشاد بہن آپ کی غربت پہ فدا ہو — بچہ کوئی گر تونس کے مر جائے تو کیا ہو

غربت کی جفائیں یوں ہیں سہتے ہوئے دن رات — طے راہ خدا کرتے تھے شبیرِ خوش اوقات
ہو جاتی تھی جب مردِ مسافر سے ملاقات — گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات
ٹھہرا نہیں سکتا کہ سرِ راہ ہے بھائی — کوفے کی خبر سے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

وہ کہتا تھا کوفے میں عجب غدر ہے مولا — ہر سمت ہیں قصے تو فساد اُٹھتے ہیں ہر جا
دور اُن کا ہے کچھ جن کو مروّت نہیں اصلا — ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا
ٹوٹا ہے فلک ظلم کا شیعوں کے سروں پر — جب دیکھیے دوڑیں چلی آتی ہیں گھروں پر

اشراف ہیں جتنے وہ نکلتے نہیں گھر سے — دروازے نہیں کھولتے لُٹ جانے کے ڈر سے
ہو جاتی ہے جب شام تردّد میں سحر سے — سب کرتے ہیں سجدے کہ بلا ٹل گئی سر سے
ظلم یہ بیداد نہیں اور کسی پر — مولا یہ تباہی ہے محبّانِ علیؑ پر

گھر گھرتے ہیں بستی میں یہ بدعت ہے یہ بیداد — ویراں ہیں جو سو گھر تو کہیں ایک ہے آباد
پھرتے ہیں مکانوں کے مکیں مضطر و ناشاد — حاکم ہے وہ مغرور کہ سنتا نہیں فریاد
کوچے بھی اُجڑ جانے سے بے ربط ہوئے ہیں — جو بھاگ گئے تھے اُن سب کے مکاں ضبط ہوئے ہیں

کچھ خوف سے مخفی ہیں گرفتار ہیں کچھ لوگ
بگڑے ہوئے آمادۂ پیکار ہیں کچھ لوگ
کوفے سے نکل جانے پہ تیار ہیں کچھ لوگ
کچھ قتل ہوئے ہیں سر دار ہیں کچھ لوگ
بے جرم ستاتے ہیں محبانِ علی کو
غل ہے کہ چھپائے نہ کوئی گھر میں کسی کو

اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر
ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے یہ کس پر
باغات میں کوفے کے پڑے ہیں کئی لشکر
ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر
تیغیں بھی چمکتی ہیں سنانیں بھی تبر بھی
رُخ ایک رسالے کا تو دیکھا ہے ادھر بھی

گھبرا کے یہ اُس شخص سے بولے شہِ مظلوم
بھائی تجھے مسلم کا بھی کچھ حال ہے معلوم
ایسا نہ ہو رہ جائیں ملاقات سے محروم
اُس نے کہا میں واں سے چلا تھا تو یہی دھوم
بے قتل سواروں کو نہ آرام ملے گا
مسلمؑ کا جو سر لاؤ تو انعام ملے گا

کوچوں میں منادی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
بھاگا ہے کل اِک مسجدِ کوفہ سے گنہگار
گھر میں کوئی مجرم کو چھپائے نہ خبردار
آفت ہے محلوں میں بپا بند ہیں بازار
بچنے کا نہیں درپئے جاں دشمنِ دیں ہے
مسلمؑ کہیں پوشیدہ ہے فرزند کہیں ہے

آشوب ہے اُس شہر میں اے خلق کے سرتاج
جو دیں کے ستوں تھے وہ مکاں ہو گئے تاراج
کیا کیا شرفا نانِ شبینہ کو ہیں محتاج
کل قتل ہوا وہ جو گرفتار ہوا آج
وہ خوش ہیں رعیت میں جو حاکم سے ملے تھے
پرسش ہے کہ کیا سوچ کے مسلمؑ سے ملے تھے

جس روز کہ ہانی کو ستمگار نے مارا
عبرت تھی غضب شہر لرزتا رہا سارا
ایک ایک کا صدمے سے کلیجہ تھا دوپارا
نہ ضبط کی طاقت تھی نہ فریاد کا یارا
دل پھک رہے تھے آگ لگی تھی جگروں میں
فاقہ رہا دو روز محبوں کے گھروں میں

جوں جوں یہ بیاں کرتا تھا وہ مردِ مسافر
خاموش کھڑے سُنتے تھے سب یاور و ناصر
مُنھ بھائی کا تکتے تھے شہِ صابر و شاکر
وہ عرض یہ کرتے تھے کہ سب حال ہے ظاہر
کچھ شبہ نہ اس میں ہے نہ تشکیک ہے مولا
جو کہتا ہے رہرو وہ خبر ٹھیک ہے مولا

مسلمؑ سے بس اب پاس ہی یا حضرت شبیرؑ
افسوس کہ پردیس میں بیوہ ہوئی ہمشیر
غدار ہیں بدعہد ہیں مرتا ہیں وہ بے پیر
اب کوفے میں چمکے گی یداللہ کی شمشیر
یہ معرکہ دیکھے گا وہ زندہ جو رہے گا
خون تا بہ کمر دارِ امارہ میں بہے گا

پردیس میں ہونا تھا اُنھیں خاک کا پیوند
جو مرضیِ حق ہے ہم ہیں بہر حال رضامند
ہر طرح گزر جائیں گے یہ بھی نفسِ چند
ہم ہوئیں کہ مسلمؑ ہوں برادر ہوں کہ فرزند
یاور ہیں تو کیا ہیں جو یگانے ہیں تو کیا ہیں
سب ناخنِ پائے شہِ والا پہ فدا ہیں

مسلمؑ کا خوشا اوج زہے بخت زہے رائے
زندہ ہے وہی راہِ محبت میں جو مر جائے
ایذا بھی زیادہ ہوئی رتبے بھی بڑے پائے
وہ کام کا ہے کام پہ مولا کے جو کام آئے
لاکھوں سے لڑے نام کیا تیغ زنی میں
داخل ہوئے دربارِ رسولِ عربی میں

بھر کر نفسِ سرد بڑھے شاہِ فلک جاہ
جلتا تھا جگر قلب پہ تھا صدمۂ جانکاہ
مشہور یہ ہے عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ
پر کٹتی تھی حضرت پہ عجب رنج سے وہ راہ
منزل پہ بھی کچھ نوش نہ فرماتے تھے شبیرؑ
تشویش تھی ایسی کہ گھلے جاتے تھے شبیرؑ

دم بھر کہیں دم لے لیا جب دوپہر آئی
راہی ہوئے پھر دھوپ جو بالائے سر آئی
لیکن کہیں راحت کی نہ صورت نظر آئی
جب آئی خبر راہ میں وحشت اثر آئی
مشتاق تھے جس کے خبر آئی کہ موا وہ
جس دوست سے پوچھا یہ سنا قتل ہوا وہ

ہانی کے لیے روئے عزیزوں سے فزوں تر
آنسو نہ تھما قتل کی آفت کو سن کر
اس طرح کیا ماتم عبداللہ یقطر
جس طرح سے روتا ہے برادر کو برادر
ہوتا ہے غریبوں کا تاسف غربا کو
روتے ہیں یہ ہیں اہلِ وفا اہلِ وفا کو

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں
آپہونچی تھیں ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
سنولائے ہوئے دھوپ میں منہ خشک زبانیں
اللہ کے جو نور ہوں یوں خاک وہ چھانیں
یاں کون سی ایذا ہے جو درپے نہیں ہوتی
بے خارِ الم راہِ خدا طے نہیں ہوتی

اس راہ میں سالک کوئی دم تھم نہیں سکتے
کہتے ہیں ملایک بھی کہ ہم تھم نہیں سکتے
گر ہاتھ بھی تھامے تو قدم تھم نہیں سکتے
سختی ہے کہ ارباب ہمم تھم نہیں سکتے
پھر راہ میں کس طرح ڈگے پاؤں کسی کا
جب قافلہ سالار نواسا ہو نبیؐ کا

جب منزلِ عاجز سے بڑھے سبطِ پیمبرؐ
آئی یہ مفصل خبرِ مسلمؑ بے پر
دنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر
فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے سر
ماتم ہے کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
خندق میں تو لاش اس کی ہے سر قلعہ کے در میں

رنگ اڑ گیا رخساروں سے تھرانے لگے شاہ
اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یرحمہ اللہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ
برپا ہوئے خیمے وہیں اترے شہِ ذی جاہ
لشکر پہ اداسی تھی غریب الغربا کے
سب روتے تھے رونے پہ امامِ دوسرا کے

فرماتے تھے شبیرؑ مسافر مرا بھائی
مقتولِ جفا صابر و شاکر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی
الفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلاشک نہیں پایا
قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا

اللہ رے مسلمؑ کے جگر بندوں کی زاری
ہوش آیا کبھی بار غش آیا کبھی باری
چلاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری
کوفے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
بھڑکی ہے وہ آتش کہ جلاتی ہے جگر کو
دو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو

اس قافلے میں رونے کا اک شور ہوا جب
گھبرا گئے ناموسِ رسولِ عربیؐ سب
غل پڑ گیا پردیسیوں کی خیر ہو یارب
دوڑی ہی گئی سر کھولے درِ خیمہ پہ زینبؑ
چلاتی تھی کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
کس کی خبر آئی ہے ارے کیا ہوا لوگو

صغراؑ کو لیے کہتی تھی بانوئے دل افگار
میرا تو جگر منہ کو چلا آتا ہے ہر بار
اے بی بیو صغرا کو میں چھوڑ آئی ہوں بیمار
یہ کیا ہے جو روتے ہیں تڑپ کر شہِ ابرار
ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو
کیا کچھ مری بچی کی خبر آئی ہے لوگو

زینبؑ کے قریں زوجۂ مسلم تھی کھلے سر
کہتی تھی غضب ہو گیا ای شاہ کی خواہر
چلتی ہی چھری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر
میں رانڈ ہوئی لُٹ گیا کوفے میں مرا گھر
دو بچوں کے دنیا سے گزرنے کی خبر ہی
یہ ایلچی شاہ کے مرنے کی خبر ہی

یہ غل تھا کہ حضرت نے کہا خیمہ میں آکر
ای بیبیو پیٹو صفِ ماتم کو بچھا کر
مسلم سوئے فردوس گئے برچھیاں کھاکر
مارا ستم ایجادوں نے تنہا اُنھیں پاکر
کوفے میں سرِ پاک اُتارا گیا تن سے
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

جس وقت یہ خیمہ میں غضب کی خبر آئی
ناموسِ محمدؐ میں قیامت نظر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کی چادر اُتر آئی
واں کوئی گئی پیٹتی کوئی ادھر آئی
کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر
سب بیٹھے تھے دخترِ مسلمؑ کے بیاں پر

وہ بین نبی زادیوں کے اور وہ ماتم
مقتول کی بیوہ کو غش آجاتا تھا ہر دم
پردیس میں وہ تازہ مصیبت وہ نیا غم
ماتم میں رہے تین دن اُس جا شہِ عالم
فرصت نہ ملی نالہ و فریاد و فغاں سے
بھائی کا سُوم کرکے روانہ ہوئے واں سے

منزل پہ ادھر کوفے سے تھے سیدِ ابرار
جو اک تیرہ گرد اُٹھا دشت سے اک بار
کچھ نیزوں کی نوکیں نظر آئیں تو کچھ اسوار
اکبرؑ نے کہا فوج کی آمد کے ہیں آثار
گھوڑوں سے زمیں ہلتی ہی اک شور بپا ہی
آوازیں یہ زرہوں کی ہیں ٹاپوں کی صدا ہی

عباس نے کی عرض کہ ہم دیکھنے جائیں
ارشاد ہو مولا کا تو یہ آنے نہ پائیں
فرمایا یہ کیا ہیں جنھیں ہم دھیان میں لائیں
جاتے ہیں تو جائیں ادھر آتے ہیں تو آئیں
کیا غم جو نہ تابع نہ ملازم ہو کسی کا
فوجوں سے وہ ڈرتا ہی جو مجرم ہو کسی کا

شر اپنی طرف سے نہ ہو مطلب ہی یہ سارا
اُمت جو کرے جبر تو یہ بھی ہی گوارا
غربت میں ہمیں آپ ہی دنیا سے کنارا
شاید کوئی اس فوج میں ہو دوست ہمارا
لازم ہی مدارات۔ گدا ہو کہ غنی ہو
وہ کیجے کہ دشمن کی نہ خاطر شکنی ہو

جس کا تمھیں اندیشہ ہی یہ وہ نہیں صحرا — پہچانتا ہوں خوب اُسے ای مرے شیدا
یاں ہی وہ ترائی نہ وہ ریتی نہ وہ دریا — رستہ ہی یہ فوجیں ہوں کہ لشکر ہو ہمیں کیا
رہ گیر ہیں آتے ہیں تو خیر آنے دو ان کو — تم روک لو باگوں کو نکل جانے دو ان کو

انبوہ کا غل سن کے نہ سیدانیاں گھبرائیں — جمّالوں سے کہدو کہ الگ ناقوں کو لیجائیں
ٹھہریں وہیں گر کوہ کے دامن میں جگہ پائیں — ناقے بھی تھکے ماندے ہیں دم لے لیں تو کھائیں
جا خوب ہی حیواں بھی نہ تکلیف سہیں گے — رہ جائے گا دن کم تو یہیں آج رہیں گے

ناگاہ قریب آگیا جنگی وہ رسالا — گھوڑوں سے ہوا سبزۂ صحرا تہ و بالا
بھالوں کو ادھر فوج خدا نے بھی سنبھالا — سب رک گئے وہ آپ بڑھے جب شہِ والا
مولا نے سوئے فوج نظر کی جو ٹھہر کر — مجرا کیا سردار نے گھوڑے سے اتر کر

فرمانے لگے تب بمحبت شہِ ذی جاہ — آنا ہوا کس سمت سے ای بندۂ اللہ
کی عرض کہ ای خلق دو عالم کے شہنشاہ — آنا ہوا ادھر کوفے کی سرحد سے ہوا خواہ
سب کچھ مرے لشکر میں ہی پر آب نہیں ہی — پیاسا ہوں تکلم کی مجھے تاب نہیں ہی

رستے میں کنواں کوئی نہ چشمہ نظر آیا — جس چاہ پہ گرمی میں گئے خشک ہی پایا
اس دھوپ میں ہی ابرِ کرم آپ کا سایا — اب چشمۂ کوثر پہ مقدر مجھے لایا
کیا عرض کروں جو تپشِ دل سے تعب ہی — فیاض کی سرکار سے پانی کی طلب ہی

سب ایک ہزار اس مرے لشکر میں ہیں اسوار — پر پیاس سے اب تاب کسی میں نہیں زنہار
کچھ رہ گئے کچھ سقط ہوئے راہ میں رہوار — پیاسوں میں تلاطم ہی عجب یا شہِ ابرار
ہر شی کی حیات ای مرے مولا ہی اسی پر — پانی کی نہ تکلیف ہو دنیا میں کسی پر

اس دھوپ میں مر جائے گا لشکر مرا سارا — چشمہ ہی نہ برکہ ہی نہ دریا کا کنارا
اب ہی تو اسی بحرِ کرم کا ہی سہارا — ای ساقیِ کوثر کے پسر پیاس نے مارا
اب بات کسی سے نہیں کی جاتی ہی مولا — ہر بار زباں منہ سے نکل آتی ہی مولا

فریاد جو کی حُر نے بصد اشک فشانی گھبرا کے یہ بولا اسد اللہ کا جانی
حاضر ہے وہ جو کچھ مرے ہمراہ ہے پانی آ اے حُرِ دیندار بُجھا تشنہ دہانی
ہم دوست کی تکلیف گوارا نہیں کرتے
پانی کو تو کافر سے بھی پیارا نہیں کرتے

عباسؑ سے فرمایا کہ سقّوں کو بُلاؤ ناقوں پہ جو سیراب ہیں شتر لے انھیں لاؤ
قاسمؑ سے کہا چھاگلیں تم لینے کو جاؤ اکبرؑ سے کہا جلد کٹھالوں کو منگاؤ
یہ قافلہ سب دھوپ میں لب تشنہ کھڑا ہے
دو پیاسوں کو پانی کہ ثواب اس کا بڑا ہے

یہ سُنتے ہی دوڑے شہِ والا کے ہوا خواہ مجمع ہوا سرکار کے سقّوں کا سرِ راہ
اک جام بھرے دستِ مبارک میں تھے شاہ جلد آئے کٹھالیں لیے عباسؑ فلک جاہ
کی جبکہ نظر لطفِ شہِ جن و بشر پر
خود رکھ لیا مشکیزہ بہشتی نے کمر پر

حُر کو شہِ والا نے دیا پانی کا ساغر سیراب ہوا جب تو پکارا وہ دلاور
صدقے ترے اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر ٹھنڈا جگر و قلب ہوا روح معطر
خدمت سے غلاموں کی بھی اعراض نہیں ہے
اس گھر سے زیادہ کوئی فیاض نہیں ہے

مجمع ہوا پھر گردِ شہنشاہِ خوش انجام بٹنے لگے پھر پیاسوں کو پانی کے بھرے جام
مصروف تھے اک سمت علی اکبرؑ گلفام تقسیم اُدھر کرتے تھے عباسؑ نکو نام
فرزند بھی حیدر کے نواسے بھی بہم تھے
اک جا کئی سرچشمۂ دریائے کرم تھے

چلّاتے تھے سقّے کہ جو پیاسا ہو وہ آئے ٹھنڈا کرے گرمی میں جگر پیاس بجھائے
عمان کرم سب ہیں ید اللہ کے جائے دریا نے بھی یہ دست کشادہ نہیں پائے
دم میں مس و آہن کو زر و سیم کریں گے
اک دن یونہیں کوثر کو بھی تقسیم کریں گے

اُس پیاس میں اُس دھوپ میں جو ہوتا تھا سیراب کرتا تھا دعا ہاتھ اُٹھا کر بصد آداب
دُنیا میں یہ زہرا کی زراعت ہے شاداب پامال جو دشمن ہوں تو سیراب ہوں احباب
اللہ رے کرم پیاس کے ماروں کو جلایا
دم بھر میں مسیحا نے ہزاروں کو جلایا

جان آگئی جس وقت بجھی تشنہ دہانی
گویا کہ ملا سوکھے ہوئے دھانوں کو پانی
وہ ہاتھ تھے یا آیۂ رحمت کی نشانی
صحرا میں ہوئی فیض کے دریا کی روانی
تھا شور کہ افراط ہے یاں آبِ بقا کی
جنگل میں ملے خضر یہ قدرت ہے خدا کی

انساں جو ہٹے جانوروں کی ہوئی باری
اک چشمۂ حیواں ہوا پھر دشت میں جاری
سرگرم تھا بخشش میں جو وہ خاصۂ باری
برساتا تھا بارانِ کرم ابرِ بہاری
غل تھا کہ عجب رحم ہے زہرا کے پسر میں
پیاسوں کے لیے بحر کو لے آئے ہیں بر میں

جب بادیہ و طاس و لگن ہوتا تھا خالی
بھر دیتے تھے پھر سبطِ پیمبر کے موالی
سیراب تھے گھوڑے بھی زہے ہمتِ عالی
خود پانی پلاتا تھا وہ کونین کا والی
ہر دم کرم حضرتِ باری تھا زمیں پر
اک فیض کا دریا تھا کہ جاری تھا زمیں پر

جتنے تھے الاغ و شتر و قاطر و رہوار
سیراب ہوئے سب تو پھرے سیدِ ابرار
کپڑوں کو ہوا دینے لگے شاہ کے انصار
ساتھ آئے یہ کہتے ہوئے عباسِ خوش اطوار
پیاسے نہ اب اشتر ہیں نہ شبدیز ہیں مولا
دو چار پکھالیں ابھی لبریز ہیں مولا

ہمشکل پیمبر نے یہ کی عرض کہ حضرت
لا ریب کہ ذات آپ کی ہے آیۂ رحمت
کثرت تو یہ کچھ پیاسوں کی پانی کی یہ قلت
سیراب ہوئے سب یہ ہے اعجاز و کرامت
ممنون ہر اک تا بہ لبِ گور رہے گا
اس پانی پلانے کا بھی اک شور رہے گا

فرمانے لگے سر کو جھکا کر شہِ عالم
میں کیا ہوں یہ سب ہے کرمِ خالقِ اکرم
اس بحرِ کرم کا ہے مگر شکر مقدم
پیاسے تھے فزوں اور یہ پانی تھا بہت کم
بات آج دو عالم کے شہنشاہ نے رکھ لی
غربت میں مری آبرو اللہ نے رکھ لی

وہ چاہے تو اک قطرے کو دریا ابھی کر دے
چشمہ جو ہو پنہاں اسے پیدا ابھی کر دے
ذرّوں کو صدف کے دُرِ یکتا ابھی کر دے
جس ہاتھ کو چاہے یدِ بیضا ابھی کر دے
گر اوج وہ بخشے تو زمیں عرشِ بریں ہو
ذرّے پہ کرے مہر تو خورشیدِ مبیں ہو

فرما کے یہ گریاں جو ہوئے سیّدِ والا
فرمایا کہ دل نرم ہو اولادِ نبیؐ کا
ذکر اُس کا مناسب نہیں صدمہ ہو جو مجھ پر
واقف نہیں تو اس سے یہ ہو رازِ نہانی
ہم نے جنھیں اُلفت سے پلایا ہو یہ پانی
ہم نالہ و فریاد بھی ہر چند کریں گے
کھل جائے گا جب آئے گا جس دم وہ زمانا
رہنا ہو تو شب کو بھی ملاقات کو آنا
حاضر ہو جو مو جود ہو محتاج کے گھر میں
سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولا حُرِ ذی جاہ
بہتر ہو کہ اب کوفے میں چلیے مرے ہمراہ
ہر چند غلام پسرِ شیرِ خدا ہوں
حُر سے یہ سخن سنتے ہی برہم ہوئے سرور
گھر کر نہیں جانے کا جگر بندِ پیمبرؐ
ڈرتے ہیں نہ تیروں سے نہ شمشیر و سناں سے
اس نے کہا لے جاؤں گا میں یا شہِ ابرار
یہ ردّ و بدل جب ہوئی آپس میں کئی بار
بے دیں ہو جو حکمِ شہِ خوش خو میں نہیں ہو
کرتا ہو یہ کس سے سخنِ بے ادبانہ
ہو گا ترے سینے پہ اگر سارا زمانہ
ڈالے گا اگر ہاتھ مجامِ شہِ دیں پہ

حُر نے کہا مولا کے یہ رونے کا سبب کیا
روتا ہوں کہ تم سب کو ہوئی پیاس کی ایذا
حال اس مرے رونے کا بھی کھل جائے گا تجھ پر
سہنی ہو ہمیں بھی کئی دن تشنہ دہانی
ہو جائیں گے اِک روز یہی دُشمنِ جانی
پانی مرے بچوں پہ یہی بند کریں گے
اب کہہ تجھے یاں آج ٹھہرنا ہو کہ جانا
ہمراہ نمک نانِ جویں بھی یہیں کھانا
تجھ سے بھی وطن دور ہو ہم بھی ہیں سفر میں
ہیں حاکمِ کوفہ کا فرستادہ ہوں یا شاہ
مَیں اور طرف جانے نہیں دینے کا واللہ
مامور ہوں اس پر کہ نہ حضرت سے جدا ہوں
فرمایا کہ اس جانے سے مر جانا ہی بہتر
لے کہدے کہ روکے مجھے سالارِ لشکر
بس ہم وہی کرتے ہیں جو کہتے ہیں زباں سے
فرمایا نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا میں زنہار
پاس آئے یہ کہتے ہوئے عباسِ علمدار
بس چپ ہو زباں کیا ترے قابو میں نہیں ہے
حیدرؑ کا پسر احمدِؐ مرسل کا یگانہ
کر دونگا ابھی موت کے ناوک کا نشانہ
سر ہوگا کہیں جسم کہیں ہوگا زمیں پہ

سرداروں سے کرتے ہیں اسی طور کی تقریر؟
لے جائے گا کس طرح نہیں جائیں گے شبیرؑ
کیا کوفے کے اور شام کے حکام کی توقیر
یہ دُشمنِ ایمان ہے تو مرتد ہے وہ بے پیر
ہم شیر ہیں صحرا کے وہ نامرد ہے ظالم
ہے ایک شغال ایک سگِ نر دہے ظالم
یہ چند جو وحشی ہیں عرب کے ترے دنبال
جھپٹے گا جو ایک شیر تو ہو جائیں گے پامال
کرّار کے دلبند ہیں سب صاحبِ اقبال
کر دیتے ہیں دم بھر میں زمیں خوں سے یہ لال
تلوار ہیں لاکھوں کو رفاہ ان سے نہیں ہے
گردوں بھی سپر ہو تو پناہ ان سے نہیں ہے
کچھ کہنے پہ تھا حُر کہ پکارے شہِ ذیشان
کیا کہتا ہے بیٹھے ترے ماتم میں تری ماں
تھرّا کے کہا حُر نے کہ اے قبلۂ ایماں
سرکارِ شہنشاہ سے عزت کا ہوں خواہاں
ذِلّت ہوئی اب مُنہ کسے دِکھلاؤں گا مولا
میں اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گا مولا
کہتا یہ سخن منھ سے جو میرا کوئی ہمسر
لاتا وہیں نام اُس کی بھی ماں کا میں زباں پر
ہیں روشنیِ عرشِ خدا آپ کی مادر
صدّیقہؑ و راضیہؑ و مرضیہؑ و اطہر
فضّہ کے غلاموں کا بھی رُتبا نہیں رکھتا
زہراؑ کہوں زہرا کو یہ زہرا نہیں رکھتا
عباس نے فرمایا کہ اے مردِ خوش انجام
بگڑے ہوئے اب حق نے بنائے ترے سب کام
عزت ہوئی آقا نے جو لونڈی کا لیا نام
غلمان ہیں غلامانِ شہنشاہِ ذوالاکرام
ایماں سمجھ اِس فاطمہؑ کے راحتِ جاں کو
بھائی ہوں پہ ہے فخر کنیزی مری ماں کو
حُر نے کہا میں بھی یہی رکھتا ہوں عقیدت
پر جس کا ملازم ہوں وہ ہے بانیِ بدعت
سُن لے گا تو کیا جانیے کیا دیگا اذیت
چھوڑے گا وہ سفّاک نہ جاں اور نہ عزّت
کنبہ مرا آفت میں گرفتار رہے گا
نہ مال نہ فرزند نہ گھر بار رہے گا
یہ عرض ہے مولا سے مقبول جو فرمائیں
نہ جائیں وطن پھر کے ادھر سے نہ اُدھر جائیں
راہی ہوں کسی اور طرف امن جہاں پائیں
پھر جانے کا جھنجلا کے زباں پر نہ سخن لائیں
بہتر ہے جو اس طور سے یہ مرحلہ سر ہو
پھر مَیں ہوں نہ بدنام نہ مولا کا ضرر ہو

یہ سنتے ہی انصار سے فرمانے لگے شاہ
کیوں؟ جانتا ہے تم میں سوا اس کے کوئی راہ
کی عرض طرماح نے اے فاطمہؑ کے ماہ
ہاں راہ ہے پر قلب ہے میں سب سے ہوں آگاہ
رد ہوگا اگر شر کوئی نااہل کرے گا
فرمایا بڑھ آگے کہ خدا سہل کرے گا

پڑھتا رجز آگے ہوا وہ مردِ دلاور
سب پیچھے چلا قبلۂ کونین کا لشکر
افسردہ و مغموم تھے رہوار پہ سرور
ہمراہ تھے ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ
مجمع تھا یگانوں کا شہنشاہِ امم کے
اور بیچ میں سب فوج کے ناقے تھے حرم کے

واں سے گئے جس دم کئی فرسخ وہ مسافر
خورشید چھپا شب کی سیاہی ہوئی ظاہر
جنگل سے نہ واقف نہ کوئی راہ سے ماہر
غل تھا کہ بس اب عمر کی مدت ہوئی آخر
غربت میں یہ گردش یہ تباہی نہیں دیکھی
ایسی کبھی آنکھوں سے سیاہی نہیں دیکھی

تھی طرفہ شبِ تار کہ تارے بھی تھے مستور
اک پارہ ہے جس کا شبِ یلدا شبِ دیجور
دوڑے کہیں شبدیزِ نظر کا تھا نہ مقدور
ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہے یا دور
حضرت پہ وہ اس تین پہر رات میں گزری
تکلیف سکندر پہ جو ظلمات میں گزری

جب سورۂ واللیل میں گردوں نے سحر کی
صورت نظر آنے لگی زہراؓ کے قمر کی
حضرت نے یہ فرما کے سوئے شرق نظر کی
یہ رات بھی لو اس کی عنایت سے بسر کی
کیا فیض ہے کیا نور ہے کیا جلوہ گری ہے
ٹھہرو کہ یہی وقتِ نمازِ سحری ہے

معبودِ یگانہ کا ادا کر کے دوگانا
صحرا سے ہوئے آپ بہ تعجیل روانا
واں پہونچے کہ جس بن میں نہ پانی تھا نہ دانا
ہاتف نے صدا دی کہ بس اب آگے نہ جانا
بڑھنے کا کسی اور طرف حکم نہیں ہے
وعدہ تھا جہاں کا یہ وہی پاک زمیں ہے

بوسے دیے نعلین پہ اٹھ اٹھ کے زمیں نے
سجدہ کیا گھوڑے سے اتر کر شہِ دیں نے
محمل سے جو دیکھا یہ ہر اک پردہ نشیں نے
سر پیٹ لیا زینبِ ناشاد و حزیں نے
چلائی ہیں واقف ہوں جو انجام ہے یاں کا
پوچھو ارے لوگو کوئی کیا نام ہے یاں کا

یہ کہہ کے بلکتی تھی ید اللہ کی جائی
جو کربہ زہرا کی صدا تربت سے آئی
زینب نے پکارا کہ بہن صدقے ہو بھائی
یہ کونسی بی بی ہے جو دیتی ہے دوہائی
کیا غل ہے بہن بھائی کا کیوں ساتھ چھٹے گا
کس کا وہ چمن ہے کہ جو اس بن میں لٹے گا

خواہر سے تسلی کا سخن پاس ہیں کہہ کر
دریا پہ گئے واں سے ٹہلتے ہوئے سرور
اترا ہوا تھا حُر جری واں مع لشکر
قدموں پہ گرا وہ تو یہ بولے شہِ صفدر
پائی نہ کہیں شب کو جگہ امن واماں کی
لائی وہیں تقدیر کہ تھی خاک جہاں کی

گرمی کی ہے یہ فصل تمازت کے ہیں یہ دن
جھیلوں میں پڑے رہتے ہیں سب دشت کے ساکن
بھائی مرے ہمراہ ہیں بچے کئی کم سن
بے نہر پہ اترے مجھے راحت نہیں ممکن
پانی کی تو غربت میں نہ تکلیف سہوں میں
گر مشورہ تیرا ہو تو دریا پہ رہوں میں

کی عرض یہ حُر نے کہ تصدق مرا گھر بار
میں منع کروں یہ مری طاقت نہیں زنہار
فوجیں لیے آتا ہے مگر شمرِ ستمگار
ڈھونڈھیں گے سبھی نہر کا قرب اے شہِ ابرار
تکرار نہ کچھ ہو مجھے ڈر ہے تو یہ ڈر ہے
شب سے پسرِ سعد کے آنے کی خبر ہے

عباسؑ کا منھ دیکھ کے شہ بولے کہ اچھا
جلتی ہوئی ریتی ہی پہ خیمہ کرو برپا
اُس شیر نے کی عرض کہ چھوڑیں گے نہ دریا
فوجیں ہیں تو کیا خوف ہے لشکر ہے تو پھر کیا
بہہ جائے گا لاکھوں کا لہو تیغ دودم سے
دریا کی ترائی کوئی لے سکتا ہے ہم سے

حضرت نے کہا لو تمہیں غیظ آگیا بھائی
دریا کے لیے اُمتِ احمدؐ سے لڑائی
قہر اُن پہ جہنم سے جنھیں دوگے رہائی
یکساں ہے مسافر کو وہ ریتی یہ ترائی
دریا ہے تو قطرہ ہے یہ چشمہ ہے تو کیا ہے
کوثر کا خدا نے تمھیں مختار کیا ہے

سمجھا کے برادر کو پھرے سیدِ بیکس
میدان میں استادہ ہوا خیمۂ اقدس
اوج اُس کا جو دیکھا تو دبا چرخِ مقرنس
خورشید نے رخساروں کو شمسے سے کیا مس
یہ رنگ تھا اُس پر فلکِ مہرِ شرف کا
جس طرح کہ مہتاب پہ دھبا ہے کلف کا

محمل سے اترنے جو لگی بنت ید اللہ
تھیں چادریں روکے ہوئے سب لونڈیاں ہمراہ
خود بازوئے ہمشیر کو تھامے ہوئے تھے شاہ
اس پردے پہ بھی سر کو جھکائے تھی وہ ذیجاہ
اس دن تو یہ پردہ تھا یہ شوکت یہ حیا تھی
اک دن وہی زینب تھی کہ محتاج ردا تھی

خالی ہوئے وہ محمل و ہودج جو ہیں سارے
خیمہ میں چھپے عرش معلّیٰ کے ستارے
تارے بھی وہ تارے کہ جو اللہ کے پیارے
جن تاروں پہ انجم کو فلک صدقے اتارے
جیسے قمر اس برج جہاں تاب میں دیکھے
یوسفؑ نے وہ کوکب نہ کبھی خواب میں دیکھے

تھا عرش کے تاروں پہ اسی خیمہ کا سایا
غل تھا یہ شرف برج شرف نے نہیں پایا
فرش اس کا دبائے ہوئے تھا عرش کا پایا
بن میں جسے فردوس کے پھولوں نے بسایا
تکیوں سے چلی آتی تھی بوئے جسم نبیؐ کی
کرسی تھی کہ مسند تھی رسولِ عربیؐ کی

اوج ایسا کہ گردوں سے کلس کرتا تھا باتیں
شمسے پہ تھا یہ نور کہ ہوتی تھیں نہ راتیں
در پر وہ صدا دیتی تھیں سائر کی قناتیں
یاں ملتی ہیں آزادیِ دوزخ کی براتیں
اب خلق میں ایسا کوئی گھر آج نہیں ہے
اس در کا گدا اور کا محتاج نہیں ہے

اترے ادھر اس برج شرف میں شہ عالم
دریا پہ ادھر آنے لگا لشکر ظالم
لکھا ہے چھٹی تک ہوئی یہ فوج فراہم
حیراں تھی خرد جس کے کم و کیف میں ہر دم
لاکھوں میں بھی تعداد و شمار اس کا نہ ہوگا
بے روزِ حساب آئے شمار اس کا نہ ہوگا

گر لیجے شمار اس کا محاسب نے یہ چاہا
جو کچھ تھا ہندس کا طریقہ وہ نباہا
دی کلک نے آواز کہ ہاں عقل پناہا
لشکر کی سیاہی سے لکھا جائے سیاہا
تحریر خط و خال کا اب دھیان نہیں ہے
ذروں کا یہ گننا ہی کچھ آسان نہیں ہے

جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
غربت میں نبیؐ زادوں پہ آفت عجب آئی
شب آئی کہ فوج غم و رنج و تعب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کی اب آئی
راحت نے کنارا کیا زہرؑا کے پسر سے
پانی بھی ہوا بند اسی شب کی سحر سے

ہاشم کو مصیبت تھی قیامت تھی ہم کو
اک حشر تھا خیمے میں یہ رقت تھی ہم کو
بچوں پہ عجب پیاس کی شدت تھی ہم کو
اللہ نہ دکھلائے جو آفت تھی ہم کو
وہ دن بھی کٹا جب تو مصیبت کی شب آئی
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

مر مر کے کٹی شب تو لڑائی کا دن آیا
ہمشیر و برادر کی جدائی کا دن آیا
غل تھا کہ تلاطم کا دوہائی کا دن آیا
زہرا کے بھرے گھر کی صفائی کا دن آیا
بیت الشرف صاحب معراج لٹے گا
محبوب الٰہی کا چمن آج لٹے گا

ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی
خود شاہ نے مشرق کی طرف اٹھ کے نظر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے خیمہ میں خبر کی
لو صاحبو رخصت ہوئی شب جن و بشر کی
تیار جماعت ہو نماز آپ پڑھیں گے
اب فرض ادا کر کے لڑائی پہ چڑھیں گے

ناگاہ اذاں دینے لگے اکبر ذی شان
چپ ہو گئے سب دشت کے مرغان خوش الحان
زینب نے صدا دی کہ اس آواز کے قربان
کیا صوت حسن ہو کہ زمانہ ہو ثنا خواں
آواز حزیں سن کے دلوں کو نہ کل آئی
بلبل بھی گلستاں سے پھڑک کر نکل آئی

آنا وہ دم صبح کا وہ رات کا جانا
وہ وقت عبادت وہ تضرع کا زمانا
وہ جھومنا اشجار کا وہ وقت سہانا
پھولوں کی وہ بو سرد ہواؤں کا وہ آنا
بے ذکر نہ غنچے نہ گل و خار رہے تھے
مرغان چمن وجد میں چہکار رہے تھے

فارغ ہوئے حضرت جو صلوٰۃ سحری سے
غائب ہوئے تارے فلک نیلوفری سے
طالع ہوا خورشید عجب جلوہ گری سے
ذرے بھی سرافراز ہوئے تاج زری سے
آمادہ جو تھی فوج لعیں بے ادبی پر
تیر آنے لگے لشکر اللہ و نبی پر

شاہ شہدا خیمہ میں جا کر نکل آئے
آنسو رخ اقدس پہ بہا کر نکل آئے
مشتاقوں کو دیدار دکھا کر نکل آئے
ہمشیر کو چھاتی سے لگا کر نکل آئے
خوں بہتا تھا فریاد سکینہ پہ جگر سے
پوچھے کوئی بیٹی کے بچھڑنے کو پدر سے

پچھلے سے مسلح تھا یہاں لشکرِ جرّار
نکلے علم فوجِ خدا لیکے علمدار
گھوڑے پہ چڑھے پڑھ کے دعا سیدِ ابرار
پیدل ہوئے ہمراہِ فرس یاور و انصار
بوسہ دیا نصرت نے قریب آکے قدم پر
اقبال نے سر رکھ دیا مولا کے قدم پر

خورشید صفت جلوہ نما تھا علم آگے
عباسؑ تو پیچھے تھے سپاہِ حشم آگے
جاؤش یہ دیتے تھے صدا دم بدم آگے
سر بازو بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
گرد اڑنے نہ پائے فرسوں کی تگ و دو میں
سر کھولے ہوئے فاطمہ زہرا ہیں جلو میں

حوریں سرِ پُر نور دریچوں سے نکالے
کہتی تھیں کہ کیا کیا ہیں جواں گیسوؤں والے
تلواریں تو ہیں زیبِ کمر ہاتھوں میں بھالے
یہ شیر ہیں سیدانیوں کی گود کے پالے
مجمع کبھی دیکھا نہیں اس جاہ و حشم کا
دُنیا بھی مرقع ہے گلستانِ ارم کا

حیدرؑ کا وہ گلشن ہے وہ جعفرؑ کا چمن ہے
جو چاند سا دولھا ہے وہ فرزندِ حسنؑ ہے
وہ زیرِ علم ابنِ شہِ قلعہ شکن ہے
ہمشکلِ پیمبرؐ ہے وہ جو غنچہ دہن ہے
انساں یہ نہیں چاند اُتر آیا ہے زمیں پر
محبوبِ خدا عرش پہ سایہ ہے زمیں پر

یہ جسم لطافت میں فزوں ہے کہیں جاں سے
افضل ہے یہ محبوبِ حسینانِ جہاں سے
کیا کہیے بجز صلِّ علیٰ اور زباں سے
یوسفؑ یہ تجمل یہ نمک لائے کہاں سے
یہ جان ہے ہر ہاشمی و مطلبی کی
اس میں تو ملاحت ہے رسولِ عربیؐ کی

اس شان سے پہونچے سرِ میداں جو وہ جانباز
جنگل کو لگے چاند زمیں ہو گئی ممتاز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
پہلے حُرِ غازی سے لڑائی ہوئی آغاز
انجام ہوا یہ کہ سفر کر گئے اکبرؑ
سینہ پہ سناں کھا کے جواں مر گئے اکبرؑ

پیری میں ہوا داغ جو فرزندِ جواں کا
کم ہو گیا خوں جسمِ شہِ تشنہ دہاں کا
ہر بات میں لکنت تھی یہ عالم تھا زباں کا
ماتم تھا برادر کا الم راحتِ جاں کا
غل اٹھتے تھے فوجوں سے مبارز طلبی کے
دو لاکھ کا نرغہ تھا نواسے پہ نبیؐ کے

یاں کانپتا تھا ضعف سے ٹوٹا ہوا بازو   نہ تیغ پہ قبضہ تھا نہ تھا ہاتھ پہ قابو
اک شیر کا لاشہ نظر آتا تھا لبِ جو   اور سامنے تھی لاشِ علی اکبرؑ مہرو
سوتے تھے وہ تنہا جو ہزاروں سے لڑے تھے   ریتی پہ ورق مصحفِ ناطق کے پڑے تھے
چلّاتا تھا بڑھ بڑھ کے جو شمرِ ستم آرا   کر لیجئے بیعت جو وغا کا نہیں یارا
وہ چاند نہاں خوں میں ہے یا آپکا پیارا   یہ لاشۂ اصغر ہے کہ ریتی پہ ستارا
جلدی ہمیں اب ہے کہ مہم جنگ کی سر ہو   بھیجو اگر اکبرؑ سا کوئی اور پسر ہو
شہ کہتے تھے اب تشنہ وہاں کوئی نہیں ہے   قاسم سا مرا راحتِ جاں کوئی نہیں ہے
بھیجوں کسے اب شیرِ ژیاں کوئی نہیں ہے   یاں اکبرؑ مہرو سا جواں کوئی نہیں ہے
تکیہ نہ برادر پہ مجھے تھا نہ پسر پہ   کچھ غم نہیں اللہ تو موجود ہے سر پہ
یہ کہتے تھے حضرت کہ جلال آگیا ناگاہ   خورشید ہوا غیظ سے روئے شہِ ذیجاہ
گھوڑے پہ سنبھل کے جو کہا یا اسداللہ   تھرّا گیا سب دشتِ ستم، ڈر گئے گمراہ
سیدھے جو ہوئے تنگ زرہ ہو گئی بر میں   ہاتھوں میں وہ رعشہ تھا نہ وہ خم تھا کمر میں
روئی ہوئی آنکھوں میں جو سرخی تھی نمودار   ثابت تھا کہ آیا غضبِ حضرتِ قہار
ابرو جو ملے چلنے لگی فوج پہ تلوار   پلکیں جو اٹھیں تیر کلیجے کے ہوئے پار
رہوار ہرن شیرِ ژیاں ہو گئے شبیرؑ   غل تھا کہ نئے سر سے جواں ہو گئے شبیرؑ
حیدرؑ کی طرح ہاتھ کو قبضے پہ جو ڈالا   چلائے ملک اب ہوئی دنیا تہ و بالا
چمکا کے فرس کو یہ پکارے شہِ والا   ہاں کون ہے لاکھوں میں مرا روکنے والا
لو تیغ کوئی دم میں چمکتی ہے علیؑ کی   آگاہ ہیں کرتا ہوں کہ امت ہو نبیؐ کی
تم نے تو کوئی بات ہدایت کی نہ مانی   مارا علی اکبر سا مرا یوسفِ ثانی
صدمے سے کلیجے کا لہو ہو گیا پانی   مشتاقِ اجل اب ہے یداللہ کا جانی
ہر چند کہ طاقت نہیں ماتم میں پسر کے   جوہر تو دکھا دوں تمھیں شمشیر دو سر کے

سمجھایا بہت پر نہ عدو راہ پر آئے
میداں سے کئی تیرِ ستم شاہ پر آئے
یوں تیغ بکف لشکرِ بدخواہ پر آئے
جس طرح اسد مجمعِ روباہ پر آئے
دل ہل گئے جی خوف سے چھوٹا نظر آیا
دیکھا تو ہر اک مورچہ ٹوٹا نظر آیا

چھوڑا یہ غضب تیغِ دو پیکر نے جو مسکن
شیروں سے نیستان تو غزالوں سے چھٹا بن
تولا جو اسے سیر ہوئے زیست سے دشمن
اونچا جو کیا ہاتھ تو صحرا ہوا روشن
تھی صاحبِ ضو کیوں نہ اُجالا نظر آئے
اک دو مہِ نو واں تہ و بالا نظر آئے

کچھ آہنی صفیں کھچ گئے جو دم تیغ نے کھینچا
سب فوج کو مابینِ شکم تیغ نے کھینچا
سر کے جو قدم سوئے عدم تیغ نے کھینچا
ہر فرد کے چہرے پہ قلم تیغ نے کھینچا
غل تھا کہ برستی ہوئی آتش نہیں دیکھی
یہ کاٹ یہ کس بل یہ کشاکش نہیں دیکھی

حملہ کیا جس غول پہ ضرغامِ علیؑ نے
بے ذبح لیا دم نہ گل اندامِ علیؑ نے
پانی کیے شیروں کے جگر نامِ علیؑ نے
سر خاک پہ برسا دیئے صمصامِ علیؑ نے
مجروح جو بھاگے تھے اُدھر فوجِ عدو کے
جنگل کی طرف ڈونگڑے پڑتے تھے لہو کے

سر تن پہ کسی ظالم خودسر کے نہ چھوڑا
مغفر کو سلامت کسی افسر کے نہ چھوڑا
زندہ کسی جرّار کو لشکر کے نہ چھوڑا
تھا کون سا یکتا جسے دو کر کے نہ چھوڑا
مارا جسے دوزخ کو وہ راہی نظر آیا
جو رنگ سپاہی پہ سیاہی نظر آیا

ہر ضرب میں گیتی کو ہلا دیتی تھی شمشیر
خود آئینۂ تن کو جلا دیتی تھی شمشیر
منہ ناریوں کے منہ سے ملا دیتی تھی شمشیر
پانی میں کفِ مار پلا دیتی تھی شمشیر
زہر اُس کا چڑھا جس پہ وہ بسمل نظر آیا
فولاد کا جوہر سمِ قاتل نظر آیا

کرتی تھی اشارے یہ وہ شمشیرِ دو پیکر
میں تیغ ہوں اُس کی کوئی جس کا نہیں ہمسر
دو کر دیا جس نے تنِ مرحب کو برابر
دو انگلیوں سے جس نے اکھاڑا درِ خیبر
جن بیرِ علم میں انھیں شعلوں سے جلے تھے
فقرے یہ وہی ہیں جو شرر بن کے چلے تھے

دلِ فوج کا سلطانِ فلک جاہ نے توڑا
سر ہر متمرد کا شہنشاہ نے توڑا
ہر صف کو ہنر بر صفِ جنگاہ نے توڑا
در کفر کا ضرب اسد اللہ نے توڑا
یوں تیغ سے ٹکڑے کیا ثابت قدموں کو
توڑا تھا ید اللہ نے جیسے صنموں کو

لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہونچی
ڈو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہونچی
عرض سر و گردن سے چلی شانے میں پہونچی
شانے سے بڑھی روح کے کاشانے میں پہونچی
سرکش کا لہو خاک پہ برسا دیا اس نے
تب نکلی کہ جب خانۂ تن ڈھا دیا اُس نے

لکھا ہے یہ اربابِ تواریخ نے اکثر
اُٹھتی تھی پئے ضرب جو شمشیر دو پیکر
بڑھ جاتی تھی ہفتاد گز اُس دم وہ سراسر
ہر ہاتھ میں کتنے ہی لعیں ہوتے تھے بے سر
پھر کس سے رُکے وار امامِ ازلی کا
تلوار وہ اور ہاتھ حسین ابنِ علیؑ کا

کاٹا اُسے جس تیغ سے میداں میں لڑی تیغ
ٹکڑے ہوا چار آئینہ پر جس کے پڑی تیغ
بکتر میں نہ اُلجھی نہ جہلتہ میں اڑی تیغ
زرہوں کو کیا چاک یہ تھی مُنہ کی کڑی تیغ
ڈو کرتی تھی وہ ہر کس و ناکس کو یہ کس تھا
اِک ہاتھ میں فارس تھا نہ زیں تھا نہ فرس تھا

مشہور تھی وہ رشک پری قاف سے تا قاف
جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیورِ شفاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف
پھر دیکھو تو لب خشک نہ یاں پاک دہن صاف
ٹپکا جو لہو منھ سے شرارے نکل آئے
دریا سے گہر ابر سے تارے نکل آئے

وہ روپ وہ چم خم وہ دل اُس کا وہ برش کا
وہ قد وہ بدن صاف وہ رُخ جلوہ گر اُس کا
ہر ہاتھ میں منھ چوم رہی تھی ظفر اُس کا
محبوب تھی ہر خانۂ تن میں تھا گھر اُس کا
کس کا یہ جگر تھا اُسے روکے جو سپر سے
سینے میں در آمد تھی بر آمد تھی جگر سے

کشتہ تھا ہر اک تیغ کے بے ساختہ پن کا
عریاں تھی مگر ہوش نہ تھا کچھ سر و تن کا
گرتا تھا لہو چھٹ سکے نہ جوہر کے چمن کا
اوڑھی ہوئی تھی رنگ ٹپکتا تھا بدن کا
سب جسم بھبھوکا تھا حرارت تھی غضب کی
کفار کو پھونکا تھا شرارت تھی غضب کی

تیغ ایسی فرس ایسا کہ آندھی بھی جہاں گرد
بجلی کی بھی تھی گرمیِ بازار جہاں سرد
پھرتا تھا تڑپتا ہوا ہر سو دمِ ناورد
ہوتا تھا پسینے سے خجل عطرِ گلِ ورد
بوئے تنِ رنگینِ نگار آ گئی گویا
آیا وہ جدھر بادِ بہار آ گئی گویا

کیا وصف لکھوں اشہبِ سرور کے قدم کا
سرپٹ ہی رواں حال یہ ہے رخشِ قلم کا
پوئی تھی قیامت کی طرارہ تھا ستم کا
تھرّا گیا اُس صف کو یہ اترا تو وہ چمکا
حیرت زدہ ششدر و دلگیر تھے آہو
اُڑتا تھا یہ اور آہوئے تصویر تھے آہو

کھنچی جو کبھی نظم میں اُس رخش کی تصویر
ٹکڑے ہوئی ہر مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
مضموں کا بندھا رنگ نہ اُس میں کسی تدبیر
اُڑ اُڑ گئی کاغذ سے سیاہی دمِ تحریر
رنگِ رخِ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا
جھپکی جو پلک سادہ ورق ہاتھ میں دیکھا

زیبا ہے جو کہیے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا
تھا وسعتِ عالم کا بھی میدان اُسے تھوڑا
مشرق میں لیا دم اُسے مغرب سے جو چھوڑا
جب ہل گئی راکب کی کمر پڑ گیا کوڑا
ممکن تھا کہ فوجیں اُسے ٹوکیں تو رُکے وہ
چمکار کے حضرت ہی جو روکیں تو رُکے وہ

وہ رشکِ صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام
ہوئے جو فلک سیر زمیں سے اُسے کیا کام
خوش قامت و خوش رو و خوش انداز و خوش انجام
تھا نعل در آتش کہیں دم بھر تھا نہ آرام
دھرتا ہوا لاشوں پہ قدم جاتا تھا گھوڑا
دامانِ جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا

نعل آئینہ رنگ ایسے کہ آئینہ بھی شرمائے
برہم ہو اگر شکل و رنگ اُس میں نظر آئے
ہر دم جو گندھی چوٹیوں کا دم نہ سمجھائے
فتراک کے پر کھولے ہوئے چرخ پہ اُڑ جائے
ششدر ہوں فلک زینِ جواہر کی چمک پر
سم رکھ دے ابھی جا کے سرِ سبز فلک پر

تھم تھم کے وہ ہر غول پہ حضرت کا جھپٹنا
جم جم کے فرس کا وہ چمکنا وہ سمٹنا
وہ بڑھتی فوج وہ ہر صف کا الٹنا
وہ تیغ دو سر کا کبھی بڑھنا کبھی گھٹنا
دم اپنا بڑھانے کو لہو چاٹ رہی تھی
کس گھاٹ سے اعدا کے گلے کاٹ رہی تھی

تھا شور کہ یہ قہر ہے تلوار نہیں ہے
بحرِ غضبِ اللہ کا ہے دھار نہیں ہے
کس فوج پہ یہ برق شرربار نہیں ہے
لاشوں کا کدھر دشت میں انبار نہیں ہے
یوں لاکھوں سے اک پیاسے کو لڑتے نہیں دیکھا
کھیت ایسا جہاں میں کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہر سو تھا تلاطم شہِ والا کی وغا سے
سب دشت ستم ہلتا تھا نعروں کی صدا سے
اوتادِ زمیں عرض یہ کرتے تھے سما سے
تھرّاتے ہیں تیغِ پسرِ شیرِ خدا سے
کٹ جاتا ہے آہن یہ ہے تیغِ دو سرایسی
سر جس سے بچے دے ہیں کوئی سپر ایسی

کہتا تھا یہ گردوں تمھیں اللہ بچائے
میں بھی ہوں ادھر چرخ میں سینے کو چھپائے
اس تیغ کی ضربت کوئی کس طرح اٹھائے
ڈر ہے کہ کہیں گاؤ زمیں بیٹھ نہ جائے
سکانِ فلک جتنے ہیں گھبرائے ہوئے ہیں
پر خوف سے جبریل بھی سر کائے ہوئے ہیں

برساتی تھی وہ تیغ لہو منھ سے جو ہر بار
ہر قطرہ تھا ہر اک نارِ خونخوار کا گلنار
جن کہتے تھے اب جانئے یہ چھوٹے گی نہ ہار
ڈوبے گا زمانہ کہ رگِ ابر ہے خونبار
بہتر ہے کنارہ کرو گر فوجِ عدو سے
بھر جائے کہیں کشتیِ گردوں نہ لہو سے

دیکھا شہِ والا نے ہزاروں کو جو بیدم
جوش آگیا رحمت کا ہوا غیظ و غضب کم
دل دکھنے لگا دیدۂ حق بیں ہوئے پُرنم
بس میان میں صابر نے رکھی تیغِ دو دم
صدمہ ہوا امت کے لیے جانِ حزیں پہ
روتے ہوئے گھوڑے سے اُتر آئے زمیں پہ

ہرنے پہ رکھے آپ نے سب کھول کے ہتھیار
فرمایا کہ رخصت ہو بس اے اسپِ وفادار
پوچھے جو خبر بھائی کی زینبؑ جگر افگار
کہیو کہ اب حلق ہے اور خنجرِ خونخوار
تم قصد نکلنے کا نہ کیجو ابھی گھر سے
واں فاطمہؓ لپٹی ہوئی روتی ہیں پسر سے

در پر نکل آئے جو عصا تھام کے سجّاد
کہنا مری جانب سے کہ اے بیکس و ناشاد
اب آ نہیں سکتے کہ ہمیں گھیرے ہیں جلّاد
بابا کی وصیت نہ بھلانا یہ رہے یاد
مشکل ہے جو کچھ سہل ہوئی جاتی ہے بیٹا
بچّوں سے خبردار کہ فوج آتی ہے بیٹا

ماں بہنوں کی تم رکھیو خبر اے مرے پیارے
یہ قافلہ رانڈوں کا حوالے ہے تمہارے
چادر کوئی زینب کے نہ سر پر سے اُتارے
سیلی کوئی نادان سکینہ کو نہ مارے
گھٹ جائے گا دم جان نکل جائے گی تن سے
ننھا سا گلا اُس کا بچا لیجو رسن سے

یہ کہتے تھے شبیرؑ کہ قاتل نظر آئے
تلواریں لیے قتل کو بیداد گر آئے
جلاّدوں کے قابو میں شہِ بحر و بر آئے
نیزے بھی لگے تیر بھی سینے میں در آئے
ٹکڑے ہوا تیغوں سے جگر حق کے ولی کا
خوں بہنے لگا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کا

کھائے تھے جو کچھ زخم بدن پر دم پیکار
ہر جا اُنھیں زخموں پہ لگے زخم پھر اک بار
فرماتے تھے جب پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
بدلا ہو یہی رحم کا اے قوم ستمگار
تلواروں سے دم لینے کی فرصت نہیں دیتے
سجدہ بھی مجھے کرنے کی مہلت نہیں دیتے

جلدی ہے یہ کیوں قتل کی اے فرقۂ بے پیر
کیا چھوڑ کے مقتل کو چلا جائے گا شبیرؑ
اُترا ہوں فرس سے کہ چلی حلق پہ شمشیر
پڑھ لوں میں نماز اتنی کرو قتل میں تاخیر
سجدے میں شہادت ہو امام دوسرا کی
یہ ذکر رہے فرض ادا کر کے قضا کی

غل میں کوئی سنتا تھا نمازی کی نہ تقریر
منہ تکتے تھے حضرت کہ لگا حلق پہ اک تیر
کھینچا نہ تھا پیکاں کہ پڑی فرق پہ شمشیر
غش کھا کے گرے سینے کے بل خاک پہ شبیرؑ
خولی نے تبر پہلوئے صد چاک پہ مارا
اِک شامی نے تیغا کمرِ پاک پہ مارا

شمر آیا جو حضرت کے قریں کھینچ کے خنجر
دیکھا سرِ مجروح ہے سجدے میں زمیں پر
بڑھ کر یہ سواروں کو پکارا وہ ستمگر
نیزوں سے اُلٹ دو تنِ فرزندِ پیمبرؐ
یہ سن کے قدم سب نے زد و کشت پہ مارا
نیزہ بنِ اشعث نے اِدھر پشت پہ مارا

سیدھے ہوئے ریتی پہ تڑپ کر شہِ ابرار
تھے خاک سے اور خوں سے بھرے چاند سے رخسار
اینٹھی تھی زباں پیاس سے پھٹتا تھا دلِ زار
پر ذکرِ خدا تھا لبِ خشکیدہ پہ ہر بار
حق بندگیِ حق کا ادا کرتے تھے مولا
تم لوگوں کی بخشش کی دُعا کرتے تھے مولا

جلاد نے صدرِ شہِ ذی شان کو دبایا
فریاد ہے آئینۂ ایماں کو دبایا
محبوب خدا کے دلِ نالاں کو دبایا
زانو کے تلے زور سے قرآن کو دبایا
صدمہ ہوا اشکِ شہِ ذی شاں نکل آئے
سینے میں جو ڈوبے تھے وہ پیکاں نکل آئے

ماتم کی صدا دشتِ پُر آشوب سے آئی
چلاتی تھیں پریاں کہ دوہائی ہے دہائی
آندھی نے سیہ خاک بیاباں میں اُڑائی
درد و غم و حسرت کی گھٹا خلق پہ چھائی
رہتی پہ تپاں دیکھ کے خورشیدِ زمیں کو
گردش تھی ہنڈولے کی طرح چرخ بریں کو

یہ واقعہ اب لکھتے ہیں یاں راقمِ اخبار
جب زانوئے قاتل کے تلے تھے شہِ ابرار
منہ پیٹ رہے تھے حرمِ احمدؐ مختار
آثار قیامت ہوئے ناگاہ نمودار
دیکھا کہ سوئے ابنِ علی آتی ہے زینبؑ
کالی کفنی پہنے چلی آتی ہے زینب

سر پر نہ عصابہ ہے نہ مقنعہ ہے نہ چادر
گردن ہے جھکی بال ہیں لٹکے ہوئے منہ پر
ایک ایک قدم پیٹتی آتی ہے وہ مضطر
گہہ سینہ کبھی منہ کبھی زانو تو کبھی سر
کہتی ہے یہ ہے صابر و معصوم کا ماتم
یوں چاہیئے شبیر سے مظلوم کا ماتم

دوڑی ہوئی مقتل کے جو نزدیک وہ آئی
ثابت ہوا اُس دم کہ یہ زہرا کی ہے جائی
چلائی کہ ای دشت کدھر ہے مرا بھائی
ای خاک پڑی ہے کدھر امّاں کی کمائی
ای چرخ محمدؐ کے نواسے کو بتا دے
ای نہر کئی روز کے پیاسے کو بتا دے

سر پیٹ کے کہتی تھی کبھی ہائے برادر
کیا تجھ پہ بنی ای مرے ماں جائے برادر
مظلوم برادر مرے دُکھ پائے برادر
کیونکر ترے لاشے پہ بہن آئے برادر
تلواروں میں رستہ بھی نہیں پاتی ہے زینب
محروم زیارت سے رہی جاتی ہے زینب

لکھا ہے کہ جب کٹ گیا تن سے سرِ سرور
پکڑے ہوئے زلفوں کو چلا شمرِ ستمگر
زینبؑ کو جو دیکھا تو کہا ہاتھ اُٹھا کر
کس کا ہے یہ سر دیکھ تو ای دُخترِ حیدرؑ
مقتل میں ابھی تیغِ ستم جس پہ چلی ہے
یہ اور کوئی ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

منہ پیٹ کے چلّانے لگی زینبؓ دلگیر
حلق پسرِ فاطمہؓ پہ پھیر دی شمشیر
یہ ہاتھ ترا قطع ہو اے ظالمِ بے پیر
ہے ہے لیئے جاتا ہے سرِ حضرتِ شبیرؑ
آواز مجھے کیوں مرا بھائی نہیں دیتا
اندھیر ہے کچھ مجھکو سجھائی نہیں دیتا

اعجاز سے گویا ہوا اس دم یہ سرِ شاہ
چلتے ہیں جہاں سر سے مجاہد یہ وہی راہ
بس صبر کرو بھائی کو اے زینبِؓ بیجاہ
ہم شاہ شہیداں ہوئے اَلْمِنَّتُ لِلّٰہ
معراج ملی مرتبہ بڑھتا ہے ہمارا
تم جاؤ سر اب نیزے پہ چڑھتا ہے ہمارا

خیمے کو چلی خاک اڑاتی ہوئی زینبؓ
زینبؓ نے قریب آکے پکارا یہ انھیں تب
نکلے ہوئے پردے سے حرم پیٹتے تھے سب
اے پیٹنے والو صفِ ماتم پہ چلو اب
تڑپوں گی زمیں پر کہ جگر پھٹ گیا لوگو
بیکس مرے بھائی کا گلا کٹ گیا لوگو

خاموش انیسؔ اب کہ جگر غم سے ہوا خوں
ہر چشم ہے گریاں تو ہر اک قلب ہے محزوں
مصرعے ہیں کہ چھریاں ہیں یہ نشتر ہیں کہ مضموں
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ میں کیا اس کا صلا دوں
ارشادِ پیمبرؐ ہے کہ پاس اپنے مکاں دو
حلّے اسے فردوس کے دو باغِ جناں دو

رباعی

گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے — مرنے پہ کمر باندھ کے حیدرؑ نکلے
واللہ کہ حقِ خانہ زادی یہ ہے — نکلے جو خدا کے گھر سے مر کر نکلے

ایضاً

کعبے میں جسے حق نے اُتارا ہوگا — مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا
تلوار سے اک شقی کی سبحان اللہ — سجدے میں اسی کا سر دو پارا ہوگا

مرثیہ (۲)

کعبے سے کیا جبکہ سفر قبلۂ دیں نے
چھوڑا وہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں نے
پائی نہ اماں رازِ الٰہی کے امیں نے
عزمِ سفرِ مرگ کیا گوشہ نشیں نے
درپے تھے عدو سبطِ رسولؐ عربی کے
مہلت نہ ملی حج کی نواسے کو نبی کے

یارانِ وطن سے بھی چھٹے گھر سے بھی چھوٹے
اور فاطمہؑ کے مرقدِ انور سے بھی چھوٹے
کچھ بس نہ چلا تربتِ شبرؑ سے بھی چھوٹے
بیٹی سے چھٹے قبرِ پیمبرؐ سے بھی چھوٹے
مضطر کیا بے دینوں نے کعبہ میں بھی آکے
راحت نہ ملی شہر میں نہ گھر میں خدا کے

کعبے میں مدینہ سے یہ تھے سوچ کے آئے
تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے
اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے
سو واں بھی تھا یہ خوف کہ حج کرنے نہ پائے
اللہ نے پیدا کیا کعبہ میں علیؑ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو

احرام تلک باندھ چکے تھے شہِ ابرار
جو کھل گیا احمدؐ کے نواسے پہ یہ اسرار
ہیں قافلۂ حاج کے ہمراہ ستمگار
یا قتل کریں طوف میں یا کرلیں گرفتار
پایا جو تردد کا محل سرورِ دیں نے
عمرہ سے کیا حج کو بدل سرورِ دیں نے

اعمال ہیں حج کے تو یہی حکم خدا کا
پر شہؑ کو نہ دو عالم احرام میں ایذا
اللہ کا وہ گھر یہ محمدؐ کا نواسا
سیّد کے ستانے کو وہاں آئے تھے اعدا
گر کھولتا احرام نہ پیارا وہ نبیؐ کا
کعبے میں گلا کاٹتے فرزند علیؑ کا

مضطر تھے شبِ ہشتم ذی حجہ کو شبیرؑ
تھا قصدِ مصمم کہ سوئے کوفہ ہوں رہ گیر
کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر
اب یاں سے کہاں دیکھیے لے جاتی ہے تقدیر
پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا
اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

تھے سبطِ نبیؐ کوچ کی تدبیر میں اُس رات
بھائی سے بغلگیر ہوئے شاہِ خوش اوقات
کوفہ کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہی
ہیں آپ ہی اب وارثِ ذریتِ حیدرؑ
کعبے سے اُدھر آپ کا جانا نہیں بہتر
ان لوگوں کو مطلق نہ حمیت نہ حیا ہی
حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ پیمبرؐ
حضرت ہی کے رہنے سے مدینہ ہی منوّر
اِس شمع کو بھی گل نہ کریں مجھ کو یہ غم ہی
کیا والدِ ماجد نے ستایا تھا کسی کو
راحت نہ ملی کوفہ میں دامادِ نبیؐ کو
کیونکر کہیں حضرت سے برائی نہ کرینگے
حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانا
میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہی زمانا
حاسد ہی کوئی درپئے آزار ہی کوئی
کرتا نہ سفر گر مجھے کوئی نہ ستاتا
مرقد سے بزرگوں کے مقدر ہی چھڑاتا
بے دینوں کو جینا مرا منظور نہیں ہی
اس امر کے درپی ہی پسرِ بانیِ ستم ایجاد
ڈرتا ہوں یہاں قتل کریں گر مجھے جلّاد
کعبے سے میں نکلوں یہ گوارا مجھے کب ہی

کی آکے جو ابنِ حنفیہ نے ملاقات
کی عرض محمدؐ نے کہ ای قبلۂ حاجات
مکّہ میں مکیں ہو کہ بزرگوں کا مکاں ہی
حق آپ کا سایہ رکھے ہم لوگوں کے سر پر
اندیشہ ہی کچھ رنج نہ پہونچائیں ستمگر
ظاہر میں طرفدار ہیں طینت میں دغا ہی
تم چار بزرگوں کی نشانی ہو برادر
سُن سن کے فروغ آپ کا جلتے ہیں ستمگر
اب پنجتنِ پاک میں حضرت ہی کا دم ہی
دولت سے نہ دنیا سے علاقہ تھا علیؑ کو
بے جرم کیا قتل محمدؐ کے وصی کو
سادات کے دشمن ہیں بھلائی نہ کرینگے
بھاتا ہی کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
اب تو ہی مدینہ میں نہ مکّہ میں ٹھکانا
حامی ہی نہ کوئی نہ مددگار ہی کوئی
باہر کبھی روضے سے محمدؐ کے نہ جاتا
میں کیا کروں بھائی مجھے کچھ بن نہیں آتا
ہو جاؤں یہیں قتل تو کچھ دور نہیں ہی
باقی رہے دنیا میں محمدؐ کی نہ اولاد
حرمت حرمِ کعبہ کی ہو جائے گی برباد
ناچار ہوں دوری کا سبب پاسِ ادب ہی

تھا قصد کہ ہوں معتکفِ خانۂ معبود — افسوس رہِ امن و اماں ہو گئی مسدود
جاتا ہے کوئی چھوڑ کے کب منزلِ مقصود — پر کیا کروں رہنے نہیں دیتے مجھے مردود
یاں اور حرم خالقِ اکبر سے نکلتا — اس گھر سے حسین ابنِ علی مر کے نکلتا

ابنِ حنفیہ نے کہا تب بہ سماجت — گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت
واں آپ کے والد کے ہیں شیعوں کی سکونت — وہ لوگ ہیں سب اہلِ وفا اہلِ مروت
کیجے گا سرافراز تو قدموں پہ گرینگے — پھر جائے زمانہ وہ نہ حضرت سے پھرینگے

بالفرض یمن میں بھی جو آرام نہ پاؤ — شہروں سے کنارا کرو جنگل کو بساؤ
تکلیف بیاباں میں سہو رنج اٹھاؤ — پر بہرِ خدا کوفے کی سرحد میں نہ جاؤ
بچوں پہ کرو رحم کہ چھوٹے ابھی سن ہیں — اس راہ میں پانی ہے کم اور گرمی کے دن ہیں

فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا — چھوڑے گی اجل ساتھ نہ زہرا کے پسر کا
اب دھیان ہے شبیرؑ کو بچوں کا نہ گھر کا — اب کا یہ سفر مجھ کو وسیلہ ہے ظفر کا
گر کوچ سوئے کوفہ نہ ہووے گا برادر — پھر کون مری قبر میں سووے گا برادر

یہ سن کے محمدؐ نے کیا اور بھی اصرار — جھک جھک گئے قدموں پہ برادر کے کئی بار
شہ نے کہا اسباب تو ہے کوچ کا تیار — پھر جانے نہ جانے میں کروں مشورہ یکبار
جاتا ہے تو ایذا کو بھی سہہ جائے گا شبیرؑ — رہنا ہے مقدر میں تو رہ جائے گا شبیرؑ

گھر اپنے محمدؐ تو گئے سن کے یہ گفتار — گزری جو وہ شب صبح کے پیدا ہوئے آثار
حضرت نے کیا حکم کہ اونٹوں کو کرو بار — نقارہ ہوا کوچ کا سب ہو گئے تیار
تھا شور کہ اب دیکھئے کب آتے ہیں شبیرؑ — کعبے سے معِ اہلِ حرم جاتے ہیں شبیرؑ

چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبطِ پیمبرؐ — فریاد سوئے کعبہ یہ کی ہاتھ اٹھا کر
چھٹتا ہوں ترے گھر سے میں اے خالقِ اکبر — اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسر
پاس آن کے در سے جو ترے دور چلا ہوں — تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

بچّے مرے ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے
رستہ بھی خطرناک ہے منزل پہ بھی ڈر ہے
پر فضل و کرم پر ترے بندے کی نظر ہے
ناگاہ صدا آئی کہ کیا تجھ کو خطر ہے
ہر حال میں سایہ ترے سر پر ہے ہمارا
ہم پاس ہیں تیرے ترا دل گھر ہے ہمارا

کعبے کی جدائی سے عبث ہوتا ہے مضطر
حاجی سے مجاہد کا کہیں رتبہ ہے بہتر
جس راہ میں جاتا ہے تو اے سبطِ پیمبر
ایک ایک قدم میں ہے ثوابِ حجِ اکبر
الفت ہمیں تیری ہے تجھے چاہ ہماری
یہ گھر ہے ہمارا تو وہ ہے راہ ہماری

یہ سُن کے بڑھا یا شہِ مظلوم نے رہوار
جو آئے پھر ابنِ حنفیہ بدلِ زار
قدموں سے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار
اس جلدی کے جانے کا سبب کیجیے اظہار
میں سمجھا تھا شب کو کہ ٹھہر جاؤ گے مولا
کیا آج ہی بیکس ہمیں کر جاؤ گے مولا

لپٹا کے گلے بھائی کو رونے لگے حضرت
فرمایا کہ تھا رات تلک قصدِ اقامت
لیکن مجھے نیند آگئی جب تم ہوئے رخصت
رویا میں میسر ہوئی نانا کی زیارت
تھا اشکوں سے تر چہرۂ گلگونِ محمدؐ
آلودہ تھے سب خاک سے گیسوئے محمدؐ

رو کر یہ کہا میں نے کہ یا شاہِ خوش اقبال
بندہ تو ہے آفت میں یہ کیا آپ کا ہے حال
فرمایا میں صدقے ترے اے فاطمہؑ کے لال
کھیتی کو مری دشمنِ دیں کرتے ہیں پامال
راحت کا محمدؐ کے سرانجام کہاں ہے
جب تو ہوا بے چین تو آرام کہاں ہے

افسوس مرے روضے پہ بھی رہنے نہ پایا
تجھ کو نہیں آزردہ کیا مجھ کو ستایا
تو کعبے میں جس دن سے مجھے چھوڑ کے آیا
دل میں نے بھی مرقد کی اقامت سے اُٹھایا
ممکن نہیں فرقت میں تری صبر نبیؐ سے
گھر تجھ سے چھٹا اور چھٹی قبر نبیؐ سے

آلودہ جو ہیں خاک سے گیسو مرے سارے
میں تیری لحد کھودتا تھا اے مرے پیارے
رویا ہوں تری پیاس پہ دریا کے کنارے
جا جلد کہ حق نے ترے سب کام سنوارے
اب تو مرے پاس آنے کا کچھ دیر نہیں ہے
جن رتبوں کا وعدہ تھا وہ ہنگام قریں ہے

ہے تیری شہادت ترے مشتاق کو منظور
تا عاشقِ صادق رہے تو خلق میں مشہور
حیدرؑ کی طرح ہے ترا دل صبر سے معمور
تجھ سے بھی وہ ہوگا جو کسی کا نہیں مقدور
ہے قول کا صادق تری کیا بات ہے بیٹا
عزت مری امّت کی ترے ہاتھ ہے بیٹا

منہ پیٹ لیا سُن کے محمدؐ نے یہ تقریر
اور رو کے کہا گر ہے یہی خواہشِ تقدیر
ناموس کو چھوڑو ہمیں اے حضرتِ شبیرؑ
حرمت سے حرم میں رہے تا صاحبِ تطہیر
پردیس میں کیا جانیے کیا جور و جفا ہو
ڈر ہے کہیں زینبؑ نہ گرفتارِ بلا ہو

زینبؑ کی اسیری کا سخن سنتے ہی یکبار
تھرّا گیا دل رونے لگے سیدِ ابرار
سُنتی تھی یہ تقریر جو سب زینبؑ ناچار
محمل سے محمد کو پکاری بدلِ زار
کی تم نے سفارش مری کیا آہ برادر
بھائی سے چھڑاتے ہو مجھے واہ برادر

رہنے کی نہیں حیدرِ کرّار کی جائی
بھائی کے لیے ماں کی لحد چھوڑ کے آئی
نانا کے بھی روضہ سے ہوئی مجھکو جدائی
مر جاؤنگی بچھڑے گا جو مجھسے مرا بھائی
ہمراہ میں کاٹوں گی مصیبت کے سفر کو
تنہا نہیں چھوڑوں گی محمدؐ کے جگر کو

اب گھر سے ہے مطلب نہ مدینہ سے مجھے کام
وہ شہر ہے جس بن میں ہو زہرا کا گلِ اندام
میں یاں نہ رہونگی مرے رہنے کا نہ لو نام
بھائی مجھے معلوم ہے اس کوچ کا انجام
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ ان کا دیا ہے
امّاں نے مجھے بھائی کے ہمراہ کیا ہے

رخصت کو بقیعہ میں گئی تھی جو میں بے پر
اور روئی تھی امّاں کی میں تربت سے لپٹ کر
آواز یہ آئی تھی کہ اے زینبِ مضطر
جلّادوں کی سرحد میں چلا ہے مرا دلبر
اچھے نظر آتے نہیں آثار سفر کے
تو ساتھ ہی رہنا مرے مظلوم پسر کے

یہ کہہ کے جو روئی اسداللہ کی پیاری
ابن حنفیہ کے بھی آنسو ہوئے جاری
حضرت نے کہا بھائی سے باگریہ وزاری
بہنیں مری قیدی ہوں یہ ہے مرضیِ باری
کٹ کر سرِ شبیرؑ تو نیزے پہ علم ہو
پیچھے کھلے سر قافلۂ اہلِ حرم ہو

یہ سب تو مرے ساتھ ہیں آفت کے سفر میں
پر فاطمہ صغرا کو میں چھوڑ آیا ہوں گھر میں
ہو اس کی جدائی سے عجب درد جگر میں
ڈر ہے کہیں مر جائے نہ وہ ہجرِ پدر میں
روئے تو مرے سر کی قسم دیجیو بھائی
بیمار کو چھاتی سے لگا لیجیو بھائی

صغرا کا سنا نام تو بانو یہ پکاری
کہہ دیجو کہ مادر تمہیں بھولی نہیں واری
بہنوں کو بھی ہے آٹھ پہر یاد تمہاری
اصغر مری گودی میں کیا کرتا ہے زاری
راتوں کو ترے غم سے نہیں سوتی ہے کبرا
جب ذکر ترا ہوتا ہے تب روتی ہے کبرا

ماں صدقے نہ تم آپ کو کڑھ کڑھ کے گھلانا
ہمجولیوں کو پاس محلے سے بلانا
بابا کے لیے چھوڑ نہ دیجو کہیں کھانا
روٹھونگی اگر میرا کہا تم نے نہ مانا
ایام جدائی بھی گزر جائیں گے بیٹی
اللہ جو پھیرے گا تو پھر آئیں گے بیٹی

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا بھائی کو رخصت ہوئے شبیر
تھا حاجیوں میں غل کہ زہے عزت و توقیر
کس شان سے خاصانِ خدا ہوتے ہیں دلگیر
کیا نور ہے چہرے پہ ہر اک غنچہ دہن کے
یہ پھول ہیں سب فاطمہؑ زہرا کے چمن کے

نایاب جہاں تھے یہ جوانانِ گل اندام
سو باغیوں کے ہاتھ سے ملتا نہیں آرام
افسوس یہ نازک بدن اور گرمی کے ایام
ہے موردِ آفاتِ خزاں گلشنِ اسلام
کیوں لالہ صفت داغ ہر اک دل پہ نہ پڑ جائے
اس طرح کا جب پھولا پھلا باغ اُجڑ جائے

گھر چھوڑ کے جنگل کو چلا شہر کا والی
بطحا ہوا برباد مدینہ ہوا خالی
تھا سایۂ حق سایۂ شاہنشہِ عالی
شیعوں پہ تباہی ستم ایجادوں نے ڈالی
بھولیں گے نہ اشفاق حسینؑ ابنِ علیؑ کے
پائیں گے کہاں ہائے نواسے کو نبیؐ کے

ہر سمت سے جوں جوں یہ بیاں کرتی تھی خلقت
گھوڑے پہ چلے جاتے تھے روتے ہوئے حضرت
ہر ایک سے فرماتے تھے یہ تھام کے رقت
تم سب سے بھی شبیر کی ہے آخری رخصت
اپنوں سے چھٹا حال نہ کیوں غیر ہو میرا
مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

کعبے سے گئے جب کئی فرسخ شہِ ذی جود
رستے میں زرارہ بن صالح ہوا موجود
کی عرض کہ ای راہ رو جادۂ مقصود
جاتے ہو کہاں چھوڑے ہوئے خانۂ معبود
کوفے کا ہی گر قصد تو پھر جایئے حضرت
ڈرتا ہوں کہ اعدا میں نہ گھر جایئے حضرت

واں ہو چکے ہیں جمع کئی لاکھ ستمگر
اطراف و جوانب سے چلے آتے ہیں لشکر
ہیں تشنۂ خوں آپ کے یا سبطِ پیمبر
ملعونوں کے تیغ و تبر و نیزہ و خنجر
کوفے میں یہی معرکہ دن بھر نظر آیا
شمر آیا سنان آیا حُر آیا عمر آیا

چڑھتی ہیں اُدھر چرخ پہ تلواروں کی دھاریں
بہتر ہی کہ اُس سمت کو حضرت نہ سدھاریں
ایسے نہیں وہ لوگ کہ سر آپ پہ واریں
ہی شور کہ آئے تو نبی زادے کو ماریں
یہ آپ کی دعوت کا سرانجام ہی مولا
فوجوں کی بھی آمد سحر و شام ہی مولا

فوج آپ کی مجھ کو نظر آتی ہی بہت کم
گردے ہیں کئی کوس کے ہی لشکرِ اظلم
شہزادوں کے سن چھوٹے ہیں ای قبلۂ عالم
جانے کو ادھر جنگ کا ساماں ہی مقدم
انصار بھی لشکر سے نکل جائیں گے اکثر
جاتے تو ہیں پر وقت پہ ٹل جائیں گے اکثر

حضرت نے کہا راست یہ سب تیرا بیاں ہی
جو اُن کے دلوں میں ہی وہ سب مجھ پہ عیاں ہی
اُس شہر میں ایک ایک مرا دشمنِ جاں ہی
کچھ غم نہیں واں جمع اگر فوجِ گراں ہی
سر اپنا تہِ تیغ میں دھرنے کو چلا ہوں
لڑنے کو تو جاتا نہیں مرنے کو چلا ہوں

ساتھ آئے ہیں جتنے مجھے یہ بھی نہیں درکار
اُن کا نہیں طالب جو ہیں دنیا کے طلبگار
پر اپنے عزیزوں کی محبت سے ہوں ناچار
پھر جائیں جو یہ بھی تو میں ہو جاؤں سبکبار
پر مجھ کو یقیں ہی کہ کنارا نہ کریں گے
آئے ہیں مرے ساتھ مرے ساتھ مریں گے

گو کم ہیں پہ وہ اہلِ وفا ہیں مرے یاور
دنیا سے گئے جن کی تمنا میں پیمبر
مقداد ہی کوئی کوئی سلماں کوئی بوذر
جرات میں ہی ایک ایک بہ از مالکِ اشتر
جب غم میں مرے نالہ و فریاد کریں گے
ان کو بھی بہت اہلِ جہاں یاد کریں گے

اک شیر مرا ابن مظاہر سا ولی ہے
جس غازی کی تلوار ہزاروں میں چلی ہے
اور سعدِ وفادار سعیدِ ازلی ہے
عامر سا جواں یاورِ فرزندِ علیؑ ہے
اس طرح کے جرّار کسی فوج میں کم ہیں
نام اُن کے مرے ساتھ شہیدوں میں رقم ہیں
اور میرے عزیزوں میں جو یہ لڑکے ہیں دو چار
کھل جائیں گے ان شیروں کے جوہر سرِ پیکار
ہر چند کہ دیکھی نہیں چلتے ہوئے تلوار
پر ان پہ ظفریاب نہ ہوویں گے ستمگار
پیدل مرے لشکر کا سواروں سے لڑے گا
بچّہ مرا ہر ایک ہزاروں سے لڑے گا

رو رو کے زرارہ نے یہ کی عرض کہ سرور
تھوڑے سے جواں لاکھوں سے ہوتے نہیں بر
اُس سے کہا دو اُنگلیاں سرور نے اُٹھا کر
لے دیکھ تو رتبہ مرا اور قدرتِ داور
کیا دیکھا کہ در کھل گئے ہیں ساتوں فلک کے
اُترے سے چلے آتے ہیں پرے فوجِ ملک کے

نورانی عبائیں ہیں سفید اُن کی ہے پوشاک
اور حُسن میں مہتاب سے روشن ہیں رُخِ پاک
ہاتھوں میں تو نیزے تہِ ران توسنِ چالاک
تلواریں حمائل ہیں تو چہرے ہیں فرحناک
غل ہے کہ بہت فوج ہے کم سبطِ نبی کی
ہاں جلد کرو چل کے کمک ابنِ علی کی

لکھی ہے زرارہ بن صالح نے روایت
اِک دم میں ہوئی فوجِ ملایک کی یہ کثرت
جز حق نہ شمار اُن کا تھا ممکن کسی صورت
اس وقت زرارہ سے یہ کہنے لگے حضرت
یاور مرے دیکھے مرے غم خواروں کو دیکھا
کیوں سیدِ بیکس کے مددگاروں کو دیکھا

پھر کہنے لگے ہنس کے زرارہ سے یہ سرور
خالق کی عنایت سے یہ ساماں ہے میسّر
چاہوں تو کروں جنگ میں اس فوج سے چل کر
کس زیست پہ ہوں طالبِ جمعیتِ لشکر
خود ہی مجھے منظور کہ سر تن سے جدا ہو
تا مغفرتِ اُمّتِ محبوبِ خدا ہو

جب تک مرا سر کٹ کے جدا ہوگا نہ تن سے
جب تک میں نہیں رہنے کا محروم کفن سے
جب تک مرے بچّے نہیں مٹنے کے رن سے
جب تک کہ یہ بھائی نہیں چھٹنے کا بہن سے
جب تک شہِ مظلوم مرا نام نہ ہوگا
اُمّت کی شفاعت کا سر انجام نہ ہوگا

یہ کہہ کے زرارہ سے چلے سرورِ ذیشاں
سردار نے کی عرض کہ اے دینِ کے سلطاں
ہم آپ کو لڑنے کے لیئے جانے نہ دیں گے
کس قوم سے درپیش ہے حضرت کو لڑائی
کون ایسے ہیں سرکش انھیں کچھ شرم نہ آئی
جنگ اُن سے کریں دیجے ہمیں حکم وغا کا
شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا نام بتاؤں
غیر اُن کو جو سمجھوں تو بلانے پہ نہ جاؤں
تلواریں بنیں ان کے مرے خوں میں بھرلو
تم لوگوں کے ہاتھوں جو گرفتار ہوں وہ سب
شبیرؑ کو ہے مرضیِ اللہ سے مطلب
کیونکر انھیں برباد کروں حجتِ حق ہوں
حق تم کو جزا دیوے کرو جاکے اب آرام
عاشورِ محرم کو ہو جب عصر کا ہنگام
جانا ہی یہاں سے وہیں اس کشتۂ غم کو
جنات یہ سُنکر گئے کرتے ہوئے زاری
یوں جاتا تھا وہ قافلۂ عاشقِ باری
پڑتی تھی یہ گرمی کہ مسافر تھے قلق میں
ازبس متحمل تھے نہ گرمی کی تعب کے
خیمے کی نگہبانی کو جاگے ہوئے شب کے
میداں تھا کفِ دست نہ سایہ نہ شجر تھا

جو آئی پرا باندھے ہوئے فوجِ بنی جاں
ہم شیعہ ہیں بخشا ہے علیؑ نے ہمیں ایماں
فرزند یداللہ پہ آنچ آنے نہ دیں گے
مولا نے غلاموں کی نہ کیوں فوج بلائی
کرتے ہیں محمدؐ کے نواسے سے لڑائی
جو آپ کا دُشمن ہے وہ دشمن ہے خدا کا
وہ امتِ احمد ہیں میں کیا اُن کو ستاؤں
سب مجھ کو گوارا ہے جو تکلیف اُٹھاؤں
قتل اُن کو کرو تم تو مجھے قتل کرے کون
پھر رسّی سے کس طرح بندھے بازوئے زینب
بے جرم قصاص ان سے گوارا ہے مجھے کب
لازم ہے مجھے رحم کہ میں رحمتِ حق ہوں
جاتا ہوں سوے مار یہ ہیں مکیں و ناکام
واں آیو کھل جائے گا اس کیح کا انجام
اُس وقت نہ آئے تو نہ پھر پاؤگے ہم کو
اور آگے بڑھی سبطِ پیمبرؑ کی سواری
جس طرح گلستاں سے چلے بادِ بہاری
ڈوبے ہوئے تھے فاطمہؓ کے پھول عرق میں
سنولا گئے تھے رنگ جوانانِ عرب کے
شاہِ دوجہاں پیار سے منھ تکتے تھے سب کے
جلتے تھے کنوئیں خشک مصیبت کا سفر تھا

کعبے سے ہوا کوچ جو سلطانِ زمن کا
غم تھا شہِ مظلوم کو یارانِ وطن کا
کوسوں کہیں پانی تھا نہ سایہ نہ شجر تھا
یہ دھوپ کی حدت تھی کہ تھے کوہ دہکتے
تھے گودیوں میں ماؤں کے معصوم بلکتے
آرام سواری میں نہ لیتی تھی سکینہ
کہتی تھی کہ مجھ تک کوئی بابا کو بلا دو
گرمی سے ہوا جاتا ہی صغرؑ کو ہوا دو
وہ کہتی تھی گرمی سے ہو گھٹ گیا واری
ہی سرد ہوا کے لیے جاں تن میں ترستی
ویرانہ ہی کوسوں نظر آتی نہیں بستی
واقف تھے کبھی کاہے کو اس رنج و محن سے
گرمی کی اسی طرح اٹھاتے ہوئے ایذا
جو کوفے سے اک مردِ مسافر ہوا پیدا
دل ٹکڑے ہوا سینے میں اس خستہ جگر کا
رو کر کہا ای حیدرِ کرار کے جانی
جس دم یہ سنا شہ نے مسافر کی زبانی
فرمایا کہ راحت میں ہماری خلل آیا
آنکھوں میں بھرے اشک پھرے سیدِ والا
مظلومی پہ مسلم کے جو ٹکڑے تھا کلیجا
افسردہ تھے دل زرد تھے منہ پیر و جواں کے

مطلع دوم

ایک ایک قدم سامنا تھا رنج و محن کا
گرمی سے عجب حال تھا زہراؑ کے چمن کا
یوں جلتی تھی اور دھوپ تھی بیتاب جگر تھا
چنگاریوں سے ریت کے ذرے تھے چمکتے
اور ماتھے سے قطرے تھے پسینے کے ٹپکتے
کرتے سے ہوا چہرے کو دیتی تھی سکینہ
اماں مرا دم گھٹتا ہی پردے کو اٹھا دو
خشکی سے نہ ٹل جائے گلا دودھ پلا دو
ہی دودھ کہاں دودھ بھی تو ہٹ گیا واری
جلتی ہی زمیں چرخ سے ہی آگ برستی
نزدیک ہی ہو جائے خزاں گلشنِ ہستی
کس فصل میں قسمت نے نکالا ہی وطن سے
طے منزلیں کرتے تھے شہِ یثرب و بطحا
مستفسرِ حال اس سے ہوئے سیدِ والا
رونے لگا منہ دیکھ کے زہراؑ کے پسر کا
کیا عرض کروں قتل ہوئے مسلمؑ و ہانی
آنکھوں سے بہے اشک جگر ہو گیا پانی
منزل پہ نہ پہونچے کہ پیامِ اجل آیا
اونٹوں کو بٹھا کر وہیں خیمے کیے برپا
بھرتے تھے دمِ سرد شہِ یثرب و بطحا
لشکر میں اداسی تھی شہِ کون و مکاں کے

ظاہر نہ ہوا تھا ابھی ہر چند یہ ماتم
چھایا تھا ہر اک بی بی پہ ابر الم و غم
کرتی تھی بیاں زوجۂ مسلم یہی پیہم
کیا ہے کہ رُندھی جاتی ہوں گھٹتا ہے مرا دم
کیا دیکھئے وارث کی خبر آتی ہے لوگو
کچھ آج ردا سر سے گری جاتی ہے لوگو

ماں پاس کھڑی مسلمؑ مظلوم کی پیاری
کہتی تھی کہ آنسو نہ کرو آنکھ سے جاری
وسواس مجھے آتا ہے باتوں سے تمہاری
کل آئے گی لینے ہمیں بابا کی سواری
گھبراتی ہو کیوں ہوش مرے کھوتی ہو اماں
ہنسنے کا جو وقت آیا تو تم روتی ہو اماں

واں شہ نے رفیقوں کو بلا کر یہ سُنایا
بیعت سے مری کوفیوں نے ہاتھ اُٹھایا
مسلمؑ کا بھی سر کاٹ کے نیزہ پہ چڑھایا
میں پھر کے نہیں جانے کا آیا تو اب آیا
اس شب کو چلا جائے وہ گھر جانا ہو جس کو
اب ساتھ وہی دے مرا مرجانا ہو جس کو

یہ سُنتے ہی رونے لگے مسلم کے جو دلدار
اسلام کے لشکر میں تلاطم ہوا اک بار
سر کھول کے پیٹے حرمِ احمدِ مختار
تھا شور کہ آفت میں پھنسے سیدِ ابرار
کوفے میں بلا کر یہ دغا کرتے ہیں اعدا
اب دیکھیں نبیؐ زادے سے کیا کرتے ہیں اعدا

مسلمؑ کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر
چھپ چھپ کے اسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
یا تھے کہیں خیمے کہیں بالیں کہیں بستر
یا تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تا شام تو سب یاورِ سلطانِ زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح تو ہفتاد و دوتن تھے

جب واں سے نمازِ سحری پڑھ کے چلے شاہ
مسلمؑ کو حرم روتے چلے جاتے تھے ہمراہ
وارد ہوئے اک دشت بلاخیز میں ناگاہ
چلنے سے رُکا واں فرسِ سرورِ ذی جاہ
فرمایا کہ کیا جانیے یہ کونسی جا ہے
ہاتف نے صدا دی کہ یہی دشتِ بلا ہے

یہ سُنتے ہی رہوار سے اُترے شہِ والا
اور چاہا کہ برپا کریں خیمہ لبِ دریا
مانع ہوئے یکبار پرا باندھ کے اعدا
حضرت نے کہا خیر جو کچھ مرضیِ مولا
جو ہم پہ جفا ہو گی رہِ حق میں سہیں گے
ساحل سے کنارا کیا ریتی پہ رہیں گے

فرما کے یہ میداں میں فروکش ہوئے آخر
روتے تھے حرم چپ تھے شہِ صابر و شاکر
کمریں بھی ابھی کھول چکے تھے نہ مسافر
فوجوں کے نشاں دور سے ہونے لگے ظاہر
زینبؑ سے کہا ہم سے عدو پھر گئے بھینا
نرغے میں ستمگاروں کے ہم گھر گئے بھینا

تاریخ چھٹی تھی کہ ہوا غلغلہ اک بار
لشکر لیے آیا عمرِ سعدِ ستمگار
خولی و حصین شمر و سنان اشعثِ غدار
ایک ایک کے ہمراہ ہزاروں تھے جفاکار
مقتل میں لکھا ہے کہ چھ لاکھ اہلِ ستم تھے
اور یاورِ فرزندِ نبیؐ سو سے بھی کم تھے

کفار میں کس طرح سے گھر جاتے نہ حضرت
قلت اِدھر ایسی اُدھر اس طرح کی کثرت
اُس فوج میں فوجِ قطبِ اوجِ امامت
آتی تھی نظر نقطۂ پرکار کی صورت
حلقے میں نبیؐ فاطمہ کو گھیر لیا تھا
بے وجہ نبی زادے سے منہ پھیر لیا تھا

ہفتم سے محرم کی تو پانی بھی ہوا بند
فرزندِ پیمبر کے تڑپنے لگے فرزند
تھی فاطمہؓ کے مہر میں وہ نہر بھی ہر چند
غاصب نہ ہوئے پانی کے دینے پہ رضامند
حق اپنا محمدؐ کے نواسے نے نہ پایا
اک پانی کا قطرہ کسی پیاسے نے نہ پایا

چوبیس پہر پیاس میں بچوں نے گزارے
ہچکی علی اصغر کو لگی پیاس کے مارے
آخر ہوئی جب دسویں شب اور چھپ گئے تارے
شہ رن کو نمازِ سحری پڑھ کے سدھارے
واں جاتے ہی تیغوں سے قلم ہو گیا لشکر
تھا ایک تو کم اور بھی کم ہو گیا لشکر

تا ظہر نہ عباس رہے اور نہ اکبرؑ
کوثر پہ گئے چھوڑ کے گہوارہ کو اصغر
ڈیوڑھی پہ بہن روتی تھی واں روتے تھے سرور
باراں کی طرح تیرِ ستم پڑتے تھے تن پر
تنہا تھے مگر منہ نہ ہزاروں سے پھرا تھا
تلواروں میں وہ فاطمہؓ کا چاند گھرا تھا

تنہائی تھی مظلومی تھی تشنہ دہنی تھی
آفت تھی مصیبت تھی غریب الوطنی تھی
پیشانی بھی مجروح تھی چھاتی بھی چھنی تھی
کیا جان پہ احمدؐ کے نواسے کے بنی تھی
کرتے تھے طلب خیمے تلک جانے کی رخصت
ملتی تھی سکینہ سے نہ بل آنے کی رخصت

اس حال میں جب عصر کا وقت آگیا یک بار
منہ پھیر کے کیا دیکھتے ہیں سید ابرار
سرخ آنکھیں ہیں کف منہ میں ہے غصّے میں بھرے ہیں
سردار یہ کہتا ہے غضب ہو گیا یارو
چھوڑو نہ اب ایک ایک کا سر تن سے اتارو
حیدرؑ سے بھی شرمندہ مجھے کر گئے شبیرؑ

حضرت نے سُنی زعفرِ جن کی جو یہ تقریر
زعفر کو پکارے کہ نہ کھینچے کوئی شمشیر
غصّے میں نہ آ تجھ کو قسم روحِ علیؑ کی
اُن کے لیے عباسؑ سے بھائی کو گنوایا
صد شکر کہ ان پر مجھے غصّہ نہیں آیا
اس وقت بھی مجھ سے مری طاقت ہے زیادہ

یہ سُنتے ہی رو رو کے گرا قدموں پہ زعفر
کچھ کام لیا مجھ سے نہ یا سبطِ پیمبرؐ
کام آئے گا مجھ بیکس و بے آس پہ رونا
خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بیتاب
خالق سے دعا مانگ یہ با دیدۂ پر آب
کچھ غم نہ اُنھیں جز غمِ شاہِ شہدا ہو

اِک گرد ہوئی دامنِ صحرا سے نمودار
پھینکے ہوئے گھوڑوں کو چلے آتے ہیں اسوار
سب ہاتھوں کو تلواروں کے قبضوں پہ دھرے ہیں
آ قا ہمرا مارا گیا تم بھی انھیں مارو
یہ لاشیں ہیں شہزادوں کی ان پر مجھے وارو
آنے میں مرے دیر ہوئی مر گئے شبیرؑ

گھبرا گئے امت کے لیے حضرت شبیرؑ
میں تو ابھی جیتا ہوں کچھ اُن کی نہیں تقصیر
رحم ان پہ ہے لازم کہ یہ اُمت ہیں نبیؐ کی
اُن کے لیے ہاتھ اکبرؑ و اصغرؑ سے اُٹھایا
میں نے تجھے لڑنے کے لیے تھا نہ بلایا
پر بیٹوں سے اُمت کی محبت ہے زیادہ

کہتا تھا میں اس صبر کے صدقے مرے سرور
حضرت نے کہا اب ترا پھر جانا ہے بہتر
جب بھیجیو پانی تو مری پیاس پہ رونا
جاری عوضِ اشک ہو اچشم سے خوناب
سرسبز رہیں فاطمہؑ کے لال کے احباب
محتاجوں کو راحت ہو مریضوں کو شفا ہو

رباعی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے　　رخ سب سے پھیر کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر　　میں نے بھی جان دیکے پایا ہے تجھے

مرثیہ (۳)

جب باغِ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں
کھیتی تھی جو زہرا کی وہ مرجھا گئی رن میں
پھولوں کو اجل خاک پہ بکھرا گئی رن میں
غم کی دلِ زہرا پہ گھٹا چھا گئی رن میں
پانی نہ ملا تھا جو کسی غنچہ دہن کو
بس پاس سے تکتے تھے حسین اپنے چمن کو

جس باغ پہ تھا سایۂ ابرِ کرمِ رب
تھی دھوپ کی گرمی کی بھلا تاب اُسے کب
پانی جو نہ پایا کئی دن اور کئی شب
مرجھا گئے برگ و ثمر و غنچہ و گل سب
لوٹا گیا گلشن چمن آرائے جہاں کا
تھی فصل بہاری کہ ہوا دخل خزاں کا

پانی سے درختوں کے بھرے رہتے ہیں تھالے
رکھتے ہیں تروتازہ انھیں سینچنے والے
پھولی ہوئی ڈالی پہ کوئی ہاتھ تو ڈالے
یاں سب گلِ زہرا تھے زبانوں کو نکالے
قطرے انھیں شبنم کے میسّر نہ ہوئے تھے
دو روز تلک خشک گلے تر نہ ہوئے تھے

جو نخل کہ گلشنِ ہستی میں ثمر دار
کرتے ہیں ریاض اس پہ سدا صاحبِ گلزار
پتّا کوئی توڑے یہ گوارا نہیں زنہار
اِن پھولوں پہ تلواروں کے پھل لگتے ہیں ہر بار
یہ غم ہی جو غنچوں کے گریبان پھٹے ہیں
نخلِ چمنِ فاطمہ تیغوں سے کٹے ہیں

کیوں بلبلِ نالاں نہ کرے مرثیہ خوانی
مرجھا گیا قاسم ساگلِ باغِ جوانی
اور دیدۂ نرگس کو بجا ہی نگرانی
حسرت ہی کہ پایا گلِ زہرا نے نہ پانی
نہریں ہیں رواں خلق میں چشمے بھی بھرے ہیں
حیدر کا چمن خشک ہوا کھیت ہرے ہیں

آجاتا ہی جب ذکرِ علی اکبرِ گلرو
شبنم کے رُخِ گل پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو
ہوتا ہی اگر تذکرۂ قامتِ دلجو
شمشاد سے قمری کی صدا آتی ہی کو کو
کہتی ہی یہ بلبل کسے دیکھے گی کہاں ہی
وہ سروِ رواں خاک کے پردے میں نہاں ہی

وہ باغ تو سب تین پہر میں ہوا پامال — اب سرو گلستان محمدؐ کا سنو حال
دشمن تو ہیں نو لاکھ اور اک فاطمہؑ کا لال — سر تیغوں سے زخمی ہے بدن تیروں سے غربال
پہنچا نہیں دو روز سے پانی جو وہاں ہیں — ہیں پیاس سے کانٹے گل زہرا کی زباں ہیں

عمامۂ محبوب خدا خون میں تر ہے — مخدومۂ عالم کی ردا خون میں تر ہے
بہتا ہے لہو سر سے گلا خون میں تر ہے — سارے تن اطہر کی قبا خون میں تر ہے
گرمی کی بھڑک تھی کہ جھکے جاتے تھے شبیر — رہوار کی گردن پہ جھکے جاتے تھے شبیر

ہجر علی اکبر سے بصارت ہے بہت کم — غم ہے کہ برابر کا پسر ہو گیا بے دم
دل ٹکڑے کیے دیتا ہے داماد کا ماتم — بار غم عباس سے ہے پشت و کمر خم
کرتے ہیں نظر یاس سے شش ماہہ پسر پر — اک زخم تو بازو پہ ہے اک زخم جگر پر

قبضے میں ہے مولا کے ید اللہ کی شمشیر — پر صبر کے جوہر انھیں دکھلاتے ہیں شبیر
ہر زخم پہ ہے شکر ہر اک تیر پہ تکبیر — فرماتے ہیں راضی ہوں میں اے مالک تقدیر
کھانے کی نہ پانی کی نہ راحت کی طلب ہے — یارب مجھے امت کی شفاعت کی طلب ہے

وہ دھوپ کی تیزی غضب اور لو کا وہ چلنا — وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
ہر ایک بدن سے وہ پسینے کا نکلنا — اور تن پہ حرارت سے وہ ہتھیاروں کا جلنا
جنگل کے چرندے سبھی جھیلوں میں پڑے ہیں — اور دھوپ میں پیاسے شہ مظلوم کھڑے ہیں

گر خاک پہ گرتا ہے تو بھن جاتا ہے دانا — کیا قہر ہے اس آگ میں پانی کا نہ پانا
پیاسے ہیں حسینؑ اور ہے سیراب زمانا — یہ جان محمدؐ ہے لعینوں نے نہ جانا
کیا بیکس و مظلوم ذوی القدر ہوئے ہیں — امت میں محمدؐ کی عجب غدر ہوئے ہیں

وہ دھوپ ہے جس میں کہ ہرن ہوتے ہیں کالے — اور ہانپتے ہیں شیر زبانوں کو نکالے
گرمی سے دد و دام ہیں منھ آب میں ڈالے — لیتے پہ دھریں پاؤں تو پڑ جاتے ہیں چھالے
آہن کی بھی شے موم صفت نرم ہوئی ہے — پتھر ہیں چٹکتے یہ زمیں گرم ہوئی ہے

پتّوں میں طیور اپنے بدن کو ہیں چھپاتے
مسکن سے چرائی کو چرندے نہیں جاتے
جنگل میں مسافر بھی نہیں چھاؤنی چھاتے
اس دھوپ میں حضرت کہیں سایہ نہیں پاتے
نے دامنِ زہرا نہ محمّد کی عبا ہے
ہاں سر پہ فقط سایۂ الطافِ خدا ہے

چھڑکاؤ سے ہوتی ہے ادھر خشک زمیں تر
مرتا ہے عطش سے پسرِ ساقیِ کوثر
ہے چتر کا سایہ پسرِ سعد کے سر پر
اور دھوپ میں ہے زینتِ آغوشِ پیمبر
نرغہ ہے لعینوں کا امامِ ازلی پر
تلواروں کی ہے چھاؤں حسینؑ ابنِ علیؑ پر

کہتا ہے کماں داروں سے شمرِ ستم آرا
ہے فتح جگر گوشۂ زہرا کو جو مارا
سو اب تو اکیلا ہے ید اللہ کا پیارا
ہاں تیروں سے بیکس کا بدن چھان دو سارا
اس وقت نشانے کو جو چوکے تو خطا کی
تاکے رہو چھاتی کو امامِ دوسرا کی

تھے برچھیوں والوں سے اشارے یہی ہر بار
ہاں پہلوئے شہ پر کسی پہلو سے کرو وار
شبیرؑ پہ کاری کوئی پڑتی نہیں تلوار
کہتا تھا سواروں کو سنا کر وہ جفاکار
دستِ شہِ دیں کاٹ کے شانوں سے گرا دو
سب مل کے اکیلے کو سنانوں سے گرا دو

یہ سن کے ہوئے مستعدِ قتل وہ نامرد
بے دینوں کو دردِ دلِ زہرا کا نہ تھا درد
ناگاہ بیاباں میں اٹھی دور سے اک گرد
جس گرد سے صحرائے پرآشوب ہوا زرد
خورشید نہ ہنگامِ تمازت نظر آیا
مینائے فلک شیشۂ ساعت نظر آیا

آندھی غضب آئی کہ لرزنے لگا میداں
دریا سے اٹھا شور کہ طوفان ہے طوفان
ڈر ڈر کے پہاڑوں میں چرندے ہوئے پنہاں
طائر بھی درختوں سے اڑے ششدر و حیراں
ملتی تھی کسی کو نہ جگہ امن و اماں کی
غل تھا کہ دہائی ہے سلیمانِ جہاں کی

حضرت نے سنی گھوڑوں کی ٹاپوں کی جو آواز
تکنے لگے دریا کی طرف شاہِ سرافراز
سمجھے کہ یہ کچھ فوج کی آمد کا ہے انداز
بیکس کی مدد کرنے کو آیا کوئی جانباز
اس وقت میں کس نے یہ کیا قصد کمک کا
جنات کی ہے فوج کہ لشکر ہے ملک کا

مقتل کے قریب آکے پھٹی گرد جو اک بار
دیکھا شہِ دیں نے کہ چلے آتے ہیں اسوار
وہ ساز وہ گھوڑے وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
کثرت ہے پر ایسی کہ شمار ان کا ہے دشوار
کچھ فوج زمیں پر ہے تو کچھ فوج ہوا پر
لشکر ہے کہ دریا کی ہے اک موج ہوا پر

جب فوج سے وہ دشتِ ستم بھر گیا سارا
تھا گھوڑوں کی کثرت سے نظر کا نہ گزارا
بس روک لو باگوں کو یہ سردار پکارا
آگے نہ بڑھو اب یہی آقا ہے تمہارا
مقتل ہے یہی وہ شہِ ذی جاہ کھڑے ہیں
ٹکڑے یہیں زہرا کے کلیجے کے پڑے ہیں

سب تھم گئے میداں میں پرا باندھ کے اسوار
شبدیزِ فلک سیر سے اترا وہ نکوکار
مجرے کو غلاموں کی طرح خم ہوا اک بار
آنکھوں سے لگائے قدمِ سیدِ ابرار
عاشق اسے سمجھے جو امامِ امم اپنا
مولا نے رکھا پشت پہ دستِ کرم اپنا

یوں کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ ذی جاہ
میں کون ہوں پہچانا مجھے آپ نے یا شاہ
حضرت نے کہا ضعفِ بصارت ہے پہ واللہ
تجھ سے بھی ترے جد و پدر سے بھی ہوں آگاہ
جو دوست ہمارا ہے اسے جانتے ہیں ہم
تو زعفرِ جن ہے تجھے پہچانتے ہیں ہم

آجاتا تھا جنات کا مذکور کبھی گر
تعریف ترے باپ کی فرماتے تھے حیدر
ہوتا ہے وفادار وفادار کا دلبر
فرزندِ علی سے تجھے الفت نہ ہو کیونکر
سب عقدوں کو کھولا ہے امامِ ازلی نے
دی ہے ترے آنے کی خبر مجھ کو علیؑ نے

ہے خوب مجھے یاد ترے باپ کا آنا
اور مسئلہ کچھ پوچھ کے دربار سے جانا
وہ اور زمانہ تھا یہ ہے اور زمانا
ماں اٹھ گئیں دنیا سے سفر کر گئے نانا
اب بیکس و بے پر خلفِ شاہِ عرب ہے
تو پوچھنے آیا ہمیں اس کا بھی عجب ہے

تھا کون جو مظلوم کی تسلیم کو آتا
ہم سے تو کوئی آج نہیں آنکھ ملاتا
برگشتہ ہے قسمت کسے حال اپنا سناتا
منظور مدد ہوتی تو خود تجھ کو بلاتا
انداز زمانے کی یہ گردش کے نئے ہیں
جو میرے شناسا تھے وہی بھول گئے ہیں

سن کر یہ سخن کہنے لگا زعفرِ دیندار
ہے سخت خجالت مجھے یا سیدِ ابرار
خاک اس مرے آنے پہ تب آیا یہ گنہگار
تلواروں سے جب کٹ گیا سب آپ کا گلزار
زندہ شہِ ذی جاہ کے پیاروں کو نہ دیکھا
مہتاب کو دیکھا پہ ستاروں کو نہ دیکھا

تھا جشن میں شادی کے میں اے قبلۂ عالم
جو قاف میں ناگاہ یہ پہونچی خبرِ غم
بس تخت سے اُٹھا میں وہ صحبت ہوئی برہم
پریوں کی جماعت میں بپا ہوگیا ماتم
ہے تیرہ و تاریک جہاں سب کی نظر میں
روتا ہوا ایک ایک کو چھوڑ آیا ہوں گھر میں

لشکر لیے پہلے میں نجف کی طرف آیا
تھا ابرِ الم روضۂ پر نور پہ چھایا
آتی تھی صدا قبر سے ہے ہے مرا جایا
فریاد کہ شبیر نے پانی بھی نہ پایا
بیزار ہیں محبوبِ خدا اُمتِ بد سے
غل تھا کہ علی آج نکلتے ہیں لحد سے

اک حشر تھا واں میں جو ٹھہرتا تو غش آتا
لگتی جو ذرا دیر تو حضرت کو نہ پاتا
بتلایئے مولیٰ سے کسے منھ اپنا دکھاتا
تنہائی میں آقا کو مرے کون بچاتا
سب کہتے کہ حیدر نے سدا جن کی مدد کی
ان لوگوں نے کچھ اپنے نہ محسن کی مدد کی

اب اذنِ وغا دیجے مجھے یا شہِ ذی جود
سارا مرا لشکر ہے فدا ہونے کو موجود
کیا بود و نمود ان کی ابھی ہوتے ہیں نابود
لڑ سکتے ہیں احمدؐ کے نواسے سے یہ مردود
بڑھ کر ابھی پنجے میں دبا لیتا ہے سب کو
اک جن کو جو دوں حکم تو کھا لیتا ہے سب کو

پھیلی ہوئی ہے فوج مری قاف سے تا قاف
سب شیعہ ہیں دیندار ہیں اور قوم کے اشراف
رُخ مہر سے روشن ہیں دل آئینے سے شفاف
تسبیحِ زباں پنجتنِ پاک کے اوصاف
ہے آج کے دن عید فدا ہونے کی ان کو
یہ وہ ہیں کہ پیاری نہیں جان آپ سے جن کو

زعفر سے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار
مشہور ہے عادل خلفِ حیدرِ کرار
تم دیکھو انھیں اور نہ تمھیں دیکھیں یہ ستمگار
یہ جنگ و جدل شرع میں جائز نہیں زنہار
جو حق ہے کہے جاؤں گا گو تشنہ دہاں ہوں
احمدؐ کا نواسا ہوں امامِ دو جہاں ہوں

ہے دور شجاعت سے اگر یوں انھیں مارا
یہ امر مروت نہیں کرتی ہے گوارا
لازم ہے مجھے رحم نبیؐ کا ہوں میں پیارا
دشمن پہ بھی ہے خلق میں احسان ہمارا
ہر چند نہیں نیک عمل امتِ بد کا
شرم آتی ہے پڑھتے ہیں پہ کلمے جد کا

کی دستِ ادب جوڑ کے زعفر نے یہ گفتار
مشہور ہے جہاں جنگ اُحد کے ہیں یہ اخبار
کی فوج ملک نے مددِ احمدِؐ مختار
اُن کو بھی تو لڑنے میں نہ تھے دیکھتے کفار
کافر ہیں یہ کچھ ترک مروت نہیں اس میں
خادم بھی لڑا اگر تو قباحت نہیں اس میں

فرمایا شہِ دیں نے بصد گریہ و زاری
اس دن تھی یہی مصلحتِ ایزدِ باری
بھیجا تھا انھیں حق نے جو فوج آئی تھی ساری
تو آیا ہے الفت سے مدد کرنے ہماری
انسان سے جنات کو گر حکم وغا دوں
عادل کوئی پوچھے تو جواب اس کا کیا دوں

بولا قدمِ شاہ پہ سر رکھ کے وہ ذیشان
آقا ترے قربان ترے عدل کے قربان
کہیئے تو متشکل ہوں ابھی صورت انسان
وہ ہم کو کریں قتل کریں ہم انھیں بیجان
سب کو یہی حسرت ہے لڑیں راہِ خدا میں
گر مر گئے ہو جائیں گے داخل شہدا میں

شہ بولے کہ دے تجھ کو جزا خالقِ اکبر
تو چاہتا ہے قتل نہ ہو سبطِ پیمبرؐ
لیکن نہ بچے گا پسرِ ساقیِ کوثر
یہ اہلِ ستم تیغ سے کاٹیں گے مرا سر
معلوم ہے مجھ کو نہ اجل آج ٹلے گی
اللہ کے سجدے میں چھری مجھ پہ چلے گی

تب زعفرِ جن بولا کہ یا سیدِ ابرار
یہ قتل کریں گے تمھیں اب جان کے ناچار
شہ نے کہا میں ہوں خلفِ حیدرِ کرار
کونین میں مشہور ہیں ہم قاتلِ کفار
دیکھی نہیں احمدؐ کے نواسے کی لڑائی
ہاں دیکھ تو اب بھوکے پیاسے کی لڑائی

یہ کہہ کے بڑھے بہرِ وغا سرورِ عالی
غصے میں نظر شیر سی اس شیر نے ڈالی
پھر نادِ علی پڑھ کے جو تلوار نکالی
بجلی سی چمکنے لگی شمشیر ہلالی
حیدر کی طرح آئے صفِ لشکرِ کیں پر
بجلی سی گری تیغ ہر اک دشمنِ دیں پر

دم تن سے جوانوں کا نکلتے ہوئے دیکھا
وہ سرد ہوا جس نے کہ چلتے ہوئے دیکھا
تن شمع کے مانند پگھلتے ہوئے دیکھا
نیزوں کی سنانوں کو اچھلتے ہوئے دیکھا
اس تیغ شرربار سے بیتاب تھے ناری
تلوار جو تھی آگ تو سیماب تھے ناری

روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
سر پر جو پڑی کاسۂ سر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
اتری جو جگر سے تو کمر کاٹ کے نکلی
ٹھہری نہ کمر پر نہ رکی خانۂ زیں پر
رہوار کو دو کر کے گری روئے زمیں پر

ناگاہ صدا چرخ سے پیدا ہوئی پیہم
اب روک لے تلوار کو اے سیدِ عالم
کون ایسا ہے جو سامنا تیرا کرے اس دم
آگے سے ترے بھاگ گیا لشکرِ اظلم
بس خوب لڑے تیغِ شرربار کو روکو
سب فوج چلی جاتی ہے تلوار کو روکو

آواز کا آنا تھا کہ تلوار کو روکا
فرمایا کہ جو حکم ترا اے مرے مولا
کیا دخل جو اب میں کروں لڑنے کا ارادہ
میں بندۂ ناچیز تو کونین کا آقا
سر تیغ سے میداں میں کٹانے کی خوشی ہے
دربار میں تیرے مجھے آنے کی خوشی ہے

یہ کہہ کے رکھی میان میں شمشیر دو پیکر
پھر زعفر جنی سے کہا بادلِ مضطر
کیوں دیکھی شجاعت مری اور تیغ کے جوہر
مجبور نہیں ہے خلفِ حیدرِ صفدر
امت مرے نانا کی ہے کیا ان کو سزا دوں
اب بھی یہ اگر مانیں تو دوزخ سے بچا دوں

اے زعفرِ جن تجھ سے رضامند ہے غفار
اس بیکسی میں آکے ہوا میرا مددگار
راضی ہوا تجھ سے خلفِ حیدرِ کرار
پر ایک سخن یاد رہے اے مرے غمخوار
جب پیاس میں تو پانی کبھی پیجیو بھائی
تب تشنگی تو یاد مری کیجیو بھائی

تو دل میں نہ کڑھنا کہ مری عرض نہ مانی
بیزار ہے دنیا سے یداللہ کا جانی
مرجائے جب اکبر سا پسر یوسفِ ثانی
جینے کا مزا تلخ ہے اور خاک ہے پانی
جا اب تو کہ جلدی کہیں سر تن سے اتر جائے
یہ بارِ امانت مری گردن سے اتر جائے

اس سعی کا بدلا تجھے دے ایزدِ باری
رخصت ہو کہ اب آئے گی اماں کی سواری
ہر سال کیا کیجو مری تعزیہ داری
جب پیاس لگے یاد کیجے پیاس ہماری
رونے میں تجھے اجرِ شہادت کا ملے گا
تربت میں مزا میری محبت کا ملے گا

سب لشکرِ جن رونے لگا سن کے یہ تقریر
برپا ہوا اک شور کہ ہے ہے شہِ دلگیر
غل سن کے یہ چلانے لگی شاہ کی ہمشیر
لوٹی گئی میں کٹ گیا شاید سرِ شبیر
سنتی ہوں جدھر ہائے حسینا کی صدا ہے
دنیا میں قیامت نہیں آئی تو یہ کیا ہے

اب گھر سے نکلتی ہوں میں ہے ہے مرے بھائی
فریاد ہے فریاد دہائی ہے دہائی
زعفر نے یہ جنات کو آواز سنائی
بند آنکھیں کرو دخترِ زہرا نکل آئی
سیدانی ہے واجب بخدا اس کا ادب ہے
سر ننگے کسی نے اسے دیکھا تو غضب ہے

ہمشیر کو گھبرا کے شہِ دیں نے پکارا
نکلو نہ بہن ہم کو کسی نے نہیں مارا
یہ زعفرِ جن آیا ہے لشکر لیے سارا
مجھ کو کسی کی نہیں امداد گوارا
کرتا ہوں میں رخصت وہ جدا ہوتا ہے زینب
یہ لشکرِ جن میرے لیے روتا ہے زینب

حضرت کی صدا سن کے وہ ناشاد پکاری
تنہائی کے صدقے میں اس آواز کے واری
گر بہرِ مدد آئی ہے زعفر کی سواری
عرض اس کی نہ رد کیجیو اے خالقِ باری
اللہ کو نہ اب قہرِ الٰہی سے بچاؤ
کشتی کو غریبوں کی تباہی سے بچاؤ

اس وقت میں کیونکر یہ تمہیں چھوڑ کے جائے
ہے دوست وہ جو کام برے وقت میں آئے
زہرا کا پسر قتل ہو اور یہ نہ بچائے
اپنا کہو جو چھوٹے تو کہاں پھر کبھی پائے
کیونکر نہ ہو رتبے شہِ مرداں نے دیئے ہیں
اس پر بھی تو احسان مرے بابا نے کیے ہیں

رحم ان پہ نہ کیجے کہ یہ ہیں ظلم کے بانی
ہے ہے نہ دیا اصغرِ معصوم کو پانی
زعفر سے کہے جا کے کوئی میری زبانی
ہیں درپئے جاں شاہ کے یہ دشمنِ جانی
آفت سے یداللہ کی جائی کو بچا لے
ہیں دو گھڑی تو مائیں مرے بھائی کو بچا لے

یاں ہو چکا تھا سب مرے لٹ جانے کا ساماں　　چلاتی تھیں زہرا مرا گھر ہوتا ہے ویراں
سن لی مری فریاد میں اللہ کے قرباں　　مرکر بھی نہ بھولونگی ترا آج میں احساں
فرزند علی گھر گیا تھا فوج ستم میں　　اس وقت تو کیا آیا کہ جاں آگئی دم میں

سیدانی ہوں بیکس ہوں میں گردوں کی ستائی　　جب سے ہوئی پیدا کبھی راحت نہیں پائی
رکھتی ہوں میں دولت نہ بضاعت نہ کمائی　　دنیا میں بس اب ایک یہی ہے مرا بھائی
یثرب میں نہ کوفہ میں نہ مقتل میں رہونگی　　میں بھائی کو لیکر کسی جنگل میں رہونگی

شبیرؑ کی اک جان کا دشمن ہے زمانا　　اس وقت ہوا ہم کو غنیمت ترا آنا
واجب ہے ید اللہ کے پیارے کا بچانا　　اب چھوڑ کے حضرت کو کہیں یاں سے نہ جانا
شبیرؑ کے دشمن ہیں سب اس فوج کی صفوں میں　　پہونچاوے محمدؐ کے نواسے کو نجف میں

اس وقت اگر تو نہ مدد کرنے کو آتا　　ہے ہے مرے ماں جائے کو پھر کون بچاتا
میں دیکھتی اور سبط نبی برچھیاں کھاتا　　ہوتی جو ذرا دیر تو حضرت کو نہ پاتا
زانوے لعیں سینۂ صد چاک پہ ہوتا　　سر نیزے پہ ہوتا تو بدن خاک پہ ہوتا

یہ سنتے ہی سر پیٹ کے رونے لگا زعفر　　کہتا تھا میں اس صبر کے صدقے مرے سرور
کچھ کام نہ مجھ سے لیا اے سبط پیمبر　　حضرت نے کہا اب ترا پھر جانا ہے بہتر
کام آئے گا مجھ بیکس و بے آس پہ رونا　　جب بھیجیو پانی تو مری پیاس پہ رونا

جب حکم امام دو جہاں سے ہوا ناچار　　سر پیٹتا گھر اپنے چلا زعفر دیندار
سب اور بھی جن پھاڑتے گریبان بدل زار　　چلاتے تھے ہے ہے خلف حیدر کرار
آقا ترے اس صبر و شکیبائی کے صدقے　　اے سبط پیمبر تری تنہائی کے صدقے

گھر پہونچا تو زعفر نے کہا تخت اٹھاؤ　　اب فرش کہاں کا صف ماتم کو بچھاؤ
پوشاک سیہ لاکے مجھے جلد پنھاؤ　　سب ہائے حسینا کہو اور خاک اڑاؤ
ہر غم سے غم سرور عالم ہے زیادہ　　ماتم سے سلیماں کے یہ ماتم ہے زیادہ

ماتم کی خبر مادرِ زعفر نے جو پائی
گھبرائی ہوئی گھر سے وہ باہر نکل آئی
پوچھا کہ ہوا کیا صفِ ماتم جو بچھائی
زعفر نے کہا لُٹ گئی زہراؑ کی کمائی
گھیرا ہے ستمگاروں نے فرزندِ علیؑ کو
چھوڑ آیا ہوں تیغوں کے تلے سبطِ نبیؐ کو

سر پیٹ کے ماں زعفرِ جن کی یہ پکاری
تو نے پسرِ فاطمہؓ پر جان نہ واری
واجب تھی تجھے سیدِ کونین کی یاری
عزت نہ رہی آگے محمدؐ کے ہماری
اب محکمۂ حشر میں جاؤنگی میں کیونکر
مُنہ فاطمہؓ کو جا کے دکھاؤنگی میں کیونکر

حیدر نے ترے باپ پہ کیا کیا کیئے احسان
جاں بخشی بھی کی اور اسے دی دولتِ ایمان
کیا رحم ہے اس عقدہ کشائی کے میں قربان
مشکل جو پڑی دم میں اسے کر دیا آسان
فرزند پہ آج اس کے بُرا وقت پڑا ہے
تو سائے میں بیٹھا ہے وہ میداں میں کھڑا ہے

باپ آج ترا ہوتا تو چین اس کو نہ آتا
اعدا کا نشان صفحۂ ہستی سے مٹاتا
فرزندِ پیمبر کے عوض برچھیاں کھاتا
شہزادے کے قدموں پہ گلا اپنا کٹاتا
جو اہلِ وفا ہوتے ہیں مرجاتے ہیں بیٹا
یوں چھوڑ کے آقا کو چلے آتے ہیں بیٹا؟

رو کر کہا زعفر نے میں تھا لڑنے کو تیار
فرمایا مدد ابنِ علیؑ کو نہیں درکار
حکمِ شہِ کونین سے میں ہو گیا ناچار
ورنہ مری شمشیر سے بچتے نہ ستمگار
میں کیا کروں سر مجھ کو کٹانے نہیں دیتے
اُمت پہ تو وہ ہاتھ اُٹھانے نہیں دیتے

اس نے کہا پھر جا کے تو حاضر ہو مری جاں
ایسا نہ ہو سر رن میں کٹا دیں شہِ ذی شاں
میداں میں سلامت جو وہ ہو دین کا سلطاں
میں دودھ نہ بخشونگی جو تو ہوگا نہ قرباں
چلتی ہے چھری شبیرِ الٰہی کے جگر پر
میں نے تجھے صدقے کیا زہراؑ کے پسر پر

یہ سنتے ہی مقتل میں وہ کہتا ہوا آیا
زندہ نہ مجھے دکھلائیو پھر شہ کو خدایا
یاں ہو چکا تھا قتل یداللہ کا جایا
اس وقت وہ پہونچا کہ تڑپتا ہوا پایا
سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھاتے تھے ستمگر
سیدانیوں کو لوٹنے جاتے تھے ستمگر

خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا پانی
دیکھی ترے دریائے طبیعت کی روانی

بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی
تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی

مداحئ حضرت تو کرے منھ ترا کیا ہے
امدادِ محمدؐ ہے یہ الطافِ خدا ہے

سلام

ضبط گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھے مجلس میں جو رو سکتا نہیں

رات اندھیری ہے پرسشِ اعمال ہے ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

کارِ ذاتی ہیں ہیں عاجز پاک بازانِ جہاں
گر و ہے منہ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت وہ مشرق میں کہ مغرب میں مریں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں

نظم ہے یا دُرِ شہوار کی لڑیاں انیس
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

رباعی

ہے فصلِ عزا جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے

ماشاء اللہ چشمِ بد دور انیس
کیا مجمعِ مومنیں ہے کیا مجلس ہے

ایضاً

سینوں میں جگر پہ تیرِ غم چلتے ہیں
رخساروں پہ اشک شمع ساں ڈھلتے ہیں

کیوں تعزیہ خانوں میں نہ روشن ہو ضیا
دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

مرثیہ (۳)

جب منزلِ مقصد پہ امامِ زمن آئے
تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
جنگل میں عجب شان سے گل پیرہن آئے
مرجھائے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدانِ ستم کی
آنے لگی صحرا سے ہوا باغِ ارم کی

زہرا کے گلوں سے جو بھرا دشت کا دامن
اجڑے ہوئے جنگل کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
انبارِ خس و خاک بنا غیرتِ گلشن
ہر نخل تھا رشکِ شجرِ وادیِ ایمن
عکسِ رُخِ شبیرؑ کی ضو دور تلک تھی
دریا کی ہر اک لہر میں بجلی کی چمک تھی

تھا فخر زمیں کو کہ خوشا بخت زہے جاہ
ہیں جس کی طلب گار تھی آیا وہ شہنشاہ
کہتے تھے یہ ذرے تجھے روشن رکھے اللہ
تو نے ہمیں چمکا دیا اے فاطمہؑ کے ماہ
نقشِ قدمِ پاک ہے سر تاج ہمارا
ہے چرخِ چہارم پہ دماغ آج ہمارا

آیا نظر اُس فخرِ سلیماں کا جو دربار
قُربان ہوا سر پہ تصدق ہوئے اک بار
تسلیم کو خم ہو گئے سب دشت کے اشجار
ہمراہ سب ہوا لے گئی جنگل کا خس و خار
جُھک کر یہ ادب پائے شہِ عرش نشیں پہ
سبزے نے کیا فرش زمرد کا زمیں پہ

اُترا جو فرس سے وہ رہِ حق کا فدائی
سرسبزیِ بستانِ ارم دشت نے پائی
وہ نہر وہ اشجار وہ سبزہ وہ ترائی
جنگل بھی ہوا پھولا کہ آج اپنی بن آئی
رشک آتا تھا خورشید کو ذرے کی چمک پہ
صحرا کے پہاڑوں کی بھی چوٹی تھی فلک پہ

آتی تھی یہ ہاتف کی ندا چرخ سے ہر بار
مدفن ترا ہوگا یہیں اے سیدِ ابرار
چھٹ جائیں گے یاں تجھ سے ترے یاور و غمخوار
تیغوں سے کٹے گا چمنِ احمدِ مختار
دو دن تو یہیں پیاس کی تکلیف سہے گا
یہ ہے وہ زمیں جس پہ ترا خون بہے گا

تڑپیں گے یہیں تشنہ لبی سے ترے اطفال
تیروں سے یہیں ہووے گا سینہ ترا غربال
یاں ذبح کریں گے تجھے ای فاطمہؑ کے لال
گھوڑوں سے یہیں لاش تری ہووے گی پامال
رتبہ ترا میدانِ شہادت میں بڑھے گا
سرتن سے اُتر کر یہیں نیزے پہ چڑھے گا

دریا کے کنارے سے ہوا سرد جو آئی
عباسؑ دلاور سے کہا شہ نے کہ بھائی
خیمے کے لئے کونسی جاگہ تمھیں بھائی
کی عرض بہادر نے کہ بہتر ہے ترائی
لہراتا ہے دل یاں کی فضا خوب ہے مولا
شیروں کو ہوا نہر کی مرغوب ہے مولا

اُترے گی جو یاں فوجِ شہنشاہِ حجازی
سیراب رہیں گے لبِ جو اشتر و تازی
فرسودہ بہت راہ کی گرمی سے ہیں غازی
عادی ہیں کئی وقت طہارت کے نمازی
منظور نظر طاعتِ اللہ ہے سب کو
دریا پہ اُترنے کی بڑی چاہ ہے سب کو

شہ نے کہا اچھا یہیں خیمہ کرو برپا
منظور نہیں اپنے ہوا خواہوں کی ایذا
ہم چشمۂ الطاف ہیں ہم فیض کے دریا
مانع ہوں اگر اہل شقاوت تو کریں کیا
آرام ہمارا اُنھیں منظور نہیں ہے
خیمہ وہ اُٹھا دیویں تو کچھ دور نہیں ہے

تم بھی یہ خبر سُن چکے ہو حُر کی زبانی
سب کوفی و شامی ہیں مرے دشمنِ جانی
درپے ہیں کہ مٹ جائے محمدؐ کی نشانی
دیکھو گے کہ وہ لوگ نہ دیں گے مجھے پانی
بے جرم و خطا قاتلِ اولادِ علیؑ ہیں
فوجیں مرا سر لینے کو شہروں سے چلی ہیں

تھرّا کے یہ کہنے لگے عباسؑ دلاور
کیا مُنہ ہے کسی فوج کا یا سبطِ پیمبر
حق کی جو طرف ہیں اُنھیں مرنے کا نہیں ڈر
اُس وقت سمجھ لیں گے جب آئینگے ستمگر
دُشمن ہمیں سرکائیں اب اس جا سے تو جانیں
شیروں کو ہٹا دے کوئی دریا سے تو جانیں

فرما کے یہ فرّاشوں کو عباسؑ پُکارے
ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے
فرّاشوں نے بار اونٹوں سے بس کے اُتارے
ناگاہ نشانِ ظلم کے برپا نظر آئے
خیمہ ابھی کھلنا تھا کہ اعدا نظر آئے

میداں سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمہارا
فوج آتی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا
ہوگا لبِ جو شام کے لشکر کا اُتارا
گھوڑوں سے زمیں یاں کی ملے گی کوئی دم کو
دو لاکھ سواروں کی جگہ چاہیے ہم کو

گرمی کی جو ایذا ہو تو جنگل کی ہوا کھاؤ
اس کو تر ہو نہر کے پانی پہ نہ لہراؤ
اسباب کنارے سے کرو جمّازوں کو سرکاؤ
ڈر ہے کہیں گھوڑوں کی ٹاپوں میں نہ کچل جاؤ
اِک دم میں قدم یاں کہیں دھرنا نہ ملے گا
صحرا میں بھی پھر تم کو اُترنا نہ ملے گا

ہتھوالس کے تیغ و سپر اکبرؑ یہ پکارے
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن مُنہ پہ ہمارے
کھینچیں گے جو تیغیں اسد اللہ کے پیارے
خوں کا ابھی مینہ برسے گا دریا کے کنارے
لاکھ آئیں کہ دو لاکھ کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے دھمکانے سے ضیغم نہیں ڈرتے

ہونے لگی اعدا میں اور اکبرؑ میں جو تکرار
غیظ آگیا برہم ہوئے عباسؑ خوش اطوار
جھپٹے صفتِ شیر یہ کہتے ہوئے اِک بار
ہاں ہاں کدھر آتے ہو خبردار خبردار
دم میں نظر آئے گا نہ سر تن پہ کسی کے
شہزادے سے کچھ نہ سخن بے ادبی کے

کیا ڈر ہمیں آتی ہے تو آئے سپہِ شام
فوجیں ہوں کہ لشکر ہو کسی سے ہمیں کیا کام
دریا سے ہٹے گا نہ محمدؐ کا گل اندام
گرمی میں ترائی کو نہیں چھوڑتے ضرغام
مِلک اپنی ہے غیروں کا اجارا نہیں ہرگز
دریا یہ ہمارا ہے تمہارا نہیں ہرگز

وہ بولے کہ بیکار ہے تقریر یہ ساری
حاکم کا عمل ہے نہیں یاں مِلک تمہاری
صحرا پہ بھی دریا پہ بھی حکم اس کا ہے جاری
فرمایا بہادر نے کہ غاصب ہے وہ ناری
سب خلق ہے قبضے میں شہنشاہِ جری کے
آقا مرے مختار ہیں خشکی و تری کے

کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھانا
آسان نہیں شیروں کا ترائی سے ہٹانا
حیدرؑ کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہے جانا
قبضے ابھی پکڑیں تو اُلٹ جائے زمانا
کر دیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
جس طرح اُلٹ دیتے ہیں اُنگلی سے ورق کو

بے تم کو ہٹائے نہیں لیویں گے دم اب تو
سر بھی جو کٹے گا تو نہ سرکینگے ہم اب تو
دم جسم میں جب تک ہے لڑائی نہ چھٹے گی
تیغوں کو علم کر کے یہ کہنے لگے ظالم
یہ سنتے ہی بپھرا اسداللہ کا ضیغم
بڑھتے ہوئے دیکھا جو سواروں کو اُدھر کے
گھبرا کے اودھر سے شہ والا یہ پکارے
تلوار نہ کھینچو ابھی صدقے میں تمہارے
کچھ غم نہیں جلتی ہوئی ریتی پہ رہیں گے
آئے جو یہ فرماتے ہوئے شاہ خوش اقبال
رعشہ تن پر نور میں خورشید کی تمثال
بل کھائے ہوئے دوش پہ گیسو تو پڑے تھے
غصے میں کچھ آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی
کہتے ہیں مرے سامنے لینگے ترائی
میں اب انھیں بے جان سے ملے نہ چھوڑوں گا
بولے یہ برادر سے لپٹ کر شہ ابرار
کیا منہ جو ہٹا دیں تمھیں دریا سے ستمگار
اللہ سزا دے گا انھیں بے ادبی کی
بیہودہ یہیں بکتے ہیں جانے دو چلے آؤ
آوارہ وطن ہوں مری غربت پہ ترس کھاؤ
دو چل کے تسلی نہیں مر جائے گی زینب

گرتا ہے لب نہر حسینی علم اب تو
شیروں نے یہیں گاڑ دیئے ہیں قدم اب تو
تا حشر یہ دریا کی ترائی نہ چھٹے گی
دیکھیں تو بھلا آپ زبردست ہیں یا ہم
قبضے میں لیا قبضۂ شمشیر شرر دم
ہتھیا لیا شیر نے گرڈے کو سپر کے
ہاں ہاں مرے صفدر مرے عاشق مرے پیارے
رہتے ہوں جہاں اتریں وہیں دریا کے کنارے
راحت انھیں ہوئے ہمیں تکلیف سہیں گے
دیکھا کہ ہے غصے میں بہادر کا عجب حال
ابرو پہ شکن تیغ بکف غیظ سے رخ لال
بپھرے ہوئے جیوں شیر ترائی میں کھڑے ہیں
حضرت سے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
اس وقت مناسب ہے انھیں چشم نمائی
بے تیغ کے گھاٹ ان کو اتارے نہ پھروں گا
ہے دھیان کدھر کرتے ہو کن لوگوں سے گفتار
لو تھام لو غصے کو نہیں کرتے ہو گر پیار
لڑنا نہیں لازم نہیں امت سے نبیؐ کی
حیدر کی قسم ہے تمھیں غصے سے نہ تھرّاؤ
محمل میں تڑپتی ہے سکینہ اسے سمجھاؤ
گھبرا کے عماری سے نکل آئے گی زینب

ناگاہ صدا دخترِ زہراؑ کی یہ آئی
بلوہ ہے مسافر پہ محمدؐ کی دوہائی
عباسؑ کو سمجھا کے ادھر لائیے بھائی
ریتی پہ رہیں خاک میں مل جائے ترائی
کھدوائیں کنوئیں نہر اگر پاس نہ ہوئے
دریا کو لگے آگ جو عباس نہ ہوئے

ہے ہے یہ وہی دشتِ بلا ہے یہ وہی نہر
جس نہر کی شمشیر سے بدتر ہے ہر اک لہر
ساحل پہ نہ اُترو نگی میں کرتے ہو یہ کیا قہر
یہ چشمۂ شیریں ہے غریبوں کے لیے زہر
پردیس میں تکلیف گوارا کرو لوگو
اِس نہر کے پانی سے کنارا کرو لوگو

یاں آئے گی احمد کے سفینے پہ تباہی
تقدیر نے بربادیِ سادات ہے چاہی
ہر سمت سے اُمڈے چلے آتے ہیں سپاہی
ہے ہے نہ بچے گا پسرِ شیرِ الٰہی
روشن ہے کہ شبیرؑ چراغِ سحری ہیں
امّاں مجھے اس دن کی خبر دے کے مری ہیں

یہ کہہ کے لگی پیٹنے سر زینبؑ ناکام
ناموسِ محمدؐ میں بپا ہو گیا کہرام
سمجھانے سے حضرت کے ہٹی جب سپہ شام
بھائی کو لیے ساتھ پھرے شاہِ خوش انجام
ساحل پہ اُتارا ہوا واں فوجِ لعیں کا
یاں دھوپ میں برپا ہوا خیمہ شہِ دیں کا

ڈیوڑھی پہ جو ناقوں کو بٹھایا حرم اُترے
بچے لیے ناموسِ امامِ اُمم اُترے
افلاک شرافت کے ستارے سہم اُترے
کس اوج سے کس شان سے وہ ذی حشم اُترے
گردوں نے رکھا فخر سے چوکھٹ پہ جبیں کو
دربانی کا عہدہ ملا جبریلِ امیں کو

کیا خیمۂ سرور کی بلندی کروں تحریر
رفعت میں دبا جاتا تھا جس سے فلکِ پیر
مہتاب تھا نقشِ قدمِ حضرتِ شبیرؑ
کہتی تھی زمیں اب ہے دوبالا مری توقیر
چمکا جو کلس اور بھی جلوہ نظر آیا
خورشید کی دستار پہ طرّہ نظر آیا

تاریخ دوم کا تھا محرم کے یہ مذکور
آفت میں پھنسے پھر تو شہِ بیکس و مجبور
ہشتم تک ادھر جمع ہوا لشکرِ مقہور
روزِ نہم اعدا کو لڑائی ہوئی منظور
درپے ہوئے سب قتلِ امامِ ازلی کے
دسویں کو گلے کٹنے لگے آلِ نبی کے

قاسم کو ابھی رو نہ چکے تھے شہِ ابرار جو قتل ہوئے نہر پہ عباسِ علمدار
دریا پہ چلے تھے کہ پکارے کئی خونخوار مارا گیا اکبرِ شہِ مظلوم کا دلدار
کہدو یہ خبر فاطمہ زہرا کے پسر سے برچھی کو نکالیں علی اکبر کے جگر سے

جس دم یہ سنا قتل ہوئے اکبرِ ذیجاہ ہاتھوں سے جگر تھام کے تھرّانے لگے شاہ
نہ روئے نہ ماتم کیا بیٹے کا نہ کی آہ مُنھ سے یہی نکلا کہ توکلت علی اللہ
کچھ فرق نہ آیا سرِ مو صبر و رضا میں اصغر کو بھی قربان کیا راہِ خدا میں

جب تین پہر میں وہ چمن ہوگیا پامال تنہا ہوئے بس پھر تو شہنشاہِ خوش اقبال
کھینچے ہوئے تیغیں بڑھے آتے تھے بدافعال تھا منتظرِ حکمِ خدا فاطمہؑ کا لال
مانندِ علی غیظ میں جب آتے تھے مولا قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے مولا

مطلع دوم

جب رن میں مرقع ہوا ابتر شہِ دیں کا دُنیا سے سفر کر گیا لشکر شہِ دیں کا
باقی تھا نہ عباسؑ نہ اکبرؑ شہِ دیں کا تھا شور کہ غربت میں لُٹا گھر شہِ دیں کا
کھائے تبرِ ظلم ہر اک سروِ رواں نے کیا تازہ چمن تھا جسے لوٹا تھا خزاں نے

یاں اب ہمہ تن چشم ہوں سب عاشقِ شبیر دکھلاتا ہوں سبطِ شہِ لولاک کی تصویر
میدان میں اُجالا ہے جبیں پر ہے یہ تنویر خاموش ہے غیرت سے چراغِ فلکِ پیر
سجدے کے نشاں کی بھی چمک سب سے جلی ہے یہ اخترِ اقبال حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

گردوں کو ہلاتا ہے جلالِ شہِ عالی ابرو پئے دشمن ہیں وہ شمشیرِ ہلالی
گیسو رُخِ روشن پہ نہیں حسن سے خالی خورشیدِ درخشاں پہ گھٹا چھائی ہے کالی
رُخ آیۂ رحمت ہے تو زلف ابرِ کرم ہے دیکھو سحرِ عید و شبِ قدر بہم ہے

کس حسن سے تابندہ ہے گیسو کا ہر اک تار ہے سنبلِ پیچاں انھیں حلقوں میں گرفتار
خوشبو سے مہکتی ہے سرِ پاک پہ دستار بیجا نہیں پیچیدگیِ گیسوئے خمدار
ہے خاطرِ سرور جو پریشان کئی شب سے کاکل بھی ہیں بل کھائے ہوئے جوشِ غضب سے

آنکھوں سے ہر اک پل ہے یہ پلکوں کا اشارا
ہم بھی پئے خونریزی مردم ہیں صف آرا
ہے ابنِ علی فاطمہؑ کی آنکھوں کا تارا
کی جس نے ادھر اک نظرِ بد اُسے مارا
وار اپنے برابر سوئے بے پیر چلیں گے
آنکھ اس کی نہ جھپکے گی جو سو تیر چلیں گے

عارض ہیں عجب گل کہ ہیں بلبل ملک و حور
موسیٰ کو غش آجائے جو دیکھے کبھی یہ نور
سُن پائے اگر جلوۂ رُخسار کا مذکور
مستور ہو پردے میں تجلّیِ سرِ طور
مہتاب تو تشبیہ کے قابل بھی نہیں ہے
خورشید کفِ پا کے مقابل بھی نہیں ہے

ہے چہرۂ پرنور پہ بینی کی عجب شان
قرآن ہے رُخ اور یہ الف اولِ قرآن
دم دیتے ہیں وہ اس پہ جو ہیں صاحبِ ایمان
اس بینیِ نازک پہ اور آنکھوں پہ کرو دھیان
چھانے ہیں چمن تب گلِ مضمون ملے ہیں
اِک شاخ پہ بادام کی دو پھول کھلے ہیں

رشکِ لبِ عیسیٰ ہیں یہ اعجاز نما لب
مردے ابھی جی جاویں ہلادیں جو ذرا لب
کھلتے تھے اسی لب سے رسولِ دوسرا لب
اس لب کے لیئے ساغرِ کوثر ہیں لبا لب
گو پیاسے ہیں پر پانی کی پروا انھیں کیا ہے
تسبیح ہے تہلیل ہے اور شکرِ خدا ہے

ہے مخزنِ اسرارِ الٰہی دہنِ پاک
دیتے تھے اسی منھ میں زباں سیدِ لولاک
دانتوں کی صفائی سے خجل انجمِ افلاک
انجام پہ اِن دانتوں کے ہوتا ہے جگر چاک
خالق نے سنوارا جنھیں خود دستِ کرم سے
ٹوٹی وہ لڑی موتیوں کی سنگِ ستم سے

حقّا کہ زباں دانِ پیمبر یہ زباں ہے
قرآں کی طرح پاک و مطہر یہ زباں ہے
دریائے فصاحت کی شناور یہ زباں ہے
کوثر ہے دہن ماہیِ کوثر یہ زباں ہے
جز کلمۂ حق اور کلاموں سے بری ہے
شیریں سخنی ہر رگ و ریشے میں بھری ہے

رنگت گلِ عارض میں ہے جنت کے چمن کی
خالِ رُخِ روشن میں ہے بو مشکِ ختن کی
لالے کا جگر داغ ہے سُرخی سے دہن کی
فردوس میں جاتی ہے مہک سیبِ ذقن کی
آسیبِ نظر سے اسے کیا خوف و خطر ہے
یہ نخلِ گلستانِ محمدؐ کا ثمر ہے

چہرے پہ عجب حسن سے ہے ریش مخضب
کیا قدرتِ حق ہے کہ اُدھر دن ہے اِدھر شب
لیکن ہے شب و روز میں یہ جلوہ گری کب
کعبے میں ہے خورشیدِ شرف غور کریں سب
دو آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں
رُخسار غمِ شہ میں سیہ پوش ہوئے ہیں

کانوں کی ثنا سننے کو سب ہوں ہمہ تن گوش
کھولے ہوئے ہیں شوق میں گلہائے چمن گوش
رکھتے ہیں عجب حُسن کے سلطانِ زمن گوش
فرمانِ الٰہی کے جو کرتے ہیں سخن گوش
یہ کان وہ ہیں جو شرفِ کون و مکاں ہیں
اسرارِ حق ان کانوں کے پردے میں نہاں ہیں

سردارِ بدن ہے شہِ جمہور کی گردن
جھک جاتی ہے یاں شمعِ سرِ طور کی گردن
اس حسن کی ہوگی نہ کسی حور کی گردن
گورا وہ صراحی سا گلا نور کی گردن
بچپن میں مکرر جسے چوما تھا نبی نے
تلوار سے کاٹا اسی گردن کو شقی نے

سینہ ہے وہ کعبہ کہ مکاں جس میں ہے سب کا
کیا منھ ہے مقابل ہو جو آئینہ حلب کا
سب جانتے ہیں حکم ہے قرآں کے ادب کا
سر ہاتھوں سے پیٹو کہ یہ نکتہ ہے غضب کا
آنکھوں سے لگایا تھا جسے روحِ امیں نے
زانو اسی مصحف پہ دھرا شمرِ لعیں نے

شانے کی ہے ضو چودھویں کے چاند سے دو چند
ہاتھ ایسے کشادہ جو سخاوت کے ہیں پابند
ہے دست بقبضہ جو یداللہ کا فرزند
تھرّاتے ہیں وحشت سے جوانانِ تنومند
تیغوں کو نیاموں سے نکالا نہیں جاتا
بھالا کسی ظالم سے سنبھالا نہیں جاتا

نعرہ تھا کہ اے لشکرِ شام و عرب و روم
تم لاکھوں ہو اور بیکس و تنہا ہے یہ مظلوم
کھانے سے بھی محروم ہوں پانی سے بھی محروم
پر ابنِ علیؑ ہوں یہ تمھیں خوب ہے معلوم
تلوار علم کرکے جو لشکر پہ جھکوں گا
جبریل بھی روکیں گے تو پھر میں نہ رکوں گا

ہے خیر اسی میں کہ کنارا کرو شر سے
اب ہاتھ اٹھاؤ اسدِ حق کے پسر سے
پانی دو کہ پیاسا ہوں میں چوبیس پہر سے
للہ مزاحم نہ ہو اس تشنہ جگر سے
بیکس ہوں سوئے دشت وطن جانے دو مجھ کو
کعبے میں حرم لے کے نکل جانے دو مجھ کو

تلواروں کو چمکا کے ستمگر یہ پکارے
دشوار ہے جانا کہیں قابو سے ہمارے
ہم کیا کریں مرتے ہو اگر پیاس کے مارے
یہ خشک گلا کاٹیں گے دریا کے کنارے
زہرا کی بہو ظلم اسیری کے سہے گی
زینبؑ کے سرِ پاک پہ چادر نہ رہے گی

کی بے ادبوں نے جو یہ اعلان پہ تقریر
سر تا بقدم کانپ گئے حضرتِ شبیر
کس قہر سے دیکھا طرفِ لشکرِ بے پیر
بل آگیا ابرو پہ اُٹھنے لگی شمشیر
غیرت سے یہ تھا غیظ شجاعِ ازلی کو
جس طرح جلال آیا تھا خیبر میں علیؑ کو

نعرہ کیا غازی نے کہ اے لشکرِ اظلم
کلمہ یہ نہ تھا خنجرِ خونریز سے کچھ کم
وہ زخم لگا دل پہ کہ جس کا نہیں مرہم
چھینو گے ردا اس کی جو ہے ثانیِ مریم
منہ پر مرے کرتے ہو سخن بے ادبی کے
مجبور سمجھتے ہو نواسے کو نبیؐ کے

ہے شرط کہ اس تیز زبانی کی سزا دوں
دوزخ کے زبانہ سے زبانوں کو جلا دوں
انداز قیامت کے تلاطم کا دکھا دوں
گیتی کو اُلٹ دوں ابھی گردوں کو ہلا دوں
بجلی وہ گرے گی کہ بہت یاد کرو گے
جل جاؤ گے زینب پہ جو بیداد کرو گے

کہکر یہ سخن کھینچ لی شمشیرِ شرر افشاں
پرتو سے ہوا اسب ورق خاک زر افشاں
ہر صف پہ گری کوند کے برقِ شرر افشاں
چھینٹوں سے ہوئی خوں کی ہر اک سپر افشاں
قرباں ہوئے خونخوار دمِ تیغِ دو دم پر
ہر جسم نے سر رکھ دیا حضرت کے قدم پہ

جس صف پہ چمک کر گری گھمسان کر آئی
جمعیتِ اعدا کو پریشان کر آئی
لشکر کے زرہ پوشوں کو بیجان کر آئی
چار آئینہ والوں کو بھی حیران کر آئی
نکلی وہ اجل بن کے جو شمشیر کی صورت
ایک ایک کا منہ تکتا تھا تصویر کی صورت

ناگن سی گئی فوج کو مسمار کر آئی
جو جو تھے لبِ نہر انھیں فی النار کر آئی
ساحر کو فنا مست کو ہشیار کر آئی
جس موذی نے لی بل کی اسے مار کر آئی
سرسبز تھی لاکھوں میں یہ اقبال تھا اس کا
تھا جسم کبود اور دہن لال تھا اس کا

نوکوں سے ہراک چشم کو بے نور کرآئی
شعلوں سے ہراک جسم کو تنوّر کرآئی
گرمائے جو کافر انھیں کافور کرآئی
نزدیک گئی جسم کے سر دور کرآئی
چلتی تھی سموم غضب اس فوجِ شقی پر
کب آئی گئی کب یہ نہ کھلتا تھا کسی پر

جو بڑھتا تھا شمشیر بکف فوج کے دل سے
شانے کو قلم کرکے نکلتی تھی بغل سے
سر پر کوئی ہوتا تھا نہ اس برقِ اجل سے
غل تھا کہ عجب پھول کھلے تیغ کے پھل سے
زخموں سے یہ تھا رنگ لعینوں کے بدن کا
ہوتا تھا گماں ہر شجر قد پہ چمن کا

گرتی تھی پیاپے جو لعینوں پہ وہ شمشیر
نیزے نہ اٹھاتے تھے سر اپنا کسی تدبیر
دہشت سے کمانیں تھیں خمیدہ صفتِ پیر
پر دار تھے ہر چند پہ اڑ سکتے نہ تھے تیر
روپوش جو ڈھالیں غضب دوش ہوئی تھیں
تلواریں بھی جوہر سے زرہ پوش ہوئی تھیں

ڈھالوں پہ سواروں کی وہ صمصام نہ ٹھہری
بجلی سی میانِ سپہ شام نہ ٹھہری
زیر زرہ جسم بد انجام نہ ٹھہری
اللہ ری روانی کہ تہِ دام نہ ٹھہری
دریا کو بھی اس طرح کا چالاک نہ دیکھا
ایسا کسی مچھلی کو بھی تیراک نہ دیکھا

کاٹی کبھی ڈھال اور کبھی شمشیر کو کاٹا
گہہ خود سرِ ظالم بے پیر کو کاٹا
پھر کر کبھی نیزے کو کبھی تیر کو کاٹا
چلہ کبھی کاٹا کبھی زہ گیر کو کاٹا
لڑنے سے خطا کاروں کے جی چھوٹ گئے تھے
فولادی کمانوں کے بھی دل ٹوٹ گئے تھے

چلّوں میں جو ناوک کوئی صف جوڑ کے نکلی
نعرے یہ قیامت کے ادھر چھوڑ کے نکلی
سارے قدر اندازوں کے منہ موڑ کے نکلی
سر کاٹ کے خوں چاٹ کے دل توڑ کے نکلی
پیہم جو خطائیں ہوئیں ناوک فگنوں سے
روحیں بھی ہوا ہوگئیں چلّا کے تنوں سے

شہباز سے نظروں میں جسے تول کے آئی
اک دم میں وہیں ظالموں کو رول کے آئی
غل ہونے لگا بیچ میں جس غول کے آئی
لو مرگِ مفاجات دہن کھول کے آئی
خونریزیِ کفار کا عہدہ ہے اسی کو
بے ذبح کئے اب یہ نہ چھوڑے گی کسی کو

قبضہ پہ نہیں تاج سر فتح و ظفر ہے
مشکل ہے پناہ اس سے کہ یہ موت کا گھر ہے
ناپوں کا نشاں جادۂ صحرائے نظر ہے
ہے بحر بھی چکر میں عجب طرح کا بر ہے
پیتے ہیں لہو دل کا وہ پیشے ہیں بلا کے
جوہر میں نہیں حرف ہیں سیفی کی دعا کے

لشکر میں جدھر جاتی تھی بجلی سی چمک کر
بس جاتے تھے مر جاتے تھے نامرد دبک کر
گرتی تھی لپک کر تو پھر اٹھتی تھی بھپک کر
کیا آفت دوراں تھی کہ تھا چرخ کو چکر
تھا شور کہ سر کے رہو باڑھ اس کی کڑی ہے
کٹتے ہیں جگر چال ہے یا تیز چھری ہے

یہ ضرب تہمتن سے اٹھائی نہیں جاتی
رستم سے بھی چوٹ اس کی بچائی نہیں جاتی
جیسی یہ بلا جان پہ آئی نہیں جاتی
خوں پی گئی اور منہ کی صفائی نہیں جاتی
کاٹا ہے رسالوں کو فلک زیر و زبر ہیں
حیواں کو بھی کھا جاتی ہے پھر یہ تو بشر ہیں

ڈالا تھا عجب تہلکہ بجلی کی چمک نے
ڈھانپا تھا بدن ڈر کے چھلنے میں سمک نے
روکے تھے ادھر تن فلک مہر فلک نے
کرسی کو سنبھالا تھا ادھر فوج ملک نے
غل تھا کہ نہ یہ صاعقہ رکنے سے رکے گا
اب صور سرافیل کوئی دم میں پھلے گا

چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ
ہر ہاتھ میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
چم خم کا جدا رنگ تھا کس بل کا جدا رنگ
لب سرخ دہن صاف بدن گول ہرا رنگ
تھا شور کہ چل پھر میں نئی جلوہ گری ہے
دیوانو اسے تیغ نہ سمجھو یہ پری ہے

ہر طائر جاں کے لئے صیاد ہے یہ تیغ
لاکھوں کو کیا ذبح وہ جلاد ہے یہ تیغ
سفاکی میں بجلی کی بھی استاد ہے یہ تیغ
گردوں کو جلا دے وہ پری زاد ہے یہ تیغ
مطلق نہیں فرق اس میں کچھ اور برق اجل میں
برسوں سے یہ رہتی ہے سلیماں کی بغل میں

جس غول میں وہ تیغ دودھاری نظر آئی
اک جدول خوں خاک پہ جاری نظر آئی
آتش میں صف لشکر ناری نظر آئی
حملوں میں قیامت کئی باری نظر آئی
وہ برق اڑاتی تھی جو ہر دم شرر اپنے
جبریل پس پشت چھپاتے تھے پر اپنے

ہوتے تھے جدا ضربتِ شمشیرِ دو سر سے
سر دوش سے تن روح سے چار آئینہ بر سے
دستانے کلائی سے کمربند کمر سے
ہاتھوں سے نشاں تیغ سے پھل پھول سپر سے
آگ آب میں تھی دم تنِ خاکی سے ہوا تھے
تھا کاٹ غضب کا کہ عناصر بھی جدا تھے

تلوار نے میداں سے جب اس فوج کو ٹالا
گھوڑے کی عناں روک کے ٹھہرے شہِ والا
خوں پونچھنے کو تیغ پہ دامن جو ہیں ڈالا
عزت ہوئی شمشیرِ دو پیکر کی دو بالا
توقیر ملی فیضِ امامِ ازلی سے
خلعت ہوا سر کا حسینؑ ابنِ علیؑ سے

گویا ہوئی تیغِ دو زبانِ اسداللہ
روکا مجھے کیوں آپ نے کیا قصد ہے یا شاہ
فرمایا کہ اے ہمدمِ ابنِ شہِ ذیجاہ
زخمی ہو جگر جس کا وہ کیا خاک لڑے آہ
اس دم ہے قلق سبطِ رسولِ عربیؐ کو
عرصہ ہوا دیکھا نہیں ہمشکلِ نبیؐ کو

دل روتا ہے برچھی سی کلیجے میں گڑی ہے
اک ایک گھڑی ہم پہ قیامت کی گھڑی ہے
بے دفن ہے فرزند ندامت یہ بڑی ہے
ہم جیتے ہیں اور دھوپ میں لاش اُن کی پڑی ہے
جنت میں کہا ہوگا یہ سلطانِ زمن سے
ماں باپ نے محروم رکھا گور و کفن سے

غم ہے کہ اسی وقت ہمیں موت نہ آئی
وہ مر گئے اور ہم نے بڑی دیر لگائی
منصف ہے کوئی کس کو دکھاؤں یہ لڑائی
جیتا نہیں عباسِ دلاور مرا بھائی
ٹوٹی ہے کمر آہ نکلتی ہے جگر سے
سیدھا ہوا جاتا نہیں زہرا کے پسر سے

اور اس کے سوا پیاس کی شدت نے ہے مارا
دو دن کے ہیں فاقے سے یداللہ کا پیارا
اس دکھ میں کیا تاب و تواں نے بھی کنارا
طاقت بھی نہ ہو جب تو کہاں جنگ کا یارا
حسرت ہے کہ کٹ جائے گا تیغِ جفا سے
اتنا بھی لڑا ہیں تو فقط حکمِ خدا سے

اے تیغ قریب آیا ہے اب عصر کا ہنگام
چھوڑے گا نماز اپنی نہ یہ بیکس و ناکام
سجدے میں جو ہوں ذبح تو ملے مجھے آرام
دل میں ہو یہی ذکر زباں پہ ہو یہی نام
تکبیر کی سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صدا ہو
رگ رگ سے مرے کلمۂ توحید ادا ہو

تیغ دو زباں سے یہ ابھی کہتے تھے شبیرؑ
جولا کہ لعیں ٹوٹ پڑے دست بشمشیر
شہ نے کہا حاضر ہوں میں ای لشکرِ بے پیر
ہاں شوق سے مارو مجھے تیغ و تبر و تیر
یہ تین شب و روز کا پیاسا نہ لڑے گا
اب تم سے محمدؐ کا نواسا نہ لڑے گا

یہ سنتے ہی گرد آ گئے سب برچھیوں والے
چلنے لگے سینے پہ ستمگاروں کے بھالے
تیغوں سے کٹا جسم بہے خون کے نالے
دوڑے سے شہِ لولاک کلیجے کو سنبھالے
کھولا پئے فریاد جو سر بنتِ نبیؐ نے
تیغوں میں سپر کر دیا سینے کو علیؑ نے

کس منھ سے کہوں صبر و رضائے شہِ ابرار
جاری تھے زباں پر کلمے شکر کے ہر بار
فرماتے تھے زخموں کی کچھ ایذا انہیں زنہار
بارانِ کرم ہے مجھے تیروں کی یہ بوچھار
کیا غم انھیں زخموں کا جو مشتاقِ اجل ہیں
تلواریں نہیں نخلِ شہادت کے یہ پھل ہیں

یارب تو غنی بندہ ہے اک بندۂ محتاج
تیری ہی عنایت سے ہوا خلق کا سرتاج
سر نذر کو دربار میں لایا ہے غلام آج
مقبول ہو ہدیہ تو ملے رتبۂ معراج
ہنگامِ تردد ہے مدد کیجیو مولا
یہ تحفۂ درویش نہ رد کیجیو مولا

رکھتا نہیں کچھ اور یہ کعبے کا مسافر
اک جاں ہے سو قرباں ہے اک سر ہے سو حاضر
اب تک میں تری راہ میں ہوں صابر و شاکر
بیکس پہ کرم کیجیو مولا دمِ آخر
سینے پہ مرے زانوئے قاتل نہ گراں ہو
خنجر کے تلے نام ترا وردِ زباں ہو

واقف نہیں اس مرحلۂ صعب سے شبیرؑ
تھراتا ہے سینے میں دل ای مالکِ تقدیر
پیاسا ہوں کئی روز سے ہیں بیکس و دلگیر
ان خشک رگوں پر کہیں رک جائے نہ شمشیر
مضطر مرا ہونا خللِ اندازِ ادب ہو
تڑپوں بشریت سے جو اس دم تو غضب ہو

بچپن میں ہوا تنگ جو کرتے کا گریباں
آنسو نکل آئے مرے رونے لگیں اماں
یارب وہ گریباں تھا یہ ہے خنجرِ براں
گو سخت ہے مشکل پہ کرے گا تو ہی آساں
یوں خنجرِ قاتل کی چلے دھار گلے پر
منھ ملتا ہے جیسے کوئی خونخوار گلے پر

آئی یہ ندا کان میں شاہِ شہدا کے
رحمت تجھے ای بندۂ مقبول خدا کے
قدسی ہیں ثنا خواں تری تسلیم و رضا کے
لے تاج شفاعت مری سرکار میں آکے
غمگیں نہ ہو ہم تجھ کو بہت شاد کریں گے
زیرِ دمِ خنجر تری امداد کریں گے

اب دیر نہ کر ای پسرِ مخبرِ صادق
جنت تری مشتاق ہی کوثر ترا شائق
معشوق کو منظور ہی خوشنودیِ عاشق
دینگے تجھے جو جو کہ ہیں سب تیرے لائق
تو دل سے فدا کرتا ہی سر راہِ خدا میں
ہدیہ ترا مقبول ہی درگاہِ خدا میں

رہ مطمئن ای فاطمہؓ کے نازوں کے پالے
امت ہی ترے نانا کی سب تیرے حوالے
مقبول ہیں ناجی ہیں ترے چاہنے والے
جنت کے گلستاں میں جسے چاہیے بلا لے
خالق نے غضب بھی تجھے بخشا ہی کرم بھی
دوزخ بھی ترا خلد بھی کوثر بھی ارم بھی

یہ مژدۂ جاں بخش جو ہاتف نے سنایا
خوش ہوکے سخی نے سرِ تسلیم جھکایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
محتاج نے سب کچھ تری درگاہ سے پایا
بندے کو سرافراز کیا تونے جہاں میں
رتبے وہ ملے جو کہ نہ تھے وہم و گماں میں

کہتے تھے یہ گردن کو جھکائے شہِ والا
ناگاہ لگا قلب پہ اک ظلم کا بھالا
سر نوکِ سناں نے طرفِ پشت نکالا
گرنے لگے مولا تو فرشتوں نے سنبھالا
پہونچا یہ ادھر حکمِ خدا روح امیں کو
اُلٹے نہ کہیں تھام لے شہپر سے زمیں کو

لگتی تھیں تنِ شہ پہ ادھر برچھیاں کاری
مثلِ گلِ تر خوں سے قبا سرخ تھی ساری
اک نور کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں ناری
ہر نے پہ جھکا جاتا تھا وہ عاشقِ باری
زخموں سے ٹپکتا تھا لہو دامنِ زیں پر
دامن سے رکابوں پہ رکابوں سے زمیں پر

تھامے تھے فلک خیمۂ گردوں کی طنابیں
صدمے سے لہو روتی تھیں تلواروں کی آبیں
چھوٹیں شہِ بیکس کے جو قدموں سے رکابیں
دوڑے حرم اُلٹے ہوئے چہروں کی نقابیں
تھا شور کہ ناموسِ پیمبر نکل آئے
بارہ قمر اک برج سے باہر نکل آئے

غل ہائے حسینا کا جو برپا ہوا اک بار
مڑتا تھا کہ شانے پہ چلی ظلم کی تلوار
زہرا کا پسر توسن چالاک پہ تڑپا
مقتل میں جو کوتل نظر آیا فرسِ شاہ
لو صاحبو ریتی پہ گرا فاطمہؓ کا ماہ
جلّادوں کا نرغہ ہے امامِ ازلی پر
آ کے تو بڑھی بنتِ علی چاک گریباں
بانو کے ادھر مادرِ قاسم بصد افغاں
چہرے پہ وہ ننھے سے دھرے ہاتھ سکینہؓ
سر پیٹتے ہاتھوں سے حرم رن میں جو آئے
غش تھے شہِ دیں نرگسی آنکھوں کو پھرائے
صدمہ تھا عجب نزع میں شاہِ شہدا پر
جب ذبح کو ہاتھ اپنا بڑھاتا تھا ستمگار
زانو پہ دھرے تھے سرِ شہِ احمد مختار
کہتے تھے نہ کر ظلم امامِ ازلی پر
سر پیٹ کے زینبؑ اُدھر سے یہ پکارا
کہہ دیجیے زندہ ہو اگر آپ کا پیارا
اک دم کے لیے شمر ستمگار جو ہٹ جائے
فرما کے یہ آگے جو بڑھی زینبِ دلگیر
چلّانے لگی رو کے یہ جب دخترِ شبیرؑ
ہوتی ہوں یتیم اشک بہانا نہیں ملتا

خیمے کو لگے دیکھنے مڑ کر شہِ ابرار
پہلو پہ تبر سر پہ لگا گرزِ گرانبار
گر کر گھرِ تاجِ علی خاک پہ تڑپا
سر پیٹ کے چلّانے لگی بنتِ یداللہ
گھر صاحبِ معراج کا تاراج ہوا آہ
سب مل کے چلو لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر
پیچھے چلی زہراؑ کی بہو با سرِ عریاں
کلثوم اُدھر منہ پہ کیے بال پریشاں
ٹوپی کو اُتارے ہوئے تھی ساتھ سکینہؓ
دیکھی وہ قیامت کہ نہ اللہ دکھائے
بیٹھا تھا لعیں سینے کو زانو سے دبائے
ٹوٹا تھا پہاڑ آئینۂ نورِ خدا پر
خنجر سے لپٹ جاتی تھی زہراؑ جگر افگار
رومال سے ڈھانپے تھے گلا حیدرِ کرّار
ہے حلقِ نبی حلقِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر
بابا مرے بھائی کو بچا لیجیے خدارا
آئی ہے بہن دیکھنے دیدار تمہارا
پُرخستہ جگر دوڑ کے چھاتی سے لپٹ جائے
تلواریں لیے راہ میں حائل ہوئے بے پیر
بابا مرا کچھ بس نہیں اب کیا کروں تدبیر
نزدیک ہیں آپ اور مجھے آنا نہیں ملتا

بابا کہو کیا دل پہ گزرتی ہے تمہارے
صدقے گئی جیتے ہو کہ دنیا سے سدھارے
بولو نہیں اب غم سے جگر پھٹتا ہے میرا

رن سے یہ صدا دی جو امامِ دوسرا نے
اعدا کو لگی ننھے سے ہاتھوں سے ہٹانے
مقتل میں سکینہ کو یہ ساماں نظر آیا

چلائی کہ ہے ہے شہِ والا کا یہ سر ہے
ماتم کرو لوگو مرے شیدا کا یہ سر ہے
میں لٹ گئی دنیا سے سفر کر گئے بابا

ہے ہے مرے بابا کا لہو کس نے بہایا
ہے ہے مرے بچپن پہ ذرا رحم نہ کھایا
یہ خشک گلا کون سے خونخوار نے کاٹا

بابا نہیں ملنے کا تم اب جاؤ سکینہ
یاں روح پہ صدمہ ہے نہ چلاؤ سکینہ
فردوس سے لینے کو تمہیں آئیں گے بی بی

سن سن کے یہ تقریر سرِ سیدِ ابرار
مقتل سے چلے جب تو صدا آئی پھر اک بار
لختِ جگرِ شاہِ مدینہ کو بچانا

رانڈیں تو گئیں خیمے میں چہروں پہ ملے خاک
خاموش اٹھیں اب کہ جگر غم سے ہوا خاک
سیری ہوئی اس پر بھی نہ کچھ فوجِ شقی کو

نکلی تو نہیں منہ سے زباں پیاس کے مارے
آواز نہ دی ہم نے تمہیں دو بار پکارے
حضرت نے صدا دی کہ گلا کٹتا ہے میرا

منہ پیٹ لیا دخترِ شاہِ شہدا نے
گل کر دیا اس شمعِ امامت کو قضا نے
نیزے پہ سرِ سرورِ ذیشاں نظر آیا

آلودۂ خوں دلبرِ زہرا کا یہ سر ہے
سر کھول دو اماں مرے بابا کا یہ سر ہے
ہے ہے ابھی کٹوا کے گلا مر گئے بابا

ہے ہے مجھے کس نے مرے عاشق سے چھڑایا
ہے ہے مرے سر پر سے اٹھا باپ کا سایا
آئی یہ صدا شمرِ ستمگار نے کاٹا

جلاد کھڑے ہیں نہ ادھر آؤ سکینہ
ہم جلد بلا لیں گے نہ گھبراؤ سکینہ
یہ ہجر کے دن جلد گزر جائیں گے بی بی

سر ہاتھوں سے پیٹے حرمِ احمدِ مختار
فوج آتی ہے زینبؑ مری بیٹی سے خبردار
ظالم کے طمانچوں سے سکینہ کو بچانا

یاں لٹنے لگی سیدِ مظلوم کی پوشاک
تھرا گئے صدمے سے کفن میں شہِ لولاک
پامال کیا لاشِ حسین ابنِ علیؑ کو

مرثیہ (۵)

مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی
اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی
روشن چراغِ مہر سے بزمِ جہاں ہوئی
اعدا میں فکرِ قتلِ امامِ زماں ہوئی
نیزے سنبھالے تیغ و سپر باندھنے لگے
آلِ نبیؐ کے خوں پہ کمر باندھنے لگے

رکھا کسی نے خود کو سر پر بعزمِ جنگ
خنجر سجا کمر میں کسی نے چٹا کے سنگ
پہنی زرہ کسی نے پہن کر قبائے تنگ
بولا زہِ کماں میں کوئی جوڑ کر خدنگ
چٹکی سے میرے تیر یہ جس دم روانہ ہو
پیشانیِ حسینؑ الٰہی نشانہ ہو

نیزہ ہلا کے کوئی یہ کرتا تھا گفتگو
اس پر علم کروں گا سرِ شاہِ نیکخو
کہتا تھا تیغ تول کے یوں کوئی کینہ جو
ہے آب اس کی اور شہِ لب تشنہ کا گلو
چن چن کے آج آلِ پیمبرؐ کو ماریئے
برچھی سے لاکھ میں علی اکبرؑ کو ماریئے

گرزِ گراں لیے کوئی کرتا تھا یہ سخن
ہے اس کی ضرب اور سرِ نوبادۂ حسنؑ
تھا اس طرح کمند لیے کوئی لاف زن
باندھوں گا اس سے گردنِ عباسِ صف شکن
ہرگز نہ دوں گا مہلتِ جنگ اس دلیر کو
جیتا پکڑ کے لاؤں گا شیروں کے شیر کو

دستانوں کو پہن کے یہ کہتا تھا کوئی بات
بھرنے ہیں خونِ آلِ محمدؐ میں آج ہات
اور سج کے چار آئینہ کوئی زبوں صفات
کہتا تھا جب لڑیں گے شہنشاہِ کائنات
مجروح ہوں گے پہلے ہی وہ میرے وار سے
اس پر نہ خط پڑے گا کبھی ذوالفقار سے

چمکا کے اسپ کو کوئی کرتا تھا یہ کلام
سنتا ہوں ہے قلیل بہت لشکرِ امام
کیوں اس قدر ہیں خوف زدہ ساکنانِ شام
واللہ راہواروں کی جس وقت لیں لگام
اک دم میں جا پڑیں گے یہ بجلی سے کوند کر
پیاسوں کو مار ڈالیں گے ٹاپوں سے روند کر

کہتا تھا کوئی اُس سے کرو ہی زباں کو بند
اللہ کو غرور کی باتیں نہیں پسند
مقدور پر بھی عجز ہی کرتے ہیں ہوشمند
لرزاں ہو مارے خوف کے اپنا تو بند بند
جنگ اُس سے ہے جو سبطِ رسالت پناہ ہے
سیّد ہے ابنِ فاطمہ ہے بے گناہ ہے

ہم تم ہیں جس طرف ہے اُدھر فوج لا تعد
چاروں طرف سے اُس پہ چلی آتی ہے مدد
حیدر ہے جس کا باپ محمدؐ ہے جس کا جد
اُس کو جواں ملے ہیں بہتر بجبد و کد
ناحق ہے اُس پہ ظلم جدھر حق ثبوت ہے
غیرت کی یہ جگہ ہے مقامِ سکوت ہے

کچھ مرضیٔ خدا میں نہیں جائے دم زدن
ناتا ہو جس امام کا محبوبِ ذوالمنن
افسوس ہے کہاں وہ کہاں کربلا کا بن
خاصانِ حق ہی سہتے ہیں رنج و غم و محن
شاید خدا کو بیکسی اس کی پسند ہے
کھانے کا ذکر کیا ہے کہ پانی بھی بند ہے

بچوں کو مارے پیاس کے آتے ہیں غش پہ غش
دو دن سے اہلبیت میں ہے شورِ العطش
ہیں بیعتِ یزید سے حضرت کنارہ کش
مرنے پہ مستعد ہیں جوانانِ ماہ وش
راکب جو اُن کے تیرِ الم کے نشانہ ہیں
گھوڑے بھی تین روز سے بے آب و دانہ ہیں

اعجاز ہے فقط جو کرو منصفی سے غور
ہرگز قدم ٹھہرتے نہ ہوتا کوئی جو اور
ہے کس قدر تعدّی و ظلم و جفا و جور
پر ایں وہی جو ان بزرگوں کا تھا جو طور
پیاسے نہ سمجھو حکم کی آقا کے دیر ہے
شہ کی قلیل فوج میں ایک ایک شیر ہے

اُن سب کی ضربِ تیغ سے دشوار ہے اماں
مکّی و ہاشمی و قریشی ہیں یہ جواں
غازی ہیں سرفروش ہیں کیا خُرد کیا کلاں
وہ حملہ ور ہوئے تو یہ انبوہ پھر کہاں
دیکھو ہی گے جو خوف کے مارے نہ مر گئے
لاکھوں سوار کیا ہوئے پیدل کدھر گئے

یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی یک بیک خبر
خیمے سے بہرِ جنگ برآمد ہوا عمر
سرکردہ ہائے فوج نے صف اپنی باندھ کر
مجرا کیا شقی کو ادب سے جھکا کے سر
میداں میں سرکشی جو ہر اک نے پسند کی
ایک ایک پر لعیں نے نوازش دوچند کی

نیزہ دیا کسی کو تو برچھی کسی کو دی　　بخشی کسی جوان کو شمشیر قیمتی
تیر و کماں منگا کے کسی کو حوالے کی　　بخشا کسی کو دشنہ و خنجر بصد خوشی
جو نامور تھے فوج میں ان کو علم دیئے　　پیدل جو تھے انھیں فرس خوش قدم دیئے
سمجھا کے ایک ایک کو کیا کیا دئے کہا　　تم غازیوں کو آج ہے شیروں کا سامنا
حاکم کا چاہیئے کرو حق نمک ادا　　پیچھے ہٹے نہ پاؤں کسی کا دم وغا
جو جس کو مارے حکم یہ بے اختلاف ہے　　اس کا سلاح و اسپ اسی کو معاف ہے

اور دوسرے کرو گے جو تم اس مہم کو سر　　لوٹیں گے چل کے خیمۂ سلطان بحر و بر
واللہ یزدجرد کی بیٹی کا ہے وہ گھر　　بے حد و بے حساب ملے گا متاع و زر
لینے کا اس کے کچھ نہیں ہم کو خیال ہے　　سب بانٹ لیجیو وہ تمہارا ہی مال ہے

زہرا کی بیٹیاں ہیں غریب و شکستہ حال　　دنیا کا ان کے پاس نہیں کچھ متاع و مال
ان کا وہی ہے حال جو تھا فاطمہؓ کا حال　　پر تم کچھ ان کے پردے کا مت کیجیو خیال
حیدر کی دیں جو دہائی کہ روئیں پکار کے　　لے آنا ان کے سر سے ردائیں اتار کے

یہ کہہ کے فوج کا وہ لگا کرنے بندوبست　　منظور اس کو فوج حسینی کی تھی شکست
ہموار ہوگئی جو زمیں تھی بلند و پست　　آگے بڑھائے چن کے جوانان تیز دست
چاؤش دل بڑھانے لگے نوجوانوں کے　　اڑنے لگے ہوا سے پھریرے نشانوں کے

تیغیں کھنچیں نیام سے نیزے ہوئے علم　　طبل وغا پہ لگنے لگی ضرب دم بدم
کوس و دف و جلاجل و قرنا بجے بہم　　تا گنبد فلک گئی آواز زیر و بم
سنکر یہ شور شہ نے کہا کردگار شکر　　نوبت ہمارے قتل کی پہونچی ہزار شکر

ناموس مصطفیٰ نے سنی جبکہ یہ صدا　　رعشہ ہوا کسی کو کسی کو غش آگیا
زینبؑ نے پوچھا اے پسر شاہ لافتا　　یہ کیا بجا کہ ہوش ہمارے نہیں بجا
اک چوٹ سی لگی ہے مرے دل پہ درد ہے　　کیا تم سے اہل شام کو قصد نبرد ہے

کیا روح مصطفےٰ کا نہیں ظالموں کو ڈر
کیا ہم پہ دست ظلم اُٹھا دیں گے اہل شر
کیا فاطمہؑ کے رتبے کی اُن کو نہیں خبر
فریادی ہونگی عرش کے نیچے وہ ننگے سر
پانی تو بند کر چکے احمدؐ کی آل پر
سمجھیں تو جائے رحم ہے پیاسوں کے حال پر

شہ نے کہا کہ تشنۂ خوں ہیں مرے عدو
راضی ہوں اہل ظلم بہادیں مرا لہو
جز شکر حق کروں گا نہ کچھ اور گفتگو
سینہ ہے اور تیر ہے خنجر ہے اور گلو
مسلم کو جب سنا تھا لعیں قتل کر چکے
سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اُسی روز مر چکے

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہ تشنہ کام
باہر سے آئے اتنے میں عباسؑ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
میداں میں ہو چکی ہے صف آرا سپاہ شام
اب رخصت حرم ہیں نہ تاخیر کیجیے
میداں میں چل کے جنگ کی تدبیر کیجیے

پوشاک پہنی شہ نے یہ سُنکر بصد شتاب
تیغ علیؑ کمر سے لگائی باآب و تاب
اس دم عجب ہوا دل زینبؑ کو اضطراب
عباسؑ سے یہ آنسو بہا کر کیا خطاب
بھیا تمھیں تو ہوگی خبر جتنی فوج ہے
کتنے جواں اُدھر ہیں ادھر کتنی فوج ہے

عباسؑ نے کہا کہ نہ پوچھو کچھ اے بہن
کتنی بتاؤں فوج اُدھر ہیں چھ لاکھ تن
دو لاکھ نیزہ دار ہیں دو لاکھ تیغ زن
اور ہوں گے دو ہی لاکھ کماندار صف شکن
سب آزمودہ کار قوی تر جوان ہیں
اور کلہم ادھر تو بہتر جوان ہیں

واللہ اس طرف کے بہتر بھی تھے نہ کم
پر تین دن کی پیاس سے اِن میں نہیں ہے دم
پانی کسی طرح جو پہونچتا انھیں بہم
لاتا نہ ان کی تاب کبھی لشکر ستم
یہ سُن کے بنت فاطمہؑ کی چھاتی پھٹ گئی
پھیلا کے ہاتھ شہ کے گلے سے لپٹ گئی

لگ کر گلے سے بھائی بہن روئے زار زار
واغربتا کی اہل حرم میں ہوئی پکار
فرما کے الوداع سے چلے شاہ باوقار
بنت علیؑ نے کھول کے تب سر کو ایکبار
کی یہ دُعا کریم مجھے شاد کیجیو
اس لشکر قلیل کی امداد کیجیو

ہر اک کی ہے معین و مددگار تیری ذات
بے ریب و بےگماں ہے تو حلّالِ مشکلات
اک آن میں خلیل کو آتش سے دی نجات
مشہور ہاجرہ کے ہے بیٹے کی واردات
گھیرا ہے سرکشوں نے شہِ باکمال کو
یارب بچا لے فاطمہ زہراؑ کے لال کو

حق سے دعا یہ کرتی تھی زینب جگر کباب
خیمے سے آئے ڈیوڑھی پہ حضرت بصد شتاب
ہونے لگا سوار جو وہ مالک الرّقاب
تھامی بفخر حضرتِ عباسؑ نے رکاب
آئی صدا بتولؑ کی کیوں بے قرار ہو
اس شاہ کم سپاہ پہ مادر نثار ہو

گھوڑے پہ دیکھ کر شہِ مظلوم کو سوار
بوسے قدم پہ دینے لگے آ کے جاں نثار
رن کی طرف قدم جو اٹھاتا تھا راہوار
ملتے تھے واں کی خاک کو آنکھوں سے باربار
پیاسے تھے پر دلوں میں شجاعت کے جوش تھے
کیا حسنِ اعتقاد تھے کیا سرفروش تھے

ثابت قدم تھے راہِ خدا میں وہ خوش نہاد
آقا پہ ہوں نثار یہی اُن کی تھی مراد
اک ایک تھا نویدِ شہادت سے شاد شاد
کچھ یاد تھا کسی کو نہ غیر از خدا کی یاد
کیونکر بہکتے بادۂ عرفاں سے مست تھے
واللہ حق یہ ہے کہ وہی حق پرست تھے

جب وادیِ نبرد میں اُن کا ہوا ورود
پڑھنے لگے ملائکۂ آسماں درود
اُن تھوڑے سے سواروں کی اللہ ری نمود
مانندِ بید خوف سے لرزاں ہوئے حسود
ہیبت سے خاکِ کرب و بلا زرد ہو گئی
شان و شکوہِ فوجِ ستم گرد ہو گئی

باندھے ہوئے سروں پہ عمامے وہ ذی شعور
حاضر تھے سر کٹانے کو سب شاہ کے حضور
پیشانیوں سے اُن کی عیاں تھا خدا کا نور
شہ کے مدامِ عشق سے آنکھوں میں تھا سرور
خوش رو تھے سب نمازی تھے شیریں کلام تھے
دانا تھے متقی تھے مطیعِ امام تھے

شہ کے عزیز حسن میں یوسف سے تھے دوچند
انجم کو جن کے چہروں پہ گردوں کرے سپند
ہوتی تھی چشمِ مہر بھی دیکھے سے جن کے بند
اک اک جواں کو پیرِ فلک نے کیا پسند
یوسف کا اُن کے سامنے بازار سرد تھا
اِک اِک جواں جریدۂ عالم میں فرد تھا

کم سن کئی جو لڑکے تھے اُن سب کا تھا یہ حال
چہرے خوشی سے جنگ کی جوں گل تھے لال لال
ابرو کشیدہ چھوٹے ہوئے گیسوؤں کے بال
رخسار رشکِ ماہِ چار دہم کہئے بے زوال
مطلب یہ اُن کا تھا کہ ابھی سب کنارے ہوں
میدانِ جنگ میں ہمیں پہلے اتارے ہوں

عباسؑ نامور کی کہوں کیا شکوہ و شان
ہاتھوں میں اُس کے فوجِ حسینی کا تھا نشان
بالا قد و سمندِ فلک سیر زیر ران
یکتائے روزگار تھا وہ ہاشمی جوان
غازی تھا صف شکن تھا شجاعت شعار تھا
چہرے سے رعبِ مرتضوی آشکار تھا

گھوڑے پہ اک طرف علی اکبرؑ سا ماہ رو
تصویر تھا رسولِ خدا کی وہ ہو بہو
دادا کا زور خلق چچا کا، پدر کی خو
گل سا جمال عطر فشاں زلفِ مشکبو
کب یہ فروغ ہوتا ہے خورشید و ماہ میں
روشن تھی شمعِ نورِ خدا بزم گاہ میں

قاسمؑ پہ طرفہ باغِ جوانی کی تھی بہار
سنبل سی زلفیں سرو سا قد پھول سے عذار
آنکھیں وہ جن پہ کیجئے نرگس کو بھی نثار
نازک لباس قدرِ رگِ گل جن کے آگے خار
بے وجہ منہ نہ سُرخ تھا اُس جاں فروش کا
لختِ جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

تھے کس شکوہ سے پسرِ زینبؑ حزیں
شدت سے پیار کرتے تھے اُن کو امامِ دیں
اک جانبِ یسار تھا اک جانبِ یمیں
حضرت کے منہ کو تکتے تھے وہ دونوں مہ جبیں
انصار کہتے تھے شہِ گردوں جناب کے
دو چاند پہلوؤں میں ہیں اک آفتاب کے

اُس آفتابِ دین کی ہو توصیف کیا رقم
کانِ سخا و بحرِ عطا مخزنِ کرم
مقبولِ حق امامِ زماں شافعِ امم
بیکس غریب حالِ رنج و غم و الم
لب خشک شکرِ حق سے مگر تر زبان تھی
زینبؑ کا تھا خیال سکینہ میں جان تھی

اُس وقت شہ سے حضرت عباسؑ نے کہا
ترتیبِ فوج کے لئے ہوتا ہے حکم کیا
ہر ایک چاہتا ہے کہ پہلے ہوں میں فدا
یہ سُن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ کربلا
فرمایا حق جل و علا بس کفیل ہے
کیا صف کشی کروں مرا لشکر قلیل ہے

تم اُن کے سامنے جو صف آرا ہوئے تو کیا
یاں تشنہ جواں نہیں ہیں اُدھر ہیں ہزار ہا
لیکن مجھے تو آج ہی مرنے سے مُدعا
جس طرح چاہو باندھ لو میدان میں پرا
پیچھے رہیں گے یاں قدم آگے بڑھائیں گے
سب آگے پیچھے ایک ہی منزل پہ جائیں گے

یہ سُن کے باندھی فوجِ حسینی نے اپنی صف
استادہ بیچ میں ہوا ابنِ شہِ نجف
اعدانے جوڑے تیر کمانوں میں اُس طرف
سینوں کو غازیوں نے اِدھر کر دیا ہدف
یہ ماجرا جو دیکھا تو حُر کو قلق ہوا
سینے میں دِل اُچھلنے لگا رنگ فق ہوا

مَل مَل کے ہاتھ کہتا تھا نادم ہوں میں کمال
تدبیر کیا کروں کہ بچے فاطمہؓ کا لال
کیوں روکا میں نے آہ کدھر تھا مرا خیال
شہ کو ستم گروں سے رہائی ہے اب محال
روکے سے میرے جا نہ سکا سبطِ مصطفےٰ
میرے سبب بلا میں پھنسا سبطِ مصطفےٰ

یہ دِل میں اپنے کہتا گیا وہ عمر کے پاس
اُس نے کہا کہ کس لیے اتنا ہے بے حواس
حُر نے دیا جواب ذرا دل میں کر قیاس
ہے کچھ بھی مصطفےٰ و بتولؑ و علیؑ کا پاس
وہ کون ہے رسولؐ کا جس سے لڑائی ہے
جی میں ذرا سمجھ کہ یہ کس سے لڑائی ہے

کھینچیں ہیں کیوں کمانیں یہ کس پہ چلیں گے تیر
زخمی محمدِ عربی ہوگا اے امیر
فرزندِ مرتضےٰ ہے دو عالم کا دستگیر
بنتِ رسولِؐ پاک کا اُس نے پیا ہے شیر
اُس پر ستم نہ ہوگا گوارا رسولؐ کو
مارا اُسے تو جان کہ مارا رسولؐ کو

تب اُس لعیں نے چیں بجبیں ہو کے یہ کہا
حاکم سے جو بنی ہو تجھے کام اُس سے کیا
اے حُر ہمارا دوست ہے تو یا حسینؑ کا
اُس نے کہا جو کلمۂ حق تھا سو کہہ دیا
کیوں روکتا جو ہوتا نہ دُشمن امام کا
احسانمند ہوں مگر اُس تشنہ کام کا

روکا تھا میں نے اُس شہِ عالی ہمم کو جب
اُس دن تھا میں بھی اور مرا لشکر بھی تشنہ لب
پانی کا کوسوں نام نہ تھا مضطرب تھے سب
اونٹوں سے چھاگلوں کو اُتارا اُسی نے تب
دریائے فیضِ ساقیِ کوثر دکھا دیا
گھوڑوں سمیت پیاسوں کو پانی پلا دیا

ہرگز نہ قحطِ آب کا گزرا اُسے خیال
سونچا نہ یہ کہ ساتھ ہیں اطفالِ خردسال
واللہ بحرِ جود و سخا ہی نبیؐ کی آل
ایسے سخی سے ہو مجھے کیونکر نہ انفعال
وہ پانی ساتھ ہوتا جو اُس حق شناس کے
بچّے تڑپتے خیمے میں کیوں مارے پیاس کے

احسان یہ نہ بھولوں گا جب تک ہی دم میں دم
بے جرم و بے گناہ ہی وہ صاحبِ کرم
واں حُر کا یہ کلام تھا اور یاں بچشمِ نم
اکبرؑ یہ شہ سے کہتے تھے ای شافعِ امم
حُر مانگتا ہی اذن عمر سے لڑائی کا
بندے کو اس سے حکم ہو تیغ آزمائی کا

شہ مسکرا کے کہنے لگے ای پدر کی جان
حُر کی طرف سے کیجیو ہرگز نہ یہ گمان
اِن دُشمنوں میں دوست مرا ہی یہی جواں
کرتا ہی وہ عمر سے فضائل مرے بیاں
گمراہ آگے تھا وہ پر اب رو براہ ہی
حُر سے بدی نہ ہوگی مرا خیر خواہ ہی

پر ابنِ سعد اُس کی نہیں ماننے کا بات
آئے گا میرے پاس اُدھر سے وہ خوش صفات
مَت روکنا ہی خاطرِ مہماں ز واجبات
دُشمن سمجھ کے کوئی اُٹھاوے نہ اُس پہ ہات
کمتی تھی بس اسی کی ہماری سپاہ میں
پہلے شہید ہوگا یہی حق کی راہ میں

فرماتے تھے یہ شاہ کہ اُٹھی زمیں سے گرد
دہشت سے ہوگیا رُخِ ہر سپہر زرد
سمجھے رفیقِ شہ کوئی آیا پئے نبرد
بہرِ ستیز ہوگیا آمادہ فرد فرد
دیکھا تو کہتا آتا ہی کوئی پناہ دو
سبطِ رسولؐ تک مجھے جانے کی راہ دو

اکبرؑ نے دی صدا کوئی ہونا نہ سدِّ راہ
پاسِ ادب سے رہ گئے ششدر رفیقِ شاہ
حُر اُترا اپنے گھوڑے سے مابینِ رزمگاہ
سر کو جھکائے ہاتھوں کو باندھے باشکِ آہ
دِل اُس جری کا دولتِ دنیا سے ہٹ گیا
قدموں سے ذوالجناح کے آکر لپٹ گیا

آنکھیں سموں سے ملتا تھا رو رو کے بار بار
کہتا تھا ای شفیعِ دو عالم کے یادگار
تقصیر وار ہی یہ غلام سیاہ کار
تقصیر میں ہی بندے کی آقا کو اختیار
جو دیجیے سزا وہ مرے حق میں ہی نہیں
ایسا گنہ کیا ہی کہ کچھ جس کی حد نہیں

پڑھیں کریم ابنِ کریم آپ بے گماں
ہادی و بندہ پرور و آقائے دوجہاں
اے شاہ جرم پوش و خطا بخشِ عاصیاں
بخشا نہ آپ نے تو ٹھکانا مرا کہاں
اِس آستاں سے منہ بنہیں جاں پناہ کی
توبہ قبول کیجیے اِس روسیاہ کی

حُر سے یہ سن کے رونے لگے شاہِ کربلا
آئی جنابِ فاطمہ زہرا کی یہ صدا
مادر ترے نثار ہو اے ابنِ مرتضیٰ
حر ہے تمہارے گھوڑے کے قدموں پہ لوٹتا
یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم اس سے صاف ہو
صدقے گئی قصور اب اس کا معاف ہو

ماں کی صدا یہ سُن کے ہوئے شاہ بے قرار
گھوڑے سے جلد کود پڑے روتے زار زار
حُر کو اُٹھایا خاک سے اللہ رے افتخار
چھاتی لگا لگا کے کیا خوب اُس کو پیار
فرمایا اب خوشی ہو عبث تو ملول ہے
واللہ پیشِ حق تری توبہ قبول ہے

اے حُر خدائے عزّ و جل کی مجھے قسم
تیرا ہی انتظار میں کرتا تھا دم بدم
گنتی میں میری فوج کی تھا ایک تو ہی کم
پہلے سے تیرا نام شہیدوں میں تھا رقم
یوں شاد ہوکے تجھ سے ہم اے باوفا ملے
بچھڑا ہوا عزیز کوئی جیسے آملے

یہ مرتبہ جو حُر کا ہر اک پہ عیاں ہوا
مہمانِ شہ سے ہم بغل اک اک جواں ہوا
رُتبہ یہ اپنا دیکھ کے حُر شادماں ہوا
تحسیں کا غل زمین سے تا آسماں ہوا
سب کہتے تھے یہ شخص عجب خوش نصیب ہے
دوزخ اب اس سے دور ہے جنت قریب ہے

قسمت نے اس کو راہِ ضلالت سے دی نجات
بے فضلِ حق کسی کو نہیں سوجھتی یہ بات
اب دامنِ حسینؑ ہے اور اس جواں کا ہات
مارا ابھی گرگیا تو ابد تک ملی حیات
عزت دوچند کیوں نہ ہو اس خیرخواہ کی
اُس نے تو دل میں فاطمہ زہرا کے راہ کی

اللہ رے اس جواں کے نصیبے کی یاوری
اصحابِ مصطفےٰ سے ہوئی اُن کو ہمسری
دینداری اختیار کی چھوڑی ستمگری
آکر ہوا شریک جو انانِ حیدری
عصیاں سے پاک خطِ عمل یک قلم ہوا
نام اس کا دفترِ شہدا میں رقم ہوا

یوں اُس طرف سے آیا اِدھر وہ نکو سرشت
دوزخ سے جس طرح کوئی جاوے سوئے بہشت
جتنے کیے تھے آج تلک اُس نے فعلِ زشت
وہ سب صواب ہوگئے اللہ ری سرنوشت
پرسش نہ ہوگی حشر کے دن بے حساب ہے
ذرّے سے کم تھا کل مگر آج آفتاب ہے

کیونکر نہ ایسے شخص کا عالی ہو مرتبا
عاشق ہوا ہے اُس کا جو ہے عاشقِ خدا
قسمت سے مل گیا اسے آقا حسینؑ سا
ورنہ کجا یہ اور پسرِ فاطمہؑ کجا
واللہ اس کو خوبیِ اعمال کہتے ہیں
بخت اِس کو کہتے ہیں اسے اقبال کہتے ہیں

کل تک تو تھا یہ داخلِ افواجِ روسیاہ
توفیقِ نیک آج ہوئی اس کی خضرِ راہ
یوں نکلا یہ خسوف سے جس طرح نکلے ماہ
خورشیدِ دیں کے سایۂ دامن میں لی پناہ
ذی ہوش تھا سمجھ کے خطا و صواب کو
تھاما سوارِ دوشِ نبیؐ کی رکاب کو

طالع نے خوابِ زشت سے اُس کو جگا دیا
دل نے نفاقِ کفر کا پردہ اُٹھا دیا
اقبال نے بہشت کا رستہ بتا دیا
آنکھوں نے جلوہ نورِ خدا کا دکھا دیا
جو راہِ راست تھی قدم اُس راہ پر گئے
کام اُس کے جتنے بگڑے ہوئے تھے سنور گئے

یہ وہ ہی تھا ہوا تھا جو حضرت کا سدِّ راہ
مظلومیِ امام پہ کی تھی نہ کچھ نگاہ
سرزد ہوا تھا اس سے عجب طرح کا گناہ
آیا ہے بہرِ معذرت اب یہ حضورِ شاہ
لطف و کرم ہے بات نہیں کچھ ملال کی
دیکھو رحیمی فاطمہ زہرا کے لال کی

کچھ دل میں ان کے ردّ و بدل کا نہیں خیال
مانندِ گل شگفتہ ہے زہراؑ کا نونہال
قلبِ امام صاف ہے آئینہ کی مثال
محتاج تھا مدد کا نہ یہ شاہِ خوش خصال
دیں پروری تو دیکھو تم اس باوقار کی
ہے یہ خوشی کہ راہِ خدا اختیار کی

یہ ذکر تھا فرشتوں میں بالائے آسماں
حُرؑ ہاتھ جوڑے شاہ سے کرتا تھا یہ بیاں
مطلب برآئے سب مرے اے سرورِ زماں
اب دو رضائے حرب تو میداں کو ہوں رواں
کوئی ابھی نہ مستعدِ کارزار ہو
اِن قدموں پہ غلام ہی پہلے نثار ہو

شہ نے کہا کہ حُر ابھی رخصت کا لے نہ نام | مہماں ہے کہ غریبوں کے گھر کوئی دن مقام
پر ہم تو تین دن سے ہیں بے آب بے طعام | کی عرض حُرؓ نے پاؤں پہ گر کر کہ یا امام
ہرگز تسلّی بیٹھنے سے میری نہ ہوئے گی | بے زخم کھائے اب مجھے سیری نہ ہوئے گی

منّت جو حُر نے کی بہت آنسو بہا بہا | روئے گلے لگا کے اُسے شاہِ کربلا
فضّہ نے آکے اتنے میں حضرت سے یہ کہا | در پر کھڑی ہیں حضرت زینبؓ برہنہ پا
پوچھا ہے یہ کہ بھائی جدا کس سے ہوتے ہو | یہ کون ہے کہ جس کے گلے لگ کے روتے ہو

یہ سُن کے حُر کو خیمے کی ڈیوڑھی پہ لائے شاہ | زینبؓ سے جا کے کہنے لگے یوں بااشک و آہ
بھینا وہ حُر ہوا تھا ہمارا جو سدِّ راہ | آیا ہے اب مدد کے لیئے ہو کے عذر خواہ
غازی ہے حق پرست ہے اور باتمیز ہے | وہ مجھ کو بھائیوں سے زیادہ عزیز ہے

ڈیوڑھی پہ ہاتھ جوڑے کھڑا ہے وہ جنتی | اُمیدوارِ عفوِ جرائم ہے تم سے بھی
بنتِ نبیؐ نے اس کی سفارش ہے مجھ سے کی | تب شاد ہو کے کہنے لگی دخترِ علیؑ
دونوں جہاں میں مرتبہ اس کا زیادہ ہو | میں اُس سے شاد ہوں مرا اللہ شاد ہو

جو ہے تمہارا دوست وہ ہے مجتبیٰ کا دوست | جو مجتبیٰ کا دوست ہے وہ مرتضیٰ کا دوست
جو مرتضیٰ کا دوست ہے وہ مصطفےٰ کا دوست | جو مصطفےٰ کا دوست ہے وہ ہے خدا کا دوست
راضی ہوئے علیؑ شہِ لولاک خوش ہوئے | حُر سے خدا و پنجتنِ پاک خوش ہوئے

حُر نے سُنا یہ حضرتِ زینبؑ کا جب کلام | یوں عرض کی کہ بندگی کرتا ہے یہ غلام
فضّہ سے تب یہ کہنے لگی خواہرِ امام | تو حُر سے جا کے بعد دعا کہہ مرا پیام
بھائی شریک تو جو ہوا میرے بھائی کا | دل تجھ سے شاد ہو گیا زہرا کی جائی کا

آنے سے تیرے شاد تو ہوں پر ہے ایک غم | مہمانی کیا کریں کہ ہیں محجوب تجھ سے ہم
بچوں کے مارے پیاس کے دم میں نہیں ہے دم | پانی بھی تین روز سے پہنچا نہیں بہم
یہ بیکسوں پہ ظلم خدا کا بھی ڈر نہیں | مہماں ہیں جن کے اُن کو ہماری خبر نہیں

یہ سُن کے حُر کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کہنے لگے کہ کیا کہوں اے میرے میہماں
اُس کی بھی مارے پیاس کے حالت تباہ ہے
اصغر کا حال حُر سے یہ کہتے تھے شاہِ دیں
بابا مرا بھی حال کہا حُر سے یا نہیں
عاشق ہوں اس کا میں یہ بہت تشنہ کام ہے
حُر نے کہا کہ اب نہیں میرے جگر میں تاب
رن کی بس اب غلام کو رخصت ملے شتاب
مقبولِ حق ہے کون تری عرض رد کرے
یہ مژدہ سُن کے شاد ہوا حُرِ نامدار
روئے امام بی بیاں بھی روئیں زار زار
لاکھوں تھے پر بجا نہ کسی کے حواس تھے
اللہ رے اُس دلیر کی فرّ و شکوہ و شاں
کہتا تھا کوئی حُر سے مشابہ ہے یہ جواں
کیا اس قدر فروغ تھا اُس کے جمال کا
یہ شور سُن کے فوج سے حُر نے کیا کلام
آقا مرا حسینؑ ہے حُر ہے مرا ہی نام
بے وجہ حُسن کا نہیں رُخ پر ظہور ہے
اور دوسرا سبب یہ ہے اے قومِ بے وفا
واللہ ابنِ فاطمہؑ ہے نورِ کبریا
معمور نورِ حق سے مرا سینہ ہو گیا

اصغرؑ کو لا کے گود میں تب سرورِ زماں
ہم سب تو اک طرف یہ جو بچہ ہے نیم جاں
میں کشتنی ہوں یہ تو بھلا بے گناہ ہے
جو دی سکینہؑ نے صدا بہ با دلِ حزیں
پوچھا جو اُس نے بولا یہ زہرا کا نازنیں
اے حُر سکینہ اس مری بیٹی کا نام ہے
اس صبر کے نثار میں اے ابنِ بوتراب
ناچار ہو کے شاہ نے اُس کو دیا جواب
جا بھائی تیری خالقِ عالم مدد کرے
حضرت کے گرد پھر کے ہوا گھوڑے پر سوار
پہونچا وہ مثلِ شیر بمیدانِ کارزار
آمد کو اُس کی دیکھ کے سب بدحواس تھے
ہیبت سے جس کی فوج میں تھا شورِ الاماں
بولا کوئی یہ شخص کہاں اور حُر کہاں
یہ تو کوئی عزیز ہے زہرا کے لال کا
مت سمجھو تم عزیز میں ہوں شاہ کا غلام
صورت پہ میری کیوں تمھیں حیرت کا ہے مقام
اے ساکنانِ شام یہ ایماں کا نور ہے
منھ اپنا میں نے شاہ کے قدموں پہ مل دیا
برتر ہو کیوں نہ اُس کے غلاموں کا مرتبا
تاثیرِ خاکِ پا سے دل آئینہ ہو گیا

یہ سن کے ابن سعد پکارا بصد ہراس
دشمن سے مل گیا نہ کیا کچھ نمک کا پاس
حر نے دیا جواب کہ ای مرد بے حواس
رکھتے ہیں پاس دین کو مقدم خدا شناس
کرتا ہی دشمنی تو جناب بتول سے
فاسق کے بدلے لڑتا ہی سبط رسول سے

واللہ گوشوارۂ عرش خدا ہی وہ
لاریب پارۂ جگر مصطفا ہی وہ
ریحانۂ ریاض شہ لافتا ہی وہ
نور دو چشم حضرت خیر النسا ہی وہ
مختار ہی جو روضۂ دار السلام کا
پاس یزید کرتا کہ پاس اس امام کا

ہی تجھکو کردیا طمع دنیوی نے کور
کھل جائے گا غرور و تکبر میان گور
ہوئے گا پاس غیر ندامت نہ زر نہ زور
پاس نمک نہ کرنے کا ہیرے عبث ہی شور
اب کیا بروز پرسش اعمال دیکھیو
میرا بھی رتبہ اپنا بھی تو حال دیکھیو

یہ سنتے ہی عمر نے کیا فوج سے خطاب
ہاں پہلے مار ڈالو اسے گھیر کر شتاب
چمکا کے حر نے گھوڑے کو اپنے دیا جواب
تو ہی نکل کے مجھ سے لڑ ای خانماں خراب
تا دیکھیں یہ بھی تیغیں جو مجھ پر کھنچتے ہیں
شبیر کے غلام بھی کس طرح لڑتے ہیں

یہ کہہ کے حملہ ور ہوا جوں شیر خشمناک
کتنوں کو مارا ایک وقت کتنے ہوئے ہلاک
زخمی ہو لوٹنے لگے کتنے بروئے خاک
کتنے جو تیر مارتے تھے اس کو تاک تاک
وہ مضطرب تھے خوف سے یہ اپنی جانوں کے
وحشت سے کھینچ نہ سکتے تھے چلے کمانوں کے

تلوار کھینچے شیر سا جاتا تھا جس طرف
ہو جاتی تھی ادھر کی پراگندہ صف کی صف
نعرہ ہر ایک وار پہ تھا یا شہ نجف
فرماتا تھا یہ حیدر کرار کا خلف
تحسیں کا آسمان و زمیں پر خروش ہی
مہماں کو میرے آج شجاعت کا جوش ہی

یاں تو بیاں یہ کرتے تھے حضرت بچشم نم
واں اس جری پہ ٹوٹ پڑا لشکر ستم
اس نے بھی سر بدن سے کئے سیکڑوں قلم
پر آپ بھی وہ زخمی ہوا سر سے تا قدم
باران تیر ظلم سے سب جسم چھن گیا
جانباز کا سمند بھی طاؤس بن گیا

رگ رگ سے حر کی چھٹنے لگی جب لہو کی دھار
غش میں جھکا وہ گھوڑے کی گردن پہ ایک بار
نیزہ کسی نے آکے جو مارا قضائے کار
تب یا حسینؑ کہہ کے گرا حُرِّ نامدار
یہ سُن کے ابرِ غم دلِ سرور پہ چھا گیا
اِک آہ کی کہ عرشِ خدا تھرتھرا گیا

رہوار سے اُتر کے چلے مضطر و حزیں
رکھا زمیں پہ پاؤں کہیں اور پڑا کہیں
اکبرؑ نے دوڑ کر یہ کہا یا امامِ دیں
جانا مناسب آپ کا اس فوج میں نہیں
تنہا حضور جائیں نہ حُر کی تلاش کو
ہو حکم تو غلام اُٹھا لائے لاش کو

شہ نے کہا کہ تم مجھے روکو نہ میری جاں
میرے لیے شہید ہو ایسا مہماں
ملتا ہے دوست خلق میں اس طرح کا کہاں
میرے بغیر اور نہیں کوئی اُس کا یاں
رخصت کو اُس غریب کی جانا ضرور ہے
مہماں کو گلے سے لگانا ضرور ہے

بیٹا میں کیا بیان کروں حُر کا مرتبا
لاشے پہ اُس کے آئے ہیں پیغمبرِ خدا
رو رو گلے لگاتے ہیں شفقت سے مرتضےٰ
ہمت کی اُس کے کرتے ہیں تعریف مجتبےٰ
عزت یہ کس شہید کی دُنیا میں ہوتی ہے
ماں میری حُر کے واسطے مقتل میں روتی ہے

یہ کہہ کے لاش پر گئے حُر کی بچشمِ تر
وہ زخمی لوٹتا تھا پڑا ریگِ گرم پر
اُس سے لپٹ کے رونے لگے شاہِ بحر و بر
زانو پہ اپنے رکھ لیا شفقت سے اُس کا سر
تہہ جم گئی تھی چہرے پہ اُس کے جو خاک کی
حضرت نے آستینِ مبارک سے پاک کی

منھ اُس کا دیکھ دیکھ کے اس طرح روتے تھے
روتا ہے جس طرح کوئی فرزند کے لیے
اشکِ امام حُر کے جو رخسار پر گرے
تب اُس نے آنکھیں کھول کے کی عرض شاہ سے
آغوش میں لیے ہوئے حضرت جو روتے ہیں
واللہ ٹکڑے میرے کلیجے کے ہوتے ہیں

اس بندہ پروری پہ ہوں سو جاں سے میں فدا
شفقت وہ مجھ پہ کی کہ نہیں جس کی انتہا
تشریف لائے آپ خوشا میرا مرتبا
مِٹتا نہ اس غلام کو کونین میں کیا
لغزش میں تھا قدم مرا لیکن سنبھل گیا
بیڑا مرا تباہی سے باہر نکل گیا

زخمی ہوں تیغ و تیر سے میں سر سے تا قدم
کس طرح اُٹھ کے گرد پھروں یا شہِ امم
کہنے لگے یہ تب شہِ بیکس بچشمِ نم
واللہ تو تو زخمی ہے اور ہے مجھے الم
کوئی نہ بچ رہے گا حسینی سپاہ میں
ہم سب شریکِ درد ہیں خالق کی راہ میں

مجروح جس طرح سے ہوا ہے ترا بدن
تلواریں یوہیں کھائے گا لختِ دلِ حسنؑ
جس طرح ہاتھ کٹ گئے ہیں تیرے تیغ زن
بیدست یوہیں ہوئے گا عباسِ صف شکن
زخمِ سناں ہے تیرے دلِ دردناک پر
زخمی ہو یوہیں تڑپے گا اکبر بھی خاک پر

جس طرح تیرِ ظلم ہے تیرے گلے کے پار
مجروح یوہیں ہوگا مرا طفلِ شیرخوار
بعد اُس کے مجھ کو زخمی کریں گے ستم شعار
جس دم گروں گا گھوڑے سے با جسمِ زخمدار
کوئی برچھی مارے گا کوئی تلوار مارے گا
چھاتی پہ چڑھ کے شمر مرا سر اُتارے گا

زخمی جو تو ہوا تو میں آیا ترے قریں
آغوش میں لیا تجھے با خاطرِ حزیں
زانو پہ تیرا سر رکھا اے حُرِ با یقیں
لیکن چلے گی جب مری گردن پہ تیغِ کیں
جز یاس و بیکسی نہ کوئی پاس ہوئے گا
زانو پہ رکھ کے سر کو مرے کون روئے گا

ہوئے گا سوئے خلد رواں جب تو نیکنام
لے جاؤں گا میں لاش تری تا درِ خیام
پر اپنی بیکسی کو کہوں کیا میں تشنہ کام
روندیں گے میری لاش کو گھوڑوں سے اہلِ شام
بعدِ فنا بھی ہوئیں گے رنج و محن مجھے
چالیس دن تلک نہ ملے گا کفن مجھے

شہ نے جو حُر سے اپنی مصیبت یہ کی بیاں
اُس باوفا کی آنکھ سے آنسو ہوئے رواں
قدموں سے شہ کے ملنے لگا چشمِ خوں فشاں
ہچکی جو آئی موت کی غازی کو ناگہاں
آنکھیں پھرائیں زیست کا نقشہ بدل گیا
حسرت سے دیکھا شاہ کو اور دم نکل گیا

جس بیکسی سے روتے تھے حُر کو شہِ اُمم
کس دل میں تاب ہے جو بیاں کر سکے وہ غم
دریا اگر مداد اور اشجار ہوں قلم
یہ غم وہ ہے انیس کہ ہرگز نہ ہو رقم
کیا کچھ نہ کہتے جائیں گے کیا کچھ کہا نہیں
سچ ہے غمِ حسینؑ کی کچھ انتہا نہیں

(۶)

مرثیہ

جب آفتاب تاجِ سرِ آسماں ہوا
اور جلوۂ خطوطِ شعاعی عیاں ہوا
دامانِ شب میں لشکرِ انجم نہاں ہوا
مصروفِ ذکرِ حق شہِ کون و مکاں ہوا
واں طبلِ جنگ بجنے لگا رزم گاہ میں
تکبیریاں بلند تھی ناموسِ شاہ میں

وہ صبحِ قتلِ شہ تھی عجب صبح ہولناک
زہرا کی بیٹیوں نے گریباں کیے تھے چاک
بےچین تھی لحد میں محمدؐ کی روحِ پاک
زہرا پکارتی تھی یہ سر پر اڑا کے خاک
ہوتا ہے گھر تباہ شہِ مشرقین کا
دنیا سے آج کوچ ہے میرے حسین کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ امامِ فلک جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
کہتا تھا منہ پہ رکھ کے فلک دامنِ سحاب
سوئے گا آج خاک پہ فرزندِ بوتراب
قدسی تمام مضطرب و اشکبار تھے
خوابیدگانِ کنجِ لحد بےقرار تھے

تھا نوحہ خوانِ چمن میں ہر اک مرغِ خوشنوا
ماتم میں تھا گلوں کا گریباں پھٹا ہوا
کہتی تھی سر پہ خاک اڑا کر یہی صبا
اب خاک میں ملے گا یہ گلزارِ فاطمہ
کچھ باغیوں کو ڈر نہیں زہرا کی آہ کا
لٹتا ہے آج باغِ رسالت پناہ کا

بھرتی تھی آہِ سرد ہر اک باغ میں نسیم
غنچوں کے دل دھڑکتے تھے تھا روزِ خوف و بیم
کہتی تھی عندلیب کہ فریاد ہے کریم
آئی ریاضِ دیں پہ عجب آفتِ عظیم
پانی نہیں ملا ہے کسی گلعذار کو
لوٹے گی اب خزانِ ستم اس بہار کو

ہر ذی حیات پر تھا غم و یاس کا ہجوم
میدانِ کارزار میں تھی صف کشی کی دھوم
دریا کے بند و بست میں تھا ابنِ سعدِ شوم
تھا حکمِ قتلِ سبطِ پیمبرؐ علی العموم
منظور تھا یہی عمرِ بدخصال کو
پانی ملے نہ ساقیِ کوثر کے لال کو

پھر شمر بے حیا سے یہ بولا وہ نابکار
ہیں سوئے میمنہ تو جواں آٹھ نو ہزار
رہ قلب فوج میں کہ تو ہی آزمودہ کار
تیروں کی فوج شہ پہ ہے ہر طرف سے مار
زخمی کریں یہ سب تن اطہر حسینؑ کا
چھاتی پہ چڑھ کے کاٹیو تو سر حسینؑ کا

سن کر سخن عمر کا یہ بولا وہ کینہ جو
اس بات کی تو ہے مجھے مدت سے آرزو
تو دیکھیو آج کہ زینبؑ کے روبرو
کاٹوں گا تیغ سے شہ لب تشنہ کا گلو
پٹواؤں گا لحد میں جناب بتولؑ کو
پیاسا کروں گا ذبح میں سبط رسولؑ کو

ہوتا تھا اس طرف تو یہ سامان جنگ کا
بیٹھے تھے جانماز پہ یاں شاہ کربلا
اتنے میں آئی ہاتف غیبی کی یہ ندا
ہاں مستعد ہو جنگ پہ اے لشکر خدا
باندھو کمر یہ حکم خدائے جلیل ہے
ہنگام کارزار ہے وقت رحیل ہے

جب یہ صدا سنی شہ عرش احتشام نے
تسبیح جانماز پہ رکھ دی امام نے
پوشاک پہنی سبط رسولؑ انام نے
مرنے پہ باندھی چست کمر تشنہ کام نے
آراستہ زرہ کو تن پاک پر کیا
حیدر کی ذوالفقار کو زیب کمر کیا

آنکھوں میں اشک بھر کے ہر اک بی بی سے کہا
لو الوداع اے حرم پاک مصطفیٰ
یہ سن کے بی بیوں میں قیامت ہوئی بپا
بیتابی میں گری سر کلثومؑ سے ردا
حالت تباہ ہو گئی بانوئے شاہ کی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینبؑ نے آہ کی

دے پٹکا چوب خیمہ پہ فریاد کر کے سر
چلائی یا رسول خدا آج ہو کدھر
لٹتا ہے بے گناہ شہ بے وطن کا گھر
زہرا کے یادگار کی لیتے نہیں خبر
مظلوم پر سپاہ لعیں کی چڑھائی ہے
بھائی بہن سے چھٹتا ہے نانا دوہائی ہے

حالت بہن کی دیکھی جو شبیرؑ نے تباہ
زینبؑ سے رو کے کہنے لگے شاہ دیں پناہ
اماں کی بیکسی پہ کرو اے بہن نگاہ
ہو امت رسولؑ کی تم بھی تو خیر خواہ
بخشیں گناہ گاروں کی حاجت روا کرو
امت پہ نانا جان کی مجھ کو فدا کرو

دل لو گلے سے آج گلا ہم کٹائیں گے
تم پاؤگی نہ ہم کو نہ ہم تم کو پائیں گے
سب ساتھ ہیں پسر کا نہ بھائی کا داغ ہے
تب بنتِ فاطمہؑ نے یہ سر پیٹ کر کہا
تجھے جس گلے کو چومتے دن رات مصطفا
اعدا ستونِ دینِ نبیؐ کو گرائیں گے
شہ نے کہا بہن ہے یہی مرضیِ خدا
امرِ خدا میں بندے کا ہے اختیار کیا
ہر شخص یاں مسافرِ پا در رکاب ہے
ہر ذی حیات کے لیے ہے تلخیِ اجل
انساں نہ اپنی مرگ سے غافل ہو ایک پل
آج اُس کی راہ میں نہ اگر سر کٹاؤں گا
بھینا جہاں میں اشرفِ آدم تو تھے نبیؐ
رحلت جہاں سے فاطمہؑ نے صغرِ سن میں کی
سارے بزرگ تابعِ امرِ خدا رہے
جس طرح دل پہ تم نے اٹھائے ہیں داغ چار
زینبؑ نے تب کہا سر و سینہ پہ ہاتھ مار
گھر فاطمہؑ کا سامنے آنکھوں کے خاک ہو
بعد از نبیؐ و فاطمہؑ و حیدرؑ و حسنؑ
رخصت کا آپ مجھ سے جو فرماتے ہیں سخن
نانا نہیں علی نہیں ماں دل جلی نہیں

اب جیتے قتل گاہ سے پھر کر نہ آئیں گے
گردن کٹا کے نانا کی خدمت میں جائیں گے
زینبؑ مگر تمہاری جدائی کا داغ ہے
بھیا بہن نثار ہو فرماتے ہو یہ کیا
خنجر سے ہے غضب اُسے کاٹیں گے اشقیا
زہرا کے کیا کلیجے پہ خنجر پھرائیں گے
آگے تمہارے آج کٹے گا ہمارا گلا
دُنیا میں اے بہن کوئی جیتا نہیں سدا
بحرِ جہاں میں زیست کا عالم حباب ہے
دُنیا سے کوئی آج اُٹھا اور کوئی کل
لا انتہا ہے رحمتِ معبودِ لم یزل
تو رتبۂ عظیم شہادت نہ پاؤں گا
اللہ نے اُنھیں بھی نہ دی عمرِ سرمدی
کس ظلم سے شہید ہوئے مرتضےٰ علیؑ
نہ میں رہوں گا نہ حسنؑ مجتبیٰ رہے
یہ پانچواں بھی داغ سہو بہر کردگار
مر جائیں پنجتن نہ مروں میں جگر فگار
سب ہوں ہلاک اور نہ زینبؑ ہلاک ہو
حضرت کے سایہ میں ہے رہی آج تک بہن
وارث بہن کا کون ہے اے سرورِ زمن
اب آپ کے سوا تو بہن کا کوئی نہیں

جب آپ بھی نہ ہوئیں گے ای شاہِ بحروبر
اُس وقت وارثی کرے گا کون آن کر
سر پر تمہارے خالقِ ارض و سما تو ہی
کچھ بن پڑا نہ زینبِؑ بیکس کو اُس گھڑی
اُس شور و غل میں آئی صدا یہ رسولؐ کی
بیٹوں کا کر خیال نہ بھائی کا نام لے
فرزندِ فاطمہؑ ہی مرا پارۂ جگر
ماتم میں اس کے نکلا ہوں جنت سے نوحہ گر
داغِ حسینؑ اپنے جگر پر اُٹھاؤں گا
حضرت سے روکے زینبِ بیکس نے تب کہا
خیمے سے نکلے روتے ہوئے شاہِ کربلا
تیار دیکھ کر شہِ گردوں جناب کو
جس دم سوارِ دوشِ پیمبرؐ ہوا سوار
فوجِ ملاعنہ میں یہ اُس دم ہوئی پکار
دیکھو سواری بادشہِ مشرقین کی
کیا شوکتِ سواری سرور کروں بیاں
غرقِ سلاح گھوڑوں پہ تھے ہاشمی جواں
سوکھی ہوئی زبانوں پہ ذکرِ الٰہ تھا
تھی اک طرف تو کثرتِ ارواحِ انبیا
دامن تلک پھٹا تھا گریبانِ مرتضیٰ
کیا شانِ لشکرِ شہِ والاصفات تھی

اعدا پھرائیں گے مجھے بلوے ہیں ننگے سر
فرمایا شہ نے روکے بہن دھیان ہی کدھر
بھائی اگر نہیں تو نہ ہووے خدا تو ہی
غش آگیا زمیں پہ گری کہہ کے یا علی
اب صبر کر حسینؑ کو اے میری لاڈلی
بیڑے کو عاصیوں کے تباہی سے تھام لے
میں نے اسی نواسے پہ صدقے کیا پسر
زینبؑ عزیز رکھتا ہوں اُمت کو بھی مگر
دوزخ سے عاصیوں کو مگر بخشواؤں گا
بھیّا سدھارو میں نے سہا داغ آپ کا
مجرے کو جھک گئے رفقا باندھ کر پرا
روح الامیں نے آن کے تھاما رکاب کو
آگے بڑھا پرے سے علمدارِ باوقار
کس شان سے چلا ہی محمدؐ کا یادگار
ہی آج آخری یہ زیارت حسینؑ کی
آگے علم تھا لشکرِ اسلام کا نشاں
سر پر عمامے نورِ خدا چہروں سے عیاں
ایک ایک ملکِ صبر و قناعت کا شاہ تھا
اور ایک سمت فوجِ ملائک کا تھا پرا
گھوڑوں کے آگے آگے تھے سر ننگے مصطفیٰ
روحِ جنابِ فاطمہؑ بھی ساتھ ساتھ تھی

اللہ ری شان واہ رے لشکر زہے حشم
مشتاق اُن دلیروں کا تھا کوثر و ارم
کیا ان کے ہیں ثبات قدم کو کروں رقم
سر کٹ گئے مگر نہ ہٹے گھاٹ سے قدم
پروانۂ سراج نبیؐ وہ سعید تھے
زاہد تھے متقی تھے جری تھے شہید تھے

وہ فوج تھی کہ تختۂ گلزار تھا کھلا
تھا غیرت بہشت وہ صحرائے کربلا
پیش نگاہ باغ شہادت کی تھی فضا
خنداں برنگ گل تھے جوانان مہ لقا
اُس دن اجل گلوں کی جواں سب کے ہار تھی
باغ جناب فاطمہؑ پر کیا بہار تھی

سائے میں تھے علم کے شجاعان ارجمند
روشن تھے آفتاب سے چہرے ہزار چند
مانند برق کوندتے تھے زیر ران سمند
ہر دم نفیر فوج کی تھی یہ صدا بلند
ہے سامنے بہشت دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

پہونچے جو اس شکوہ سے رن میں شہ امم
فتح و ظفر نے چوم لیے آن کر قدم
کھولا جناب حضرت عباسؑ نے علم
یہ رعب تھا کہ کانپ گیا لشکر ستم
اک غل ہوا کہ صل علےٰ کیا جوان ہے
یہ مرتضےٰ علی ولی کا نشان ہے

سب جانتے ہیں شوکت تخت دل حسن
عمامہ سر پہ خلعت شاہانہ زیب تن
جنگ آزما نہنگ وغا شیر صف شکن
ناشاد و نامراد اسیر غم و محن
حسن حسن کی چہرے پہ کیا خوب شان تھی
قالب تھا رزم گہ میں حسن پاس جان تھی

کیا اکبر جری کے کہوں رخ کی آب و تاب
ذرہ تھا جس کے حسن کے پرتو سے آفتاب
وہ دل میں شوق جنگ کا وہ عالم شباب
گویا کھڑے تھے رن میں رسول فلک جناب
ہر ایک کو گماں تھا تجلّی طور کا
جلوہ مگر فقط تھا محمدؐ کے نور کا

حضرت کے پاس زینب بیکس کے تھے پسر
دونوں صغیر برج شرافت کے تھے قمر
آنکھیں تو نرگسی تھیں پہ تھی شبّر کی نظر
انصار شاہ کہتے تھے منہ اُن کے دیکھ کر
ہیں چھوٹے چھوٹے سن پہ قیامت دلیر ہیں
کیونکر نہ ہوں کہ شیر الٰہی کے شیر ہیں

کہتے تھے پیار کرکے انھیں شاہِ کربلا
مادر کو جاکے خیمے میں دیکھ آؤ پھر ذرا
ننھے سے ہاتھ جوڑکے وہ دونوں مہ لقا
کرتے تھے عرض آپ سے کس طرح ہوں جدا
حضرت پر اپنی جانیں فدا کرکے جائیں گے
اب جائیں گے جو گھر میں تو ہم مرکے جائیں گے

یہ ذکر تھا کہ رن میں بجے طبلہائے جنگ
چلّوں میں جوڑنے لگے اہلِ ستم خدنگ
جوشِ غضب سے سرخ ہوئے غازیوں کے رنگ
شہ نے کہا ابھی ہو مناسب نہیں درنگ
سبقت مری طرف سے نہ زنہار کیجیو
جب اُن کے وار ہولیں تو تم وار کیجیو

میں نے یہ اپنے باپ سے ہے بارہا سُنا
دشمن سے حرب میں نہیں کرتے ہیں ابتدا
میں نائبِ رسولؐ ہوں اور حجتِ خدا
میں اپنا ہاتھ اُٹھاؤں یہ کب ہے مجھے روا
گو میرے دشمنوں کو نہیں کچھ تمیز ہے
لیکن مجھے تو نانا کی اُمت عزیز ہے

یہ کہہ کے اپنی فوج سے آگے بڑھے امام
اعدا سے اِس طرح بہ فصاحت کیے کلام
مہماں کو کیوں ستاتے ہو اے ساکنانِ شام
واللہ جنگ آلِ محمدؐ سے ہے حرام
سیّد ہوں بے گناہ ہوں تشنہ جگر ہوں میں
تم جس کے کلمہ گو ہو اسی کا پسر ہوں میں

مجھ کو ستاوگے تو نبیؐ کو ستاؤگے
وہ زخمی ہوں گے گر مجھے نیزے لگاؤگے
زہرا کا باغ لوٹ کے کچھ پھل نہ پاؤگے
واللہ سیدھے قعرِ جہنم میں جاؤگے
دوگے جواب حشر کے دن کیا بتولؐ کو
کیوں بے چراغ کرتے ہو قبرِ رسولؐ کو

نامنصفو خیال کرو تم یہ کیا ہے قہر
پی جاتے ہیں چرند و پرند آکے آبِ نہر
اِس بات سے ہر ایک ہوا واقفِ میانِ دہر
روئے زمیں کا آب ہے سب بی بی کا مہر
سو تین دن سے گھر میں مرے قحطِ آب ہے
بچوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہے

اِس کے سوا کسی کا کوئی ہو جو میہمان
اُس سے دریغ کرتے ہیں دُنیا میں آب و نان؟
لکھ لکھ کے تم نے نامے بلایا مجھے یہاں
کھانا تو کیسا پانی سے بھی تر نہ کی زباں
بیکس مسافروں پہ سبھی رحم کھاتے ہیں
جو اپنے گھر میں آئے اُسے یوں ستاتے ہیں؟

مجھ کو نہ رنج دو کہ غریب الوطن ہوں میں ہادی ہوں پیشوا ہوں امام زمن ہوں میں
ہر چند مبتلائے بلا و محن ہوں میں شبیر خدا کا لال ہوں و صف شکن ہوں میں
کھینچوں کمر سے تیغ تو تم سب ہلاک ہو گر بد دعا کروں تو ابھی جل کے خاک ہو

اس وعظ و پند نے نہ کیا کچھ انھیں اثر دینے لگے جواب درشتانہ اہلِ شر
حجت تمام کر کے پھرے شاہِ بحر و بر اپنے پرے میں کانپ گیا حر نامور
آنسو بھر آئے آنکھ میں بیتاب ہو گیا حضرت کی بیکسی پہ جگر آب ہو گیا

کہتا تھا اپنے دل میں یہی کانپ کانپ کر بے جرم قتل کرتے ہیں سیّد کو اہلِ شر
افسوس شہ کو گھیر کے کیوں لایا میں ادھر ہے میرے سر پہ خونِ شہنشاہِ بحر و بر
یہ جرم آہ کس سے میں اب بخشواؤں گا کیونکر نبی کو حشر میں میں منھ دکھاؤں گا

گھبرا کے حر سے بھائی نے اس وقت یہ کہا سنتا ہوں تیرے دل کے دھڑکنے کی میں صدا
تو ہے اکیلا معرکوں میں بارہا لڑا تھرا رہا ہے خوف سے یہ ماجرا ہے کیا
تو رستمِ عراق ہے مردِ نبرد ہے یہ بے حواس ہے کہ ترا رنگ زرد ہے

بھائی سے تب یہ کہنے لگا حرِ ارجمند تھرا رہا ہے خوفِ الٰہی سے بند بند
ہے طالبِ بہشت بریں جان مستمند بیمِ عذاب نار سے ہے روح پر گزند
صدمہ یہ ہے کہ نرغے میں ہے رہنما مرا محسن مرا امام مرا پیشوا مرا

اس دم عجب طرح کا مجھے اضطرار ہے لڑنا ہے جس سے وہ شہِ عالی وقار ہے
سیّد عیال دار غریب الدیار ہے جانِ نبی ہے فاطمہؑ کا یادگار ہے
رتبے میں یہ بھی حیدرِ صفدر سے کم نہیں قتلِ حسینؑ قتلِ پیمبرؐ سے کم نہیں

منصف ہو تو شہید کروں تشنہ کام کو نیزے لگاؤں جا کے میں اپنے امام کو
بے سر کروں حسین علیہ السلام کو منھ کس طرح دکھاؤں گا خیر الانام کو
حربے میں کس طرح سے کروں جسمِ پاک پر کیونکر گراؤں عرش کے تارے کو خاک پر

یہ وہ ہے دوش پر جسے احمدؐ چڑھاتے تھے
جبریلؑ اس کے جھولے کی ڈوری ہلاتے تھے
میوے اسی کے واسطے جنت سے آتے تھے
آنکھوں سے اس کے پاؤں ملائک لگاتے تھے
عزت اسی کے فیض سے فطرس نے پائی ہے
ہرنی اسی کے صدقے سے بچے کو لائی ہے

بھائی نے حُر کے رو کے کہا تب کہ مرحبا
قدموں پہ ابن فاطمہؑ کے ہوں گے ہم فدا
بیکس کا ساتھ دیجے کہ نام اس میں ہے بڑا
شہ کی طرف چلو کہ مددگار ہے خدا
وہ بات ہو کہ خلد میں رہنے کو جا ملے
اُس سے ملیں کہ ملنے میں جن کے خدا ملے

حُر نے کہا کہ میں تو نہایت ہوں شرمسار
آنکھیں مری حسینؑ سے مطلق نہ ہونگی چار
تلوار اپنی کھینچ کے تو سر مرا اُتار
اور لیکے جا حضورِ شہنشاہِ نامدار
کچھ دغدغہ نہ کر کہ مجھے اس میں چین ہے
قدموں پہ ڈال دے کہ یہ نذرِ حسینؑ ہے

کہیو کہ ہاتھ جوڑ کے تھا حُر نے یہ کہا
مولا کے پاس میں نہ خجالت سے آسکا
اب اس کو بخش دیجیے جو کچھ ہوئی خطا
اور میری مغفرت کے لیے کیجیے دعا
راضی حضور ہوئیں تو میں رستگار ہوں
مجرم تو ہوں پہ عفو کا اُمیدوار ہوں

اور اک وصیت اور ہے سُن لے مرا سخن
ہرگز نہ میری لاش کو تو دیجیو کفن
پاؤں میں میرے بہرِ خدا باندھ کر رسن
لے جانا کھینچ کر طرفِ سیدِ زمن
مر کر کروں گا عذر میں اپنے گناہ کے
تو ہاتھ باندھ دیجیو مجھ روسیاہ کے

قسمت نے جیتے جی تو نہ ہونے دیا نثار
حضرت پہ صدقے کرنا مری لاش سات بار
قدموں پہ ذوالجناح کے رکھ کر یہ چشم زار
کہیو کہ ہے حضور میں حاضر گناہگار
نیکی نہیں ہے نامۂ اعمالِ زشت میں
دوزخ میں چاہو ڈالدو چاہو بہشت میں

سمجھیں گے سب یہ شخص طرفدارِ شاہ ہے
سر اپنا کاٹ ڈالا ہے اور عذر خواہ ہے
بھائی کریم سبطِ رسالت پناہ ہے
واں بغض کو ہے دخل نہ کینے کو راہ ہے
آنسو نکل پڑیں گے شہِ تشنہ کام کے
وہ جرم بخش دوہیں گے اپنے غلام کے

ناگاہ آئی عالمِ بالا سے یہ صدا
ای میہمان اپنا تو مت کاٹیو گلا
تجھ کو تو مل چکا ہے شہادت کا مرتبہ
بابِ بہشت صبح سے تیرے لیے ہے وا
تو جلد جا کہ سبطِ نبیؐ بے قرار ہے
جنت میں مصطفیٰ کو ترا انتظار ہے

ای عاشقِ حسینؑ نہ کر یاس کے سخن
اپنی ردا کا دینگی تجھے فاطمہؑ کفن
تیرے کفیل کار ہیں واللہ پنجتن
آئے ہیں تیرے لینے کو یاں خلد سے حسنؑ
آراستہ ہے گلشنِ رحمت ترے لیے
لاتی ہیں حوریں خلعتِ جنت ترے لیے

جعفر ادھر ہیں اور اُدھر مسلمؑ و عقیلؑ
سایہ کیے ہیں پر کا ترے سر پہ جبرئیل
حاضر ہیں جام کوثر و تسنیم و سلسبیل
جنت میں آج ہے یہ ترا رتبۂ جلیل
تیری رکاب میں شہِ دلدل سوار ہے
روحِ جنابِ فاطمہؑ تجھ پر نثار ہے

آئی صدائے حضرتِ زہرا یہ ایک بار
میں صدقے تیرے ای مرے بچے کے جاں نثار
خیبر شکن پکارے کہ ای حرِّ نامدار
تو کس لیے حسینؑ سے اتنا ہے شرمسار
میں اپنے ساتھ ساتھ تجھے لیکے جاؤں گا
تیری خطا حسینؑ سے میں بخشواؤں گا

حُر نے کہا یہ دیکھ کے صورت کو بھائی کی
شکرِ خدا کہ بخت نے میرے رسائی کی
حاجت روائے خلق نے حاجت روائی کی
مولا نے آن کر مری مشکل کشائی کی
تو فیض دیکھ ساقیِ کوثر کی ذات کا
کیا خوب مل گیا ہے وسیلہ نجات کا

کہہ کر سخن یہ حُر نے کیا نعرۂ امام
فرزند ایک ساتھ تھا اک بھائی اک غلام
سر کو چلے جھکائے ہوئے چاروں نیک نام
اُلفت سے بے قرار ہوئے یاں شہِ انام
ہمراہ لیکے بیٹے کو اور اپنے بھائی کو
وہ پیشوائے خلق چلا پیشوائی کو

مابین راہ پہونچا جو ہیں حُرِ خوش صفات
ہو کر پیادہ بھائی سے اپنے کہی یہ بات
رومال سے تو اپنے مرے باندھ دو نوں ہات
تشریف آپ لاتے ہیں یاں شاہِ کائنات
دیکھو تو کیا رحیم یہ سبطِ رسولؐ ہے
اب اپنی سمت رحمتِ حق کا نزول ہے

پہونچے قریب جب کہ شہنشاہِ باکرم
تسلیم کے لئے ہوئے چاروں سوار خم
حر نے کہا یہ قدموں پہ گر کر بچشمِ نم
روحی فداک اے پسرِ سیدِ امم
کیجے کرم غلام پہ حیدر کے واسطے
تقصیر بخشئے پیمبر کے واسطے

توبہ ہوئی قبول تو مژدہ سنایئے
تعزیر کا محل ہے تو دُرّے لگایئے
سرکاٹ لیجے آگ میں مجھ کو جلایئے
مولا عذابِ نار سے مجھ کو بچایئے
یاں ہو قصاص اے مرے سرور تو خوب ہے
دنیا سے پاک ہو کے اُٹھوں گر تو خوب ہے

اللہ رے رحم رونے لگے شاہِ کربلا
عقدہ کشا نے ہاتھ پکڑ لئے دونوں اُس کے وا
قدموں سے سر اُٹھا کے گلے سے لگا لیا
چہرے پہ ہاتھ پھیر کے شفقت سے یہ کہا
دنیا میں تو نے دولتِ عقبےٰ حصول کی
بھائی۔ کریم نے تری توبہ قبول کی

تقصیر تو نے ایسی بھلا میری کی ہے کیا
روکا جو تھا مجھے تو کچھ ایسی نہیں خطا
نادم ہوں میں نے ماں کا تری نام ہے لیا
تو نے ادب سے صبر کیا اور نہ کچھ کہا
کی عرض حُر نے ذکر یہ کیا یا امام ہے
وہ آپ کی کنیز ہے خادم غلام ہے

شہ نے کہا کہ تو مجھے بھائی سے ہے سوا
جو تیرا مرتبہ ہے اُسے میں ہوں جانتا
واللہ تیری پشت پہ ہے دستِ مصطفا
تیری بلائیں لیتی ہیں رو رو کے فاطمہ
کوثر کا جام ساقیِ کوثر سے پائے گا
تو پہلے مجھ سے گلشنِ جنت میں جائے گا

ادنیٰ تو تھا یہ اب ترا اعلےٰ مقام ہے
اب تو ہے اور گلشنِ دارالسلام ہے
آزاد ہو چکا ہے کہ حُر تیرا نام ہے
دوزخ کی آگ دوست پہ میرے حرام ہے
واللہ تو محب ہے محمد کی آل کا
حوروں کو اشتیاق ہے تیرے جمال کا

تب حُر نے ہاتھ جوڑ کے حضرت سے یہ کہا
واں سے غلام آپ کی جانب تھا جب چلا
آئی تھی آسمان سے صدا یہ کہ مرحبا
اور تھا کسی نے مژدۂ جنت مجھے دیا
کیا جانیئے وہ کون بزرگ اے امام تھے
شہ نے کہا وہ خضر علیہ السلام تھے

حُر کو عجب سرور ہوا اُس کے یہ کلام
بتلائے سب عزیز رفیقوں کے اپنے نام
انصارِ شاہ کا تھا ہجوم اُس جوان پر
قدموں پہ گر کے شاہ کے بولا وہ نیک نام
حضرت پہ پہلے سب سے فدا ہوگا یہ غلام
قصدِ نبرد گاہ ابھی اے جوان نہ کر
بھائی ابھی تو آیا ہے جلدی ہے ایسی کیا
شرمندہ تیرے منہ سے ہوں اے مردِ باوفا
بچّہ ہر ایک پیاس کے مارے نڈھال ہے
حُر نے کہا کہ اے مرے مولا ترے نثار
میداں میں زخم کھانے کا ہوں میں اُمیدوار
صدقے سے آپ کے مجھے عزت نصیب ہو
مہماں کے اس کلام پہ حضرت نے رو دیا
حُر کو اُٹھا کے بولا یہ وہ منبعِ سخا
کاندھے پہ اس کو ڈال کے ہر چند کیا ہے یہ
تسلیم کر کے کہنے لگا حُرِ ارجمند
کونین میں غلام کی عزت ہوئی دوچند
ملبوسِ خاص اپنا دیا ہے حضور نے
فرمایا شہ نے قصد ہے مرنے ہی کا اگر
ماں باپ کا ہے نام جو دنیا میں ہے پسر
ہے مجھ کو رنج اس کی جوانی کے واسطے

لے آئے ساتھ فوج میں اپنی اُسے امام
حُر سے ہوئے بشوق بغلگیر تشنہ کام
اَحسنت و مرحبا تھا ہر اک کی زبان پر
میں نے ہی پہلے آپ کو روکا تھا یا امام
کہنے لگا یہ رو کے وہ مولائے خاص و عام
شرمندہ تو حسینؑ کو اے میہماں نہ کر
پہلے مرے رفیقوں کو ہو لینے دے فدا
کچھ تیری میہمانی کا ساماں نہ ہو سکا
فاقے سے تین دن کے محمدؐ کی آل ہے
اِس کمتریں غلام سے ہیں آپ شرمسار
اس پیاس میں ہے خواہشِ شمشیرِ آبدار
دعوت یہی ہے بس کہ شہادت نصیب ہو
اُس کو اُتار دوش پہ ڈالے تھے جو عبا
دعوت نہ کر سکا تجھے خلعت نہ دے سکا
اے حُر مگر تبرّکِ آلِ عبا ہے یہ
اِس وقت عرش سے مرا رتبہ ہوا بلند
فیاضِ خلق نے کیا خادم کو بہرہ مند
ذرّے کو آفتاب کیا ہے حضور نے
بیٹے کو اپنے سوئے وطن تو روانہ کر
برباد کر نہ میرے لیے اپنا سارا گھر
ہے اک پسر تو فاتحہ خوانی کے واسطے

میداں میں آج قتل ہوا گر یہ نونہال
مادر کو اس کی ہوئے گا رنج و قلق کمال
داغِ پسر کسی کو دکھائے نہ ذوالجلال
سر اپنا پیٹ کر یہ کہے گی وہ خوش خصال
بیٹا بھی قتل ہوگیا وارث بھی چھٹ گیا
زہرا کے لال کے لیئے گھر میرا لٹ گیا

رو کر کہا یہ حُر نے کہ اے شاہ بحر و بر
اکبر سے بھی عزیز ہے کیا یہ مرا پسر
ماں اُس کی شہر بانو سے کیا ہے زیادہ تر
زہرا کا گھر مٹے نہ ہو برباد میرا گھر
برچھی کی نوک سینۂ اکبرؑ کے پار ہو
شہزادے پر غلام نہ رن میں نثار ہو

شہ نے کہا کہ ہے یہی مرضی تو لے سدھار
تسلیم کرکے گھوڑے پہ تب حُر ہوا سوار
کوڑا کیا سمند کو غازی نے ایک بار
چاروں جواں چلے سوئے میدانِ کارزار
یہ رعب تھا حسینؑ کے اس میہمان کا
فوجِ ستم سے شور اُٹھا الاماں کا

چہرے پہ حسنِ دینِ نبیؐ کا تھا یہ ظہور
پھیلا ہوا تھا چار طرف فوجِ کیں میں نور
رکھے تھا خود فرقِ ہمایوں پہ ذی شعور
ہر اک کو تھا گماں کہ ہے قندیلِ شمعِ طور
یوں جلوہ گر زرہ میں تنِ سرخ فام تھا
گویا بچھا ہوا چمنستان میں دام تھا

لٹکا ہوا تھا شانے پہ وہ حلقۂ کماں
قرباں ہوئی تھی جس کے چم و خم پہ کہکشاں
مختارِ بابِ فتح تھی تیغ اُس کی بیگماں
کیا گردۂ سپر کی میں خوبی کروں بیاں
جوہر سے اُس کے جوہرِ تابندہ ماند تھے
وہ ایک تو ہلال تھا اور چار چاند تھے

دریائے آہنی میں تھا وہ شہسوار غرق
صرصر میں اور گھوڑے میں تھا مطلقاً نہ فرق
راکب گر اُس کو غرب سے دوڑائے سوئے شرق
اور آسماں پہ چمکے نکل کر سمندِ برق
گردوں پہ واں نہ برق کی چشمک تمام ہو
اور شرق میں یہاں فرسِ تیز گام ہو

اِس شان اور شکوہ سے آیا جو حُر نظر
نکلا تب اُس سے لڑنے کو صفوانِ بدگہر
نیزے کو تول کر وہ ہوا حُر پہ حملہ ور
رَد کرکے وار حُر نے دکھایا عجب ہنر
نیزے پہ بس اُٹھا کے لیے صدرِ زین سے
دے مارا یوں کہ گرد نہ اُٹھی زمین سے

صفوان کے تین بھائی بھی تھے اور نامدار
تلواریں کھینچ آئے بمیدانِ کارزار
بھائی نے حُر کے اُن کو بھی بھیجا بسوئے نار
بیٹے نے ایک کو کیا دو صورتِ خیار
جب تیسرے کو دوڑ کے مارا غلام نے
احسنت کی صدا دی شہِ خاص و عام نے

فوجِ عدو میں پھر تو در آئے وہ چار شیر
انبار بس سروں کے ہوئے اور تنوں کے ڈھیر
چو رنگ کرتے تھے وہ جوانوں کو گھیر گھیر
قہرِ خدا تھی ضربتِ تیغِ حُرِ دلیر
سر پر پڑی تو صاف گئی قاش زین پر
زیں سے کھنچی تو آن کے ٹھہری زمین پر

ایسے لڑے کہ لشکرِ کیں دنگ ہو گیا
دشتِ نبرد خون سے گلرنگ ہو گیا
جو منھ پہ آیا تیغ کے چورنگ ہو گیا
عرصہ ہر اک پہ زندگی کا تنگ ہو گیا
تینوں سوار گھر گئے پر حُر لڑا کیا
تنہا ہی فوج سے وہ بہادر لڑا کیا

دیکھا جو حُر نے خاک کے اوپر گرا پسر
بیتاب الفتِ پدری سے ہوا جگر
بیٹے کی سمت دیکھا ذرا منھ کو پھیر کر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤسر
غازی قریبِ لاشِ پسر جا کے گر پڑا
مہمانِ شاہ گھوڑے سے تیورا کے گر پڑا

زینب نے دیکھا خیمے کے در سے جو یہ حال
سر پیٹ کر پکاری کہ ای فاطمہؑ کے لال
گھوڑے سے زخمی ہو کے گرا حُرِّ خوش خصال
لاش اس کی کر نہ ڈالیں ستمگار پائمال
میں پیٹنے کو لاشۂ مہماں پہ آؤں گی
میں اس کے واسطے صفِ ماتم بچھاؤں گی

آئی صدا یہ فاطمہ ای زینبِ حزیں
موجود میں تو ہوں جو یہاں اس کی ماں نہیں
میرے حسینؑ پر ہوا صدقے یہ نازنیں
بیٹا ہی جانتی ہوں اسے یہ سمجھ یقیں
اب چین سے مزار میں ہرگز نہ سوؤنگی
چالیس روز لاش پہ مہماں کے روؤنگی

ماں کی صدا یہ سُن کے چلے شہ پیادہ پا
رو کر سر اس کا شاہ نے آغوش میں لیا
مہماں کو پایا شاہ نے بسمل سا لوٹتا
منھ ملکے شہ کے قدموں سے تب حُر نے یہ کہا
کیا رُتبے میں نے آپ کے صدقے سے پائے ہیں
محبوبِ کبریا مرے لینے کو آئے ہیں

اور ایک بی بی پہلو میں کہتی ہے یوں بیاں — اپنے پسر کے واسطے روتی ہے جیسے ماں
ہیں پونچھتی ردا سے مرا روئے خوں چکاں — کچھ میری ماں سے بھی وہ زیادہ ہیں مہرباں
شہ نے کہا یہ جو تیرے غم میں ملول ہیں — مادر مری وہ فاطمہ بنتِ رسول ہیں

یہ مژدہ سُن کے حر تو گیا جانبِ ارم — لاشے پہ اُس کے روئے بہت شاہ باکرم
بس اے انیس اب یہ دُعا کیجئے بہ غم — بلواؤ کربلا میں مجھے یا شہِ امم
کیجے مدد کہ رنج و الم بے شمار ہیں — میں اک ضعیف و زار ہوں دشمن ہزار ہیں

رباعی

جبریلِ امیں کو فخرِ دربانی ہے — حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن — وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

ایضاً

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جائے — عطرِ عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے
یاد آئے شمیمِ زلفِ ہمشکلِ رسولؐ — آہوں کا دھواں ہر اک گیسو ہو جائے

ایضاً

مظلوم نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا — مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ — یوں کبھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

ایضاً

میزانِ کرم میں جرم تُل جاتے ہیں — فردوس میں مثلِ بوئے گل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ سے بابِ خیبر کی طرح — عقدے جو ہزاروں ہیں تو کھل جاتے ہیں

مرثیہ (۷)

زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہِ امم سے
مسلم کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
دل ہل گیا رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے
آنسو رخِ انور پہ بہے دیدۂ غم سے
کام آتا تھا جو حسن کے خجل ہوتی تھی زینبؑ
فرزندوں کا منہ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؑ

کچھ منہ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اُسے دھیان
شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان
چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

سب بی بیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا
مشہور ہے زینب شہِ مظلوم کی شیدا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو نہ بھیجا
کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا
کس کو خبر اس کی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؑ
لاش آتی ہے اوروں کی مری جاتی ہے زینبؑ

میں آپ تو بیٹوں سے کروں گی نہ یہ تقریر
ماموں کے عوض سینے پہ کھائیں تبر و تیر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرتِ شبیرؑ
اِس سوچ میں دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر
صادق ہیں محبت میں تو کام آئیں گے دونوں
مادر کو جلائیں گے جو مر جائیں گے دونوں

ماموں نے انہیں دل کی طرح گود میں پالا
آقا کی رفاقت سے ہوئی قدر دوبالا
کیا دل میں نہیں اُن کے ولائے شہِ والا
پروان چڑھے نامِ خدا ہوش سنبھالا
منصف ہو کوئی یہ مرے سمجھانے کے دن ہیں
یا آپ سے ان دونوں کے مر جانے کے دن ہیں

مانع ہے جو پاسِ ادبِ سیدِ ابرار
کیا قصد ہے مجھ سے تو کریں دردِ دل اظہار
حیران ہوں آپس میں ہے کس بات پہ تکرار
مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھے ہیں ہتھیار
کھلتی ہیں نہ کریں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا منہ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

میرے لیے روتے ہیں تو بیجا ہے یہ زاری
ماموں پہ تصدق ہوں جو ماں ہے انھیں پیاری
مر جانے کی ہمت دے انھیں ایزدِ باری
میں گرد پھروں اُن کے جو منگوائیں سواری
بیٹا ہو بھتیجا ہو غنی ہو کہ گدا ہو
مجھ کو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

کیا زوجۂ مسلم کی بھی تھی نیک کمائی
شبیر کے جو کام بُرے وقت میں آئی
ممنون ہوئی احمدِ مختار کی جائی
رتبہ ملا عزت ملی توقیر بھی پائی
کس طرح نہ ہو مادرِ غمناک رضامند
چاروں سے ہوئے پنجتنِ پاک رضامند

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبِ جگر افگار
اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اک بار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عون نے گفتار
ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اُٹھاؤں
سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
زخمِ تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں
اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑیئے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونِ خوش اطوار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
بس آنکھوں کو مَل کے وہ رونے لگا یکبار
کی عرض سُنا آپ نے اے مادرِ غمخوار
کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہم نے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی منہ نہیں موڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
فرما کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا
ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹے ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں
اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں
میدان سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں راہِ عدم دور
نہ فوجِ ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دُنیا میں کوئی اور بھی ہے ہم سا دلاور — ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
اِک حملے میں گر ہم نہ اُلٹ دیں صفِ لشکر — پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
شہ کے قدمِ پاک پہ سر دے کے پھریں گے — یا رَن سے سرِ شمر و عمر لیکے پھریں گے

بیٹوں کے سخن سُن کے یہ کہنے لگی زینبؑ — ہاں دیر کا باعث یہی تھا مجھ پہ کھلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب — ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہی تھیں کب
جس کام کے تم ہو یہ اُسی کام کا دن ہے — کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

اُس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو — جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو — سرداروں کے سر چھوٹی سی تیغوں سے اُتارو
باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شر پر — اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پہ

جاتے تھے مہم پر جو کبھی احمدِ مختار — اور لشکرِ اسلام پہ چڑھ آتے تھے کفار
کرتے تھے وغا ایک طرف جعفرِ طیار — لڑتے تھے علیؑ ایک طرف کھینچ کے تلوار
مشکل نہیں کچھ فوجِ دغاباز سے لڑنا — صدقے گئی تم بھی اُسی انداز سے لڑنا

اِک شیر سا نیزوں کے نیستاں میں در آئے — اِک برچھیوں والوں کے پرے خوں میں بھر آئے
جس شامی پہ تلوار پڑے دو نظر آئے — لڑتا ہوا اک جائے اُدھر اک ادھر آئے
میداں میں جری نام پہ دیتے ہیں سر اپنا — ایک ایک الگ لڑکے دکھا دو ہنر اپنا

حلقے میں اگر ایک کو لیں برچھیوں والے — ایک بھائی اُسے دوڑ کے نرغے سے نکالے
تم اُس کے مددگار رہو وہ تم کو بچالے — اِک دم لے تو اک بڑھ کے لڑائی کو سنبھالے
شیرانہ رہے ایک دلیرانہ رہے ایک — جب بھیڑ پڑے ایک کا پروا نہ رہے ایک

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیرِ اجل آئے — چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
قاصر ہو نہ ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے — چھاتی نہ ہٹے سینہ پہ برچھی کا جو پھل آئے
ڈگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں — شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے
جل جائے وہ صف وار جدھر تیغ کا پھل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے
مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
لشکر پہ چپ و راس چڑھے جائیو واری
روکے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو واری

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں
سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں
ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں کی صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھونگی لڑائی کا تماشا

دیکھوں تو پرا زیر و زبر کر دیا کس نے
دو حملوں میں اس جنگ کو سر کر دیا کس نے
خوں میں عمرِ سعد کو تر کر دیا کس نے
تلواروں میں سینے کو سپر کر دیا کس نے
سر تن سے بہت کون سے دلدار نے کاٹے
چار آئینے کس شیر کی تلوار نے کاٹے

نیزے کے ہلانے کا تو فن سیکھے ہو واری
اکبرؑ سے لڑائی کا چلن سیکھے ہو واری
تقریر شہنشاہِ زمن سیکھے ہو واری
عباسؑ سے اندازِ سخن سیکھے ہو واری
تعریف کریں ڈر کے تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم بند نہ ہونا

پیاسے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر
پانی تمھیں دیں شمر سے مل جاؤ جو آکر
دیجو یہ جواب اُن کو کہ اے قوم بداختر
اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدمِ شہ پہ گریں گے
پانی کے لیے قبلۂ عالم سے پھریں گے

غصے سے میں کہتی ہوں خبردار خبردار
پانی جو پیا دودھ نہ میں بخشونگی زنہار
کیوں جاؤ اُدھر کیا تمھیں دریا سے سروکار
وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
یہ شہد میں لذت ہے نہ پانی میں مزا ہے

دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشقِ شبیر
اللہ نے بخشی ہے تمھیں عزت و توقیر
جیتے نہ پھرو گے یہ قسم کھاتی ہوں واری
کم سن ہو بہت اس لیے سمجھاتی ہوں واری

مجھ کو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے
میدان میں عاجز سپہ شام ہو تم سے
سرسبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے
حیدر کی طرح رونقِ اسلام ہو تم سے
پھر بیاہ ہو مہلت جو اجل ابھی برس دے
اللہ انھیں چھوٹی سی تلواریں جس دے

فرما کے یہ ارشاد کیا اے مرے پیارو
خلعت تو میں لے آؤں یہ ملبوس اُتارو
عمامے رکھو فرق پہ زلفوں کو سنوارو
دولہا سا یہ ماں تم کو بنا لے تو سدھارو
غمخوارئ فرزندِ ید اللہ کا دن ہے
مہندی کی یہی شب ہے یہی بیاہ کا دن ہے

آخر انھیں زینب نے وہ پوشاک پہنائی
آگے ہی سے جو بیاہ کے خاطر تھی بنائی
منہ دوسرے بھائی کا لگا دیکھنے بھائی
ماں گرد پھری اور سخن لب پہ یہ لائی
روؤں گی مگر شاد بھی اس آن تو ہو لوں
پروان چڑھے آؤ میں قربان تو ہو لوں

چہروں کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری
پھر کا ہے کو شکلیں نظر آئیں گی تمہاری
اُس وقت تو بیٹوں پہ بھی رقت ہوئی طاری
سر رکھ دیا مادر کے قدم پر کئی باری
ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

منہ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینب نے کیے پاک
سب اہلِ حرم رونے لگے با دلِ غمناک
فرمانے لگی خواہرِ سبطِ شہِ لولاک
بیٹے مرے پہنے ہوئے ہیں بیاہ کی پوشاک
سُن لیں نہ کہیں شاہ یہ کیا ہوتا ہے لوگو
شادی میں کسی کی بھی کوئی روتا ہے لوگو

مجرے کیے دونوں نے جو جھک جھک کے برابر
سب بی بیاں کہنے لگیں اے شاہ کی خواہر
سہرے بھی ذرا باندھ دو دونوں کے سروں پر
بیٹوں نے کہا شرم سے گردن کو جھکا کر
صندوق سے اماں نہ ابھی لائیو سہرے
اب بیٹوں کے تابوت پہ بندھوائیو سہرے

گھبرا کے سکینہ نے کہا کیا ہے میں قربان
شاید ہے مرے بھائیوں کے بیاہ کا سامان
اچھا ہوا مدت سے یہی تھا مجھے ارمان
میں باندھوں گی دستاروں پہ سہرا کو پھوپھی جان
حق ہے مرا جھگڑا میں کیے بن نہ رہوں گی
خوش ہو کے نیگ لیے بن نہ رہوں گی

صد شکر کہ دن یہ مجھے قسمت نے دکھایا
جو ساتھ ہی ان دونوں کو نوشاہ بنایا
اس بیاہ میں صغرا کو وطن سے نہ بلایا
شربت کے لیئے پانی بھی پایا کہ نہ پایا
پیاسی ہوں بہت عرض کروں کچھ جو رضا دو
لونگ کے بدلے ہمیں پانی ہی پلا دو

بانو نے سکینہ سے کہا چپ رہو واری
ہوتی ہیں خجل تم سے پھوپھی جان تمہاری
میداں کی طرف جاتی ہے بیٹوں کی سواری
شادی نہیں ماتم ہے کرو گریہ و زاری
فدیہ انھیں دیتی ہیں شہ کون و مکاں کا
کیا کہتی ہو تم بیاہ کہاں نیگ کہاں کا

کچھ سوچ کے اتنے میں اٹھی بنت ید اللہ
بیٹوں کو چلی لے کے حضور شہ ذیجاہ
روتے ہوئے سب اہل حرم بھی ہوئے ہمراہ
عباس سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہیں زینبؑ
کیا بیٹوں کو رخصت کے لیئے لائی ہیں زینبؑ

بس اتنے میں آئی شہ مظلوم کی خواہر
بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گرد برابر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبط پیمبر
صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قربان میں تم پر
قسمت سے یہ دو نور نظر پائے ہیں تم نے
ہتھیار انھیں کے لیئے بندھوائے ہیں تم نے

واللہ مری جان ہیں فرزند تمہارے
ہیں برج شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
ہے مجھ کو گوارا کوئی ان پر مجھے وارے
یا اکبر و اصغر سے سوا ہیں مجھے پیارے
ہاتھوں سے نہ کھونا کہ شجاع ازلی ہیں
یہ جوشن بازوئے حسین ابن علی ہیں

زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے سید ابرار
کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار
باپ ان کا نمک خوار ہے یہ بھی ہیں نمکخوار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے

آپ ان کو سمجھتے ہیں بجائے علی اکبرؑ
یہ دونوں ہیں خاک کف پائے علی اکبر
پیارا ہے مجھے کون سوائے علی اکبر
سو ایسے پسر ہوں تو فدائے علی اکبر
اللہ سلامت مرے اس لال کو رکھے
دنیا میں خدا آپ کے اقبال کو رکھے

بیٹوں کی محبت سے میں کہتی نہیں یا شاہ
نہ باپ کی ایسی ہو محبت نہ مری چاہ
قایم رہیں ماموں یہ دعا کرتے ہیں دونوں
اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی
میں پہلے کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے تھے دونوں
سو آپ سے میں عرض یہ کرتی ہوں بھائی
ساتھ اُن کو وطن سے میں اسی واسطے لائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
کچھ اُن کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی
دُنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی
جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
کچھ عذر کیا چاہتے تھے سید ابرار
قربان گئی اب تو نہایت ہوئی تکرار
بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
کس دن کے لیئے ہیں یہ غلامان وفا کیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجیے پس و پیش
آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو
یہ سن کے بہت روئے شہ صابر و شاکر
اچھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر
منظور یہ تنہا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے

زہراؓ کی قسم مجھ کو بہ حق اسداللہ
کہتے ہیں فقط آپ کے عاشق ہیں یہ واللہ
سوتے میں بھی حضرت کا یہ دم بھرتے ہیں دونوں
تشویش میں تا صبح انھیں نیند نہ آئی
کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
سمجھاتی میں کیا خود مجھے سمجھاتے تھے دونوں
حضرت بھی گوارا کریں اب اُن کی جدائی
ہوتی ہے بُرے دن کے لیئے نیک کمائی
اِن دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے
گو ہر کوئی جز جوہرِ عزت نہیں رکھتی
محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی
سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
محروم نہ رکھیئے کہ سخی کی ہے یہ سرکار
نادار کا ہدیہ نہیں رد کرتے ہیں بھائی
میداں میں شجاعت یہ دکھائیں گے کم و بیش
نانا سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہر دل ریش
وہ بات نہ کیجیۓ کہ مری دِل شکنی ہو
فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر
زینبؓ ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
دو اور جواہر یہ چلے ہاتھ سے میرے

اِک دل ہے سو کس کس کا بھلا داغ اُٹھائے
اب خود متردد ہوں کہ جلدی اجل آئے
روکے کسے یہ خستہ جگر کس کو بچائے
جو بچھڑے سو بچھڑے جسے جانا ہو سو جائے
کچھ غم نہیں گو راہِ عدم خوف کی جا ہے
پیچھے جو رہے جاتے ہیں اُن کا بھی خدا ہے

زینبؑ نے اشارہ کیا آداب بجا لاؤ
لو گرد پھرو ماموں کے سر پاؤں پہ نہوڑاؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ
میں پیار تو کر لوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ
گھر باپ کا ویران کیے جاتے ہو پیارو
زینت مرے لشکر کی لیے جاتے ہو پیارو

وہ پاؤں پہ گرنے کے لیے دوڑ کے آئے
شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
منھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے
خیمے سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے
کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ
سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی جاتی تھی زینبؑ

ڈیوڑھی میں جو پہونچی تو کہا عون سے رو کر
ٹھہرو کہ پھرا لوں تمھیں گردِ علی اکبرؑ
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر
تم جاکے نہ ہو آئے نثارِ علی اصغرؑ
لازم نہیں وہ بات کہ ماں جس میں خفا ہو
صدقہ تمھیں دیتی ہوں کہ رد اُن کی بلا ہو

ہمشکلِ پیمبرؐ پہ ہوا عون تو قربان
چھوٹے نے کہا دستِ ادب جوڑ کے اُس آن
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں نہ تھا دھیان
اولاد پہ ماموں کی تصدق ہے مری جان
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغر پہ ہمیں واریو اماں

یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہرو
اُس وقت تو دل پہ نہ رہا شاہ کا قابو
بس بیٹھ گئے خاک پہ بہنے لگے آنسو
چلاتی تھی پردے سے لگی زینبِ خوشخو
دو روز کے پیاسو تمھیں اللہ کو سونپا
حیدر کے نواسو تمھیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کے چلن بھول نہ جانا
سیکھے ہو جو کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا
جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرات تو خداداد ہے اماں
تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے
گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے جو کاندھوں پہ رکھے بچوں نے بھالے
ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند سے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

سُرعت وہ سمندوں کی وہ چھل بل وہ طرارے
چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے
سُم ایسے کہ قدموں پہ فلک بدر کو وارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور اُتارے
اُڑ جانے کو افلاک پہ طیار رہی تھے
کیلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیار رہی تھے

گھوڑوں کی وہ شوکت وہ سواروں کا تجمل
غل تھا یہ جری ہیں پسر صاحبِ دُلدُل
قد ایک سے دو سرو ہیں رُخ ایک سے دو گُل
پایا ہے عجب زلفِ مسلسل نے تسلسل
اِن گیسوؤں میں نکہتِ مشکِ تتری ہے
سنبل کو بھی گلزار میں شور یدہ سری ہے

پیشانیاں روشن مہِ انور سے زیادہ
سجدوں کے نشاں نور میں اختر سے زیادہ
خم ابروؤں کے نشتر و خنجر سے زیادہ
پلکیں کہیں سر تیزی میں نشتر سے زیادہ
آفت میں غزالوں کو گرفتار کیا تھا
نرگس کو انھیں آنکھوں نے بیمار کیا تھا

لشکر میں یہ تھا شور کہ لیں دونوں نے باگیں
غل پڑ گیا شیر آتے ہیں کس سمت کو بھاگیں
جو بیٹھے ہیں اُٹھیں جنھیں غفلت ہو وہ جاگیں
یہ وہ ہیں جنھیں ہیں عمر و شمر سے لاگیں
دعویٰ ہے انھیں مثلِ علی صف شکنی کا
ہاں غازیو یہ وقت ہے شمشیر زنی کا

ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے سارے
بڑھ بڑھ کے نقیبانِ جفا کار پکارے
یہ شیر ہیں دونوں اسد اللہ کے پیارے
اسپ و زرہ جاگیر وہ لے جو انھیں مارے
پیچھے نہ ہٹو گو یہ جواں مرد بڑے ہیں
دو طفل کہیں لاکھ سواروں سے لڑے ہیں

یہ سنتے ہی بس چھوٹی سی تیغوں کو اُٹھا کر
ایک ایک سے دونوں نے کہا آنکھ ملا کر
تو ہم تو چلے آتے ہیں گھوڑوں کو بڑھا کر
روکے تو کوئی وار بھلا سامنے آ کر
کھینچی ہے جہاں تیغ وہاں کھیت پڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ تم سب سے بڑے ہیں

ہم سا بھی کوئی اور ہو دنیا میں جواں مرد
ہم وہ ہیں کہ رستم کی شجاعت ہو جہاں گرد

گرماتے ہیں گھوڑوں کو جو اپنے دمِ ناورد
ہو جاتا ہو بازارِ شجاعانِ جہاں سرد

لاشوں ہی سے میدان وغا پاٹ دیئے ہیں
اِک ضرب میں جبریل کے پر کاٹ دیئے ہیں

تلوار جنھیں حق نے عطا کی ہو وہ ہم ہیں
جن غازیوں نے دیں کی بنا کی ہو وہ ہم ہیں

خوجن میں شہِ عقدہ کشا کی ہو وہ ہم ہیں
دولت جو رسولِ دوسرا کی ہو وہ ہم ہیں

کیا عرشِ الٰہی پہ جگہ آج ملی ہو
کاندھے پہ نبیؐ کے ہمیں معراج ملی ہو

بُت توڑ کے کعبے کو صفا کر دیا کس نے
دم میں حق و باطل کو جدا کر دیا کس نے

عالم کو طلب گارِ خدا کر دیا کس نے
اسلام کی قوت کو سوا کر دیا کس نے

درِ کفر کا خالق کی عنایات سے توڑا
عزیٰ کا سرِ نحس و نجس لات سے توڑا

تقسیم ہوئی دولتِ دین گھر سے ہمارے
شاہوں کو ملا تاج و نگیں گھر سے ہمارے

ہو پیشِ نظر خلدِ بریں گھر سے ہمارے
تعلیم ہوا روحِ امیں گھر سے ہمارے

دیر آئے کہ مسکن تھا بہت دور ہمارا
آدم سے جو پہلے تھا وہ ہو نور ہمارا

خوشنود رہا ایزدِ باری اِسی گھر سے
سب سیکھ گئے شکر گزاری اسی گھر سے

کفار ہمیشہ رہے عاری اسی گھر سے
احکام ہوئے شرع کے جاری اسی گھر سے

آتے ہیں زباں پر وہی جو کلمۂ حق ہیں
ہم مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق ہیں

یوسف کو گرفتاریِ زنداں سے بچایا
یعقوبؑ کو تیغِ غمِ ہجراں سے بچایا

چاہی جو مدد نوح کو طوفاں سے بچایا
اندامِ خلیلؑ آتشِ سوزاں سے بچایا

کونین میں ہو آج تلک شور ہمارا
خیبر کا درُ اکھڑا تو کھُلا زور ہمارا

وہ کونسا لشکر تھا ظفر جس پہ نہ پائی
کفار نے خندق میں شکست آنے ہی کھائی

لاحد ہو اُحُدؐ والوں کو قوت جو دکھائی
اور بدرؐ کی بھی شمس سے روشن ہو صفائی

مشہور ہو فطرس پہ جو احسان کیا ہو
مشکل کو فرشتوں کی بھی آسان کیا ہو

بیر العلم اک چاہ ہے مابین بیاباں / واں کود پڑے تیغ پکڑ کر شہ مرداں
انساں کا تو کیا ذکر ہے جن ہوگئے بیجاں / جب لڑ نہ سکے وہ تو کیا سب کو مسلماں
جس سے نہ ذرا گھٹتے ہیں نہ بڑھتے ہیں جنات / اُس روز سے ابتک کلمہ پڑھتے ہیں جنات

زہرا سی تو نانی اسداللہ سا نانا / جس شیر کی تلوار کو سب خلق نے مانا
دادا وہ مقرجس کی شجاعت کا زمانا / ماموں شرفِ کون و مکاں عالم و دانا
ماں صبر میں اور زہد میں مریم سے زیادہ / کس کا ہے زمانے میں شرف ہم سے زیادہ

تیغوں کو جو کھینچیں تو صفیں دم میں اُلٹ جائیں / آگے جو بڑھیں ہم تو پرے فوج کے ہٹ جائیں
سرتن سے سواروں کے ہر اک ضرب میں کٹ جائیں / للکاریں تو شیروں کے کلیجے ابھی پھٹ جائیں
اُمت پہ کرو رحم یہ حکمِ شہِ دیں ہے / ناچار ہیں سبقت کا ہمیں حکم نہیں ہے

ہم کو بھی سمجھاتے ہوئے دور تک آئے / تب لڑیو کہ جب تم پہ کوئی ہاتھ اُٹھائے
راضی ہوں اگر جان مری جائے تو جائے / کوئی مرے نانا کی نہ اُمت کو ستائے
ناقہمی سے دشمن تو وہ ہر چند ہیں میرے / پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ فرزند ہیں میرے

کچھ ہٹ گئے کچھ رونے لگے سن کے یہ گفتار / تلواروں کو چمکا کے بڑھے کتنے جفاکار
تیروں کی اِدھر اور اُدھر سے ہوئی بوچھاڑ / حیدر کے نواسے بھی بڑھے کھینچ کے تلوار
تیر سے جو سواروں کے چھپے رن سے چمکے / دونیچے بھی پرچۂ الماس سے چمکے

چھوٹے نے بڑے سے یہ کہی بات کہ بھائی / ہر چند گوارا نہیں دم بھر کی جدائی
اس وقت الگ ہو کہ نہایت ہے لڑائی / امّاں نہ کہیں یہ کہ مری بات بھلائی
جو سامنے ہے کاٹ کے اِس فوج کی صف کو / میں داہنی طرف جاتا ہوں تم بائیں طرف کو

ارشاد کیا عون نے اللہ نگہبان / پر کیا کروں قالب میں رہے گی نہ مرے جان
ای جانِ برادر میں ترے عزم کے قربان / لاکھوں سے لڑائی ہے رہے چار طرف دھیان
تکبیر کی ہر بار صدا دیجیو بھائی / گھر جاؤ تو بھائی کو بُلا لیجیو بھائی

یہ کہہ کے کیئے دونوں طرف شیروں نے حملے
لہراتے تھے کاکل کی طرح دوش پہ شملے
کیا دخل تھا حلقے میں انہیں فوج ستم لے
ملتی نہ تھی مہلت کہ کوئی ٹھہر کے دم لے
بجلی کی طرح نیچے چل جاتے تھے دونوں
ہر صف کو قلم کرکے نکل جاتے تھے دونوں

آیا جو سوئے عون کوئی تیغ اُٹھا کر
دو کر دیا پہونچے کو بس اک ہاتھ میں جاکر
خم ہو گیا مردود سپر چہرے پہ لاکر
پھر خطِ شکست اُس پہ لکھا تیغ نے آکر
قرطاس سا پُرزے تنِ سفاک ہوا تھا
سر سینے تلک مثلِ قلم چاک ہوا تھا

آیا جو محمد کی طرف کوئی ستمگار
تلوار کو چمکا کے پکارے کہ خبردار
اتنے میں اُدھر سے تو ستمگر نے کیا وار
بجلی سی ادھر سے بھی چلی شبر کی تلوار
تیزاب کا اُس شعلۂ آتش میں اثر تھا
آنکھ اُس کی جھپک کر جو کھلی خاک پہ سر تھا

اِک شیر سا جاتا تھا جو شمشیر زنوں پر
اِک گھوڑے کو دوڑاتا تھا ناوک فگنوں پر
ہوتی تھی فدا روحِ علی صف شکنوں پر
نہ واں نظر آتے تھے نہ یاں سر بدنوں پر
اُن تیغوں سے سب فوج نے منہ پھیر لیا تھا
دو لاکھ کو دو بجلیوں نے گھیر لیا تھا

وہ لڑکے جو نکلا تو یہ لشکر میں در آیا
لاکھوں تھے مگر ایک نہ جرأت میں بر آیا
مارا اُسے اُس نے جو ادھر سے اُدھر آیا
بھاگا جو ادھر سے وہ اُدھر دو نظر آیا
تھی ساتھ اجل اُن کے جہاں بھاگ کے جاتے
گرتی ہوئی بجلی سے کہاں بھاگ کے جاتے

چُن چُن کے نمودار ستمگاروں کو مارا
لشکر کے علم کاٹ کے سالاروں کو مارا
پیدل جو گریزاں ہوئے اسواروں کو مارا
تیروں کو قلم کرکے جفاکاروں کو مارا
عقدہ جو پڑا ناخنِ تدبیر سے کھولا
نیزے کے ہر اک بند کو شمشیر سے کھولا

غل میں جو نہ بھائی کو صدا بھائی کی آئی
دونوں کے کلیجوں پہ چلی تیغِ جدائی
چھوٹے نے بڑے بھائی کو آواز سُنائی
کیا حال ہے جیتے ہو کہ مارے گئے بھائی
بڑھ بڑھ کے ہٹاتے ہیں بہت اہلِ ستم کو
تصویر تمہاری نظر آتی نہیں ہم کو

قربان برادر مجھے بتلاؤ کہاں ہو
کس غول میں کس فوج میں کس صف میں نہاں ہو
لب سوکھ گئے ہوں گے بہت تشنہ دہاں ہو
میداں میں ہو یا نہر پہ یاں ہو کہ وہاں ہو
غش آیا ہے یا جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
آواز دو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

بس اتنے میں مہلت ستم ایجادوں نے پائی
نیزے کی انی پشتِ محمدؐ پہ لگائی
جس وقت سناں سینے سے باہر نکل آئی
چلایا کہ لو ہم تو چلے خلق سے بھائی
اللہ کس آفت میں مجھے چھوڑ دیا ہے
نیزے نے کلیجے کو مرے توڑ دیا ہے

لڑنے میں سنی بھائی نے جو بھائی کی آواز
نزدیک تھا یہ روح کرے جسم سے پرواز
گھوڑے کو اٹھا کر وہ چلا صورتِ شہباز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
حائل تھیں صفیں نہ ورسے تلوار کے نکلا
روکا اسے جس نے وہ اسے مار کے نکلا

بھائی کے تجسس میں نہ تھا بھائی کو کچھ ہوش
الفت کا بھی تھا جوش شجاعت کا بھی تھا جوش
چلاتا تھا ای غنچہ دہن سبز قبا پوش
آواز سنا کر ہمیں کیوں ہوگئے خاموش
ماں سے ہمیں شرمندہ کیے جاؤگے بھائی
کیا ساتھ نہ بھائی کو لیے جاؤگے بھائی

ہر دم یہ دعا تھی وہ دلاور نظر آئے
مظلوم برادر کو برادر نظر آئے
حلقہ کیے اِک جا پہ ستمگر نظر آئے
ہاتھوں میں چمکتے ہوئے خنجر نظر آئے
آلودہ لہو میں تنِ صد پاش کو دیکھا
ریتی میں تڑپتے ہوئے اک لاش کو دیکھا

زانو کو دھرے ننھی سی چھاتی پہ ستمگر
کرتا ہے ارادہ کہ کرے تن سے جدا سر
وہ کہتا ہے ہاتھ اپنے دمِ تیغ پہ دھر کر
میں بھائی سے مل لوں تو پھرا حلق پہ خنجر
ہم ساتھ چلے مرنے کو ساتھ آئے وطن سے
بے اُن کے ملے جان نہ نکلے گی بدن سے

جس وقت سنی عون نے بھائی کی یہ تقریر
خنجر تو چلا دل پہ کلیجے پہ لگا تیر
گھوڑے سے تلے کود پڑا پھینک دی شمشیر
آغوش میں لی دوڑ کے وہ چاند سی تصویر
اِک جا جو بچھڑ کر ہوئے ماں جائے برادر
دونوں نے گلے مل کے کہا ہائے برادر

کہتا تھا بڑا اے مرے جانی مرے پیارے
زخمی تری اس چھاتی پہ کوئی نہ مجھے وارے
منہ سے نکل آئی ہے زباں پیاس کے مارے
اعضا تو ہوئے جاتے ہیں کچھ سرد تمہارے
کیا بھائی لبِ لعل کو کھولا نہیں جاتا
کرتا تھا اشارا وہ کہ بولا نہیں جاتا

ناگاہ بڑھا شمرِ لعیں فوج کی صف سے
وعدہ کیا خلعت کا ہر اک تیغ بکف سے
دونوں پہ چلے تیرِ ستم چار طرف سے
آنے لگی فریاد کی آواز نجف سے
غل تھا کہ نواسوں کو علیؑ کے اجل آئی
سر کھولے ہوئے قبر سے زہرا نکل آئی

پڑنے لگی معصوموں پہ تلوار پہ تلوار
کٹ کٹ کے وہ چھوٹے سے عمامے ہوئے گلنار
جب چھاتیوں سے ہوتی تھی نیزے کی انی پار
تن تن کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدرِ کرار
ملتے تھے گلے پیار سے منہ چوم رہے تھے
لپٹے ہوئے شیروں کی طرح جھوم رہے تھے

نیزے کو جو دونوں پہ کوئی تول کے آتا
گھبرا کے تب اک بھائی کو اک بھائی بچاتا
پاس آکے جو چھوٹے پہ کوئی تیغ لگاتا
چھاتی کے تلے اس کو بڑا بھائی چھپاتا
لیتے تھے سپر منہ پہ نہ ہٹ جاتے تھے دونوں
تلواروں سے اٹھ اٹھ کے لپٹ جاتے تھے دونوں

تلوار لگانے جو لگا ایک ستمگر
چھوٹے نے رکھا ہاتھ بڑے بھائی کے سر پہ
ہیہات کہ ہاتھ اس کے گرے خاک پہ کٹ کر
دو ٹکڑے ہوا تا بہ جبیں عونؑ کا بھی سر
اس کو تو ملا حیدرِ کرار کا رتبہ
ہاتھ آیا اسے جعفرِؑ طیار کا رتبہ

غل طبلِ ظفر کا صفِ دشمن میں ہوا جب
پردے سے لگی رن کی طرف دیکھنے زینبؑ
اور کہتے تھے سر کھولے ہوئے اہلِ حرم سب
زینبؑ کی کمائی کو بچا لیجیو یا رب
وہ کہتی تھی دنیا سے سفر کر گئے دونوں
تم جن کی دعا کرتے ہو وہ مر گئے دونوں

میں خوب سمجھتی ہوں یہ ماتم کے ہیں انداز
جنت کو سدھارے مرے صفدر مرے جانباز
دونوں ہوئے خلعت سے شہادت کے سرافراز
صاف آئی ہے ماں کی نہ مجھے رونے کی آواز
آثار ہیں فریادِ رسولِؐ دوسرا کے
نعروں کو میں پہچانتی ہوں شیرِ خدا کے

ہے ہے مرے پیارو جو صدا آئی ہو ہر بار
یہ روتے ہیں پوتوں کے لیئے جعفر طیار
لوگو کوئی دیکھو تو کدھر ہیں شہ ابرار
عباسؑ سے کہدو مرے بھائی سے خبردار
ہنگامہ ہو واں برچھیاں کھانے کو نہ جائیں
رن سے ابھی لاشوں کے اُٹھانے کو نہ جائیں

بس اتنے میں فضہ نے یہ کی آن کے تقریر
لو دونوں کی لاشیں تو لیئے آتے ہیں شبیرؑ
گھر لُٹ گیا ہے ہے مری شہزادی کی تقدیر
نزدیک تھا غش کھا کے گرے زینبؑ دلگیر
یہ بھی نہ کہا آئے پسر فوج سے لڑ کر
چپ رہ گئی ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر

شہ لاشوں کو چھاتی سے لگائے ہوئے آئے
دونوں کو عبا اپنی اُڑھائے ہوئے آئے
آنسو رُخ انور پہ بہائے ہوئے آئے
زینبؑ کے قریں سر کو جھکائے ہوئے آئے
فرمایا بہن اب انھیں آغوش میں لو تم
دو شیر مرے مر گئے پُرسا مجھے دو تم

وہ بولی کہ ہے ہے یہ نہ فرمائیے بھائی
حضرت کے کہاں لال کہاں میری کمائی
کونین میں عزت مرے فرزندوں نے پائی
گر جان غلاموں نے گنوائی تو گنوائی
ماتم کا بھرے گھر میں نہ سامان کرونگی
لاشوں کو بھتیجوں پہ میں قربان کرونگی

اکبرؑ جیئے کیوں پیٹ کے میں سر انھیں روؤں
ہو نیند میں اصغر کی خلل گر انھیں روؤں
بھائی یہ نہ ہوگا کہ میں مضطر انھیں روؤں
دیکھوں انھیں یا گود میں لیکر انھیں سوؤں
اِن دونوں کا ماتم تو نہ زنہار کرونگی
ہاں آپ کے فدیہ ہیں انھیں پیار کرونگی

پھر گود میں لاشوں کو لیا ہاتھ پہ بڑھ کر
لپٹا کے گلے پیار سے زانو پہ رکھا سر
سیدانیوں کے رونے سے برپا ہوا محشر
تھا شور کہ لوٹی گئی شبیر کی خواہر
سب روتے تھے کچھ منھ سے نہ فرماتی تھی زینبؑ
غش آتا تھا جب لاشوں پہ جھک جاتی تھی زینبؑ

مخدومۂ عالم کی صدا آئی یہ اُس آن
میں آئی ہوں پُرسے کے لیئے با سر عریاں
فرزندوں کو جی کھول کے رو لو ترے قرباں
ایسا نہ ہو گھُٹ گھُٹ کے نکل جائے تری جاں
اولاد کسی کی نہ جدا ہوئے کسی سے
بیٹی کوئی اس داغ کو پوچھے مرے جی سے

زہرا کی صدا سن کے پڑا اور بھی کہرام
خاموش انیس اب کہ نہیں طاقتِ ارقام
حالِ شہِ دیں نظم کیا کر سحر و شام
اس کام سے بہتر نہیں دنیا میں کوئی کام
عزت مری اللہ کو منظورِ نظر ہے
شبیر کے مداح کا فردوس میں گھر ہے

رباعی

احباب لحد تلک تو پہونچائیں گے
کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل
تب عقدہ کشائی کو امام آئیں گے

ایضاً

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اترا
نہ شرع چڑھی کوئی نہ پردا اترا
تھا کشتیِ احمد سے علاقہ جس کو
دریا سے سلامت وہی بیڑا اترا

ایضاً

کفار کا لشکر لبِ دریا اترا
جو مالکِ کوثر تھا الگ جا اترا
گھوڑے سے جو کربلا میں اترے شبیر
غل تھا کہ زمیں پہ عرشِ اعلیٰ اترا

ایضاً

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے
جرات واجب ہے کج کلاہی کے لیے
لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیغ زباں
تلوار ضرور ہے سپاہی کے لیے

ایضاً

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
کب ٹلتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ رے تیرے سخن کی تاثیر انیس
رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

مرثیہ (۸)

جب حضرت زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں
تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑا کر گئے دونوں
دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں
زہرا کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؑ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینب

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی
نہ روئی نہ ماتم کیا نہ خاک اُڑائی
مُنھ سے نہ کہا یہ کہ لُٹی کس کی کمائی
پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
سمجھی نہ کہ دُنیا سے یہ پیاسے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

فرزندوں سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا
جن بیٹوں کی عاشق تھی انھیں بھائی پہ وارا
بے دم ہوئے دو لعل پہ دم اُس نے نہ مارا
پوچھا نہ کہ جنت کی طرف کون سدھارا
چادر نہ گری سر سے نہ چیں آئی جبیں پر
دو شکر کے سجدے کیے جھک جھک کے زمیں پر

پُرسے کے لیے آئیں جو سب بی بیاں باہم
فرمایا بھرے گھر میں مناسب نہیں ماتم
ہاں ہو نہ کرو صاحبو کچھ مجھ کو نہیں غم
مانگو یہ دعا خلق میں بھائی کا رہے دم
کونین میں رُتبے مرے پیاروں کے بڑھے ہیں
میں جانتی ہوں آج وہ پروان چڑھے ہیں

کچھ قاسم و اکبر سے سوا اُن کا نہ تھا پیار
کیوں روؤں سلامت رہیں دونوں مرے دلدار
سو اپنے پسر ہوں تو نثارِ شہِ ابرار
میں شاد ہوں رحم اُن پہ کرے ایزدِ غفار
جب تک نہ وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلق تھا
حق بھائی کا مجھ پر تھا تو اُن پر مرا حق تھا

تھی مجھ کو بڑی فکر کہ کیا ہوگا الٰہی
پر دونوں نے جو بات کہی تھی وہ نباہی
مرتے نہ پسر آج تو تھی ماں پہ تباہی
میں کہتی تھی جو ہوتا تھا میدان کو راہی
سر دینے کو رَن میں نہ شہِ جن و بشر جائیں
میں نے تو دعا کی تھی کہ پہلے ہی مر جائیں

کہتے ہیں بڑا نام کیا خوب وغا کی
ہر ضرب پہ خود قبلۂ عالم نے ثنا کی
سنتی ہوں کہ اُلٹ دی تھیں صفیں اہلِ جفا کی
ہیں ایسی نہ تھی کچھ یہ عنایت ہے خدا کی
ہاں صاحبو ہمت تھے وفا کر گئے دونوں
حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

مرنا تمہیں دونوں کا مبارک کرے اللہ
پائیں ظفر اس لشکرِ کیں پر شہِ ذیجاہ
قاسم کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ
اب دھوم سے اپنے علی اکبرؑ کا کروں بیاہ
تم روؤ نہ ماں ہو کے میں روتی نہیں لوگو
اکبرؑ سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

۹۹
جب مر چکے زینب کے پسر فوجِ ستم میں
اور گلشنِ ہستی سے گئے باغِ ارم میں
تاریک جہاں تھا نظرِ شاہِ امم میں
زینبؓ نے بُرا حال کیا بیٹوں کے غم میں
چلاتی تھی دولت مری سب لُٹ گئی لوگو
پردیس میں فرزندوں سے میں چھٹ گئی لوگو

ان باتوں پہ زینب کی حرم کرتے تھے ماتم
میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
کچھ مشورہ تھا اکبر و عباسؑ میں باہم
قاسم کا ارادہ تھا کہ لیں ان کی رضا ہم
ہر شدتِ گریہ سے نہ یارا تھا سخن کا
منہ ماں کا کبھی دیکھتے تھے گاہ دلہن کا

مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری
چپکے رہو گھونگھٹ میں دلہن کرتی ہے زاری
کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں پیاری
کچھ آپ سفارش کریں اب اُن سے ہماری
اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذنِ وغا دیں
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

رخصت کا سخن منہ سے نکلتا نہ ہمارے
فرزند پھوپی جان کے دنیا سے سدھارے
کچھ منہ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے
حوریں ہمیں غرفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
کیا دیکھتے ہو پیار سے صورت کو دلہن کی
اب سیر کرو اُٹھ کے شہادت کے چمن کی

ہر چند نہیں دل کو فراق اُن کا گوارا
جو خواہشِ مقصد ہے کچھ اس کا نہیں چارا
واللہ کہ صدمے سے کلیجہ ہے دوپارا
کس وقت میں افسوس ہوا بیاہ ہمارا
کیا راحت و آرام میں جلدی خلل آیا
باتیں بھی نہ کی تھیں کہ پیامِ اجل آیا

غش ہوگئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر
خاموش تھی گھونگھٹ میں دلہن صورتِ تصویر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
جوں شمع لگی آتشِ غم فرق سے تا پا
تصویر بنی غم کی دلہن بن کے سراپا
پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈسالہ ہے تن میں
آنکھوں کو رنڈاپے کا نظر آگیا ساماں
خود ہوگئے سب گوندھے ہوئے بال پریشاں
وہ رشکِ چمن غم سے جو سرگرمِ فغاں تھی
غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی
کچھ منہ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ نازوں کی پالی
آ پڑتے تھے اشک آنکھوں سے رخساروں پہ ڈھل کر
زانو پہ جھکا جاتا تھا سر شرم کے مارے
وہ کہتی تھی اب ناک سے نتھ کوئی اتارے
اس تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو
کھولو اسے کنگنے سے بس اب ہاتھ اٹھایا
بیٹی کو رنڈاپے کی مصیبت میں پھنسایا
مرجانے کی رخصت کے طلبگار رہیں مجھ سے
اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کیا چاہیئے زیور
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر
کیا کہیئے مقدر تھا عجب واہ ہمارا

بانو نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
دولھا کا سخن سن کے کلیجے پہ لگا تیر
کچھ منہ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے
رنگ اڑنے لگا چھا گیا چہرے پہ رنڈاپا
پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
کنگنے سے یہ ثابت تھا کلائی ہے رسن میں
سینے پہ چلی وصل میں تیغِ غمِ ہجراں
ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں
ہر آہ میں سہرے کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی
اب سر پہ رنڈاپے کی بلا چرخ نے ڈالی
یہ ہونٹھ چبائے کہ اڑی پان کی لالی
رہ جاتی تھی وہ مہندی لگے ہاتھوں کو مل کر
سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
رو رو کے سکینہ سے یہ کرتی تھی اشارے
سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لاکے پنہا دو
کیوں ہائے یہ کنگنا مجھے اماں نے پنہایا
کیا اُن کا بگاڑا جو دلہن مجھ کو بنایا
سونپا تھا جنھیں وہ بھی تو بیزار ہیں مجھ سے
کالی کفنی بر میں ہو اور نیلی سی چادر
قسمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہروں میں در در
جنت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

دولھا نے جو دیکھا کہ دلھن غم سے ہے مضطر　　چلنے لگے سینے پہ غم و درد کے خنجر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور　　جھک کر کہا زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر
للہ نہ رو دو تمھیں سمجھاتے ہیں صاحب　　کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

اب پھر کے نہیں آنے کے ہوتی ہے جدائی　　حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
تقدیر نے آئینہ میں صورت تو دکھائی　　پھر شان نہ اس مصحفِ رخ کی نظر آئی
لب بند ہی رکھے درِ گفتار نہ کھولا　　ان نرگسی آنکھوں کو پھر اک بار نہ کھولا

کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم　　راحت ہے خوشی سے جو گزر جائے کوئی دم
اک آن میں صحبت یہ کہاں اور کہاں ہم　　ہو جائے گا شادی کا مکاں خانۂ ماتم
زندانِ مصیبت تمھیں رونے کو ملے گا　　اور گوشۂ تربت ہمیں سونے کو ملے گا

تلواروں سے واں جسم مرا ہوئے گا صد چاک　　لوٹیں گے عدو آن کے یاں بیاہ کی پوشاک
بھر جائے گی اس مانگ میں صندل کے عوض خاک　　کنگنا نہ کھلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک
خنجر مری گردن سے کوئی دم کو ملے گا　　رنڈسالہ نہ تم کو نہ کفن ہم کو ملے گا

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمھیں گھر سے نکلتے　　سائے کی طرح پاس سے اک آن نہ ٹلتے
اس گل سے کفِ پا سے سدا آنکھوں کو ملتے　　کیا کیجیے ہیں تیر چچا جان پہ چلتے
سو بار ہوں صدقے تو نہ حق ان کے ادا ہوں　　مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے　　عمو تو اکیلے ہیں ادھر فوج کھڑی ہے
دنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے　　دل پاس تمھارے ہے ادھر جان لڑی ہے
کیا جانیے کیا وقتِ اجل ہوئے گی مشکل　　رخصت ہمیں اب دوگی تو حل ہووے گی مشکل

اک جانِ ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے　　سنتا ہوں میں عباس کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاس محبت ہے تو واں جائے ادب ہے　　فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو　　الفت تو ادھر کھینچتی ہے موت ادھر کو

چلاتی ہیں زہرا مرے گل پیرہن آؤ
سہرا مجھے دکھلانے کو ابن حسنؑ آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صف شکن آؤ
اس بیاہ کے خلعت کو بنا کر کفن آؤ
بجھتا ہے چراغ آج محمدؐ کی لحد کا
اے لال یہی وقت ہے عمو کی مدد کا

جس وقت سنی درد کی تقریر یہ ساری
تا دیر تو بولی نہ دلھن شرم کی ماری
دولھا نے رکھا پاؤں پہ جب سر کئی باری
آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری
سمجھی ہیں بس اب مجھ کو نہ سمجھائیے صاحب
کیا زور مرا خیر سے چلے جائیے صاحب

ہے آپ کو منظور مرا رانڈ بنانا
اس آیا نہ صاحب کو مجھے بیاہ کے لانا
آنا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا
روکوں تو کہو گے مرے کہنے کو نہ مانا
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات
دولھا نے کہا حشر میں اب ہوگی ملاقات

کبریٰ نے کہا میں تمہیں واں پاؤں گی کیونکر
وہ بولے کہ آنا طرف چشمۂ کوثر
ہوگا وہیں پیاسا شہ مظلوم کا لشکر
زہرا بھی وہیں ہونگی وہیں ہونگے پیمبر
صف ہو گی فرشتوں کی در باغ ارم تک
حوریں تمہیں پہونچائیں گی فردوس میں ہم تک

فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال
بولی نہ دلھن کچھ پہ ہوا ماں کا عجب حال
چلائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال
فریاد ہے مجھ رانڈ کی کھیتی ہوئی پامال
پردیس میں چھوڑے چلے جاتے ہیں دلھن کو
اے بی بیو روکو کوئی فرزند حسنؑ کو

واں پرسے کو زینبؑ کے جو تھے جمع حرم سب
غل پڑ گیا لو اور قیامت یہ ہوئی اب
کبریٰ کو رنڈاپے سے بچا لیجیو یا رب
بیٹھا نہ گیا اٹھ کے لگی پیٹنے زینبؓ
بیٹی کے لیے غم سے موئی جاتی تھی بانو
بچے کو لیے گود میں تھراتی تھی بانو

سب خیمۂ قاسم میں جو آئے بدل زار
دولھا نظر آیا انھیں باندھے ہوئے ہتھیار
رخصت ہوا مادر سے یہ کہہ کر وہ دل افگار
اس وقت رہیں آپ ذرا ان سے خبردار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھائیو ان کو
لاش آئے جو میری تو نہ دکھلائیو ان کو

ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور — عباسؑ سے فرمایا کہ ای جانِ برادر
قاسم سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہی مقدّر — رانڈ اب ہوئی اک رات کی بیاہی مری دختر
اب صبر ہو کیونکر دلِ مضطر سے ہمارے — بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ — کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجیئے للّٰہ
لپٹا کے گلے سے اُسے شبیر نے کی آہ — فرمایا کہ رخصت ہی بڑا صدمۂ جانکاہ
پر خیر چچا بیکس و مجبور ہی بیٹا — جاؤ یہی اللہ کو منظور ہی بیٹا

میں دیکھتا تھا تم کو جو یاد آتے تھے بھائی — گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں شادی بھی دکھائی — تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجل آئی
کیا جانتے تھے ہاتھ سے یوں کھوئیں گے تم کو — تم ہم کو نہ روؤ گے ہمیں روئیں گے تم کو

مرنے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے — سائے میں پلے دھوپ میں جلنے کے دن آئے
مرجھائے جو سہرے کے نکلنے کے دن آئے — رُت پھر گئی جب پھولنے پھلنے کے دن آئے
افسوس مزا عالمِ فانی کا نہ دیکھا — کچھ تم نے ثمر باغِ جوانی کا نہ دیکھا

صدقے ہو چچا پاس تو آ مرے پیارے — بیتاب ہی دل گرد پھروں گا میں تمھارے
وہ پاؤں پہ حضرت کے جھکا شرم کے مارے — لپٹا کے گلے سے شہِ والا یہ پکارے
دے صبر الٰہی کہ قرار آئے جگر کو — امت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

بیٹی کے رنڈاپے کا بھی کچھ مجھ کو نہیں غم — خوشنود اگر تو ہی تو شادی ہی یہ ماتم
ہی لطف ترا زخمِ جگر کا مرے مرہم — مقبول مری نذر ہو ای خالقِ عالم
ہر چند کہ ہدیہ ہی یہ کیا اور میں کیا ہوں — سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

یہ کہہ کے کیا چاک بھتیجے کا گریباں — فرمایا کفن ہی یہی پوشاک مری جاں
ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ اللہ نگہباں — کس شان سے گھوڑے پہ چڑھے قاسمِ ذیشاں
مقتل میں جو ضیغم کی طرح نعرہ زن آئے — تھا شور کہ بھائی کی مدد کو حسنؑ آئے

مطلع سوم

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو
اک عید ہوئی مرنے کی اُس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو
اعدا نے کہا دیکھ کے اُس رشکِ چمن کو
نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شانِ اسد اللہ یہ جواں ہے

شمعِ حرمِ لم یزلی تھا قدِ بالا
پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اُجالا
شانے پہ کماں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا
اک حسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

تھا صولت و شوکت سے لعینوں کا جگر آب
لڑتا تو کسے آنکھ ملانے کی نہ تھی تاب
چہرے کی لطافت پہ تصدق گلِ شاداب
غیرت سے اُڑا جاتا تھا رنگِ رُخِ مہتاب
حق نے رُخِ روشن کو عجب نور دیا تھا
خورشید نے بھی شرم سے منہ پھیر لیا تھا

حیران تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے
گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
یہ ابرؤوں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے
پلکیں ہیں کہ سر پنجۂ شہباز نظر ہے
یاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

بولا کوئی بے درد کہ لڑکا ہے یہ جانباز
نکلا ہے نہ سبزہ نہ مسیں ہیں ابھی آغاز
تیور ہیں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز
برگشتہ ہے اس سے فلکِ تفرقہ پرداز
آتی ہے مہک بیاہ کے پھولوں کی بدن سے
کس وقت میں دولہا کو چھڑایا ہے دُلہن سے

گزری جو شبِ عقد تو قسمت نے رُلایا
جاگے تھے خوشی میں مگر آرام نہ پایا
قسمت نے لیے مسندِ شادی سے اُٹھایا
مرنے کے سوا اور بنے کو نہ بن آیا
دیکھا ہے دُلہن کو جو محبت کی نظر سے
اب دیکھتے ہیں خیمے کو حسرت کی نظر سے

حسنِ حسنؑ و شانِ حسینی ہے نمودار
کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار
کرتی ہے زرہ خوبیِ اندام کو اظہار
باندھا ہے کمر بستہ شہِ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پہ حسنؑ سبز قبا کا

فانوس میں ہے شمع کہ ہے رخت بدن میں
رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں
سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گزرے گی اُس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا

رخسارہ روشن ہیں کہ دو آئینۂ نور
ٹھہرے نہ کبھی جن کی صفا پر نظرِ حور
بینی کی ضیا پائے کہاں شمعِ سرِ طور
گر لب کو کہیں لعل تو یہ عقل سے ہے دور
وہ سنگ ہے پھر سنگ میں گویائی کہاں ہے
گویائی بھی یکسو یہ مسیحائی کہاں ہے

غنچوں نے کہاں پائے لب ایسے دہن ایسا
باتوں میں مزا قند کا شیریں سخن ایسا
ہر عکس سے ملبوس گلابی بدن ایسا
غل تھا کہیں دیکھا نہیں گل پیرہن ایسا
انداز سراپا سے عجب لطف ملا ہے
جنت کا چمن سامنے آنکھوں کے کھلا ہے

یوسف نے یہ ترکیب یہ صورت نہیں پائی
یہ بو یہ صباحت یہ ملاحت نہیں پائی
ہے سرو بھی خوش قد یہ قامت نہیں پائی
گُل نے یہ لطافت یہ نزاکت نہیں پائی
گلدستۂ عالم ہے کہ مجموعہ ہے تن کا
دولھا کا پسینہ ہے کہ ہے عطر دُلھن کا

آنکھیں وہ غزالانِ ختن جن پہ تصدق
رخسار وہ نازک کہ چمن جن پہ تصدق
لب ایسے کہ سو لعلِ یمن جن پہ تصدق
دانت ایسے کہ دُر ہائے عدن جن پہ تصدق
دانتوں سے لڑائے کوئی موتی کی لڑی کو
ہو جائیں گے یاقوت کے نگ کوئی گھڑی کو

دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحبِ انصاف
یہ شمع تجلی ہے کہ ہے گردنِ شفاف
شانوں کی ہے شوکت کہ عیاں شانِ حسن صاف
ہاتھوں کے ید اللہ سے پوچھے کوئی اوصاف
پنجے کے لیے ہیں نہ کلائی کے لیے ہیں
یہ اُنگلیاں سب عقدہ کشائی کے لیے ہیں

ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ
روشن صفتِ روشنی طور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینۂ نور ہے سینہ
اللہ کے اسرار سے معمور ہے سینہ
خورشید میں یہ نور نہ یہ مہر میں ضو ہے
تکمہ تو ستارا ہے گریباں مہِ نو ہے

باریک ہے کیا ذہن میں وصفِ کمر آئے
سو رنگ سے باندھیں اسے جو شئی نظر آئے
یہ فکرِ رسا جائے کہاں اور کدھر آئے
ممکن ہی نہیں یہ کہ عدم کی خبر آئے
واں پیکِ خردِ سلیم رسائی نہیں دیتا
یاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

ثابت قدمی میں کوئی اُس کا نہیں ہمسر
ٹل جائے زمیں پر یہ نہیں ہٹنے کا صفدر
ہے اس کے لیئے کاہ سے کم کوہ کا لنگر
جانباز ہے لختِ جگرِ حیدرِ صفدر
نور اُن کا کسی جنگ میں گھٹتے نہیں دیکھا
پیچھے قدم اس کا کبھی ہٹتے نہیں دیکھا

اِتنے میں رجز پڑھنے لگے قاسمِ نوشاہ
آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ ید اللہ
عمو ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ سیدِ ذیجاہ
ہیں لختِ دلِ فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوں
پانی ہیں جسے زہر دیا اُس کا پسر ہوں

دادی شرفِ آسیہ و مریم و سارا
خود نور سے اپنے جسے خالق نے سنوارا
میں ہوں فلکِ عز و شرافت کا ستارا
روشن ہے نسب صورتِ خورشید ہمارا
حیدر سے جدا ہیں نہ پیمبر سے جدا ہیں
قرآں سے ثابت ہے کہ ہم نورِ خدا ہیں

سب جانتے ہیں پنجتنِ پاک کا رُتبا
آدم سے کیا پہلے خدا نے اُنھیں پیدا
کی شیرِ خدا نے مددِ حضرتِ موسا
تھا طور پہ بھی نورِ محمد ہی کا جلوا
داخل سخن اپنا یہ تعلی میں نہیں ہے
روشن ہے کہ تکرار تجلی میں نہیں ہے

عالم میں بزرگ اپنے نمودار رہے ہیں
اسلام کی رونق کے طلبگار رہے ہیں
ہر جنگ میں سر دینے کو تیار رہے ہیں
مشکل میں رسولوں کے مددگار رہے ہیں
کام آتے ہیں ہر دکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام ہمارا

ہم صاحبِ شمشیر ہیں ہم شیرِ جری ہیں
ہم بندۂ مقبول ہیں عصیاں سے بری ہیں
دنیا سے کوئی دم میں عدم کو سفری ہیں
کیا سمجھیں وہ جو مستِ مئے بے خبری ہیں
دیوے گا خدا داد جو بیداد کرو گے
بھولے ہو ابھی تو یہ بہت یاد کرو گے

جان و دلِ زہرا کے عبث دیتے جان ہو — کس سمت کو بہکے ہوئے پھرتے ہو کہاں ہو
افسوس کہ جو مصحفِ ناطق کی زباں ہو — سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سیکڑوں تیغیں علم اک جان کی خاطر — دنیا میں یہی ہوتی ہے مہمان کی خاطر

سیدنے جو کی ہو کوئی تقصیر تو کہدو — جوڑا ہو کماں ہیں جو کوئی تیر تو کہدو
چھینی ہو کسی شخص کی جاگیر تو کہدو — اُمت پہ کبھی کھینچی ہو شمشیر تو کہدو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے — اُس صابر و شاکر نے سدا صبر کیا ہے

آمادہ تھے مرجانے پہ سب ہمدم و یاور — فرمایا کہ اُمت سے لڑائی نہیں بہتر
تابوت پہ بابا کے لگے تیر جو ستّر — لیجا کے اُنھیں دفن کیا ماں کے برابر
کیا صبر ہے دو بھانجے بے جان پڑے ہیں — اُس دن کی طرح آج بھی خاموش کھڑے ہیں

تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہیں جنگ سے عاری — باعث ہے فقط یہ کہ ہے اُمت اُنھیں پیاری
ہے غیظ ہمارا غضبِ ایزدِ باری — جبریل سے رُکتی نہیں تلوار ہماری
جن روزوں میں دادا سے مرے جنگ ٹھنی تھی — دہشت سے بنی جان کی جانوں پہ بنی تھی

وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا — معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمرو کو مارا — صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا
واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو — ہر روح کو اُس دم ہوس ملکِ عدم ہو

سردارِ اُمم محرمِ اسرارِ محمد — مہرو اسد اللہ کا دلدارِ محمد
دلدارِ دل آرام و مددگارِ محمد — ممدوحِ ملک مالک سرکارِ محمد
سرور کہو اسلام کا اُس مالکِ کل کو — آرام دو اک دم دلِ سردارِ رسل کو

کس کا اسد اللہ سا ہوا والدِ مرحوم — حلّال مہم مالکِ کل طاہر و معصوم
صدرِ دو سرا رحم دل و سرورِ مہموم — آسودہ ہو ہر سالک و گمراہ وہ محروم
معصوم کا ولدار ہو سالار امم ہو — اولاد کا اُس عالم و عادل کو الم ہو

[illegible]

اِس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار
اس طرح کا عالم کا مدد اور مددگار
وہ مصدرِ الہامِ احد محرمِ اسرار
وہ اصلِ اصولِ کرم و داور دادار
حاصل اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

قبضہ پہ اگر ابنِ علی ہاتھ دھرے گا
دیکھیں گے کہ سینے کو سپر کون کرے گا
اک دم میں یہ میدان تمہیں خوں سے بھرے گا
جو تیغ سے بچ جائے گا دہشت سے مرے گا
لشکر کو الٹ دیں گے انھیں غیظ جب آیا
تیغ اسد اللہ کھچی اور غضب آیا

اُن کا تو ہے کیا ذکر اگر حکم وغا دیں
واللہ غلام ان کے ابھی تم کو بھگا دیں
ضربِ اسد اللہ کا انداز دکھا دیں
سو سو کے سر اک دم میں تنوں پر سے اڑا دیں
اک ان میں سے میں آیا ہوں جرأت مری دیکھو
رن دیکھو مرا اور شجاعت مری دیکھو

کیا دیر ہے منہ پھر مری شمشیر کے آؤ
دیکھوں تو بھلا کچھ ہنرِ جنگ دکھاؤ
بولا پسرِ سعد سواروں سے کہ جاؤ
ہاں قاسمِ نوشاہ کا سر کاٹ کے لاؤ
داماد کا دو داغ امامِ مدنی کو
ٹھنڈا کرو تیغوں سے چراغِ حسنی کو

باتوں پہ نہ جاؤ سخن ان کے ہیں تہ دار
پیچھے نہ ہٹے پاؤں دمِ جنگ خبردار
پھل پائیں گے اس سرو کے کاٹے سے تبردار
سر لائے گا جو اس کا کروں گا اُسے سردار
نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو
شمشیر نہ کھائے تو اسے تیر سے مارو

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی یک بار
تیغوں کی اٹھی موج میانِ صفِ کفار
ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار
بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
بیٹھا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

اک برقِ اجل فوجِ ستمگار پہ آئی
تیغ آئی کہ آفت سرِ کفار پہ آئی
آڑے ہی کیا اس کو بھی جو تلوار پہ آئی
دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے
یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

جو جنگ کے قابل تھے ہوئے وہ نہ مقابل
تھراتے تھے سینوں میں جگر کانپتے تھے دل
تلوار کا پانی تھا کہ تھا زہر ہلاہل
کیا لڑتے کہ خود قتل ہوئے جاتے تھے قاتل
مہلت نہ ٹھہرنے کی نہ دم لینے کی مہلت
مل جاتی تھی ہاں راہ عدم لینے کی مہلت

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمت عالی
حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی
تلوار نے آفت سر کفار پہ ڈالی
لڑنے کے لیے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا تھا ہمت نہ لعیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سر زیں پر

اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صف اول
دو ہاتھ چلے تھے کہ ادھر پڑ گئی ہل چل
اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل
سر کٹ گئے یہ برچھیوں والوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن آئے نہ دشمن کو بچھے تھے
اک نیزہ سر ان لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

سمجھے یہ کماندار کہ رخ جنگ سے پھیرا
چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا
نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو ہیرا
ہیں دست پہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

تھا مضطرب و حیران پسر سعد ستمگر
پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آکر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر
دریا تلک آپہونچا ہے لخت دل شبر
اس شیر غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں
کس ڈھال پہ شمشیر شرربار کو روکیں
تنو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں
تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برق جہندہ ہے تو اک سیل فنا ہے

گھبرا کے کہا اس نے کہ ازرق کو بلا لا
آیا وہ جفاکار سنبھالے ہوئے بھالا
بولا یہ عمرو ہو گیا لشکر تہ و بالا
گھوڑے کو کہا تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اس صفدر جرار کو مارے
نزدیک ہی آکر کسی سردار کو مارے

ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام — سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہی کام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام — دولہ کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
شور آبِ دمِ تیغ کا اُس کے لبِ جو ہے — گریاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے

سالاریِ لشکر ہے ترے نام پہ مرقوم — ہر چار طرف آج شجاعت کی تری دھوم
رستم سے سوا جنگ کے فن ہیں تجھے معلوم — تو جا تو ہو بے سر بسرِ سیدِ مسموم
داماد کا غم دے شہِ آوارہ وطن کو — دیکھا نہیں سر پیٹتے اک شب کی دلہن کو

یوں کہنے لگا چیں بہ جبیں ہو کے وہ مغرور — لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
اِس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے مامور — یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں — ہو جاؤں گا بدنام شجاعانِ عرب میں

مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد — ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
جلادِ فلک کا ہے مرے خوف سے منھ زرد — ٹھکوں جسے میداں میں زمیں سے نہ اُٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں — سُرمہ ہو گر اک گرزِ گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب — پنجہ میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب — تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں — میداں میں حسین آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان — یہ شبیر کا فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
رہتا ہے لڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان — جاں باز ہیں مر کر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھینچے ان کی تو سر تن سے جدا ہیں — یہ ہاشمی و مطلبی قہرِ خدا ہیں

آنکھ ان کی جھپکتی نہیں لاکھوں سے دمِ حرب — نہ خوفِ بلا ان کو نہ رنج و الم و کرب
اور دل کے نہ سو وار نہ ان لوگوں کی اک ضرب — ایسا کوئی جرّار نہیں شرق سے تا غرب
سر لاکھوں اُتر جاتے ہیں چڑھتے ہیں جو رن پر — تلواریں بھی کھاتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پر

اُس شبیر کے فرزند ہیں یہ شبیر | اللہ نے بھیجی ہو جسے عرش سے شمشیر
تلوار کھنچی اُن کی تو لاشوں کے ہوئے ڈھیر | یہ سب ہے زبردست ہیں اور ان سے ہیں سب زیر
ہم لوگوں کی ہے موت جو زندہ ہیں یہ غازی | گر تیغ نہ ہو شیرِ دو زندہ ہیں یہ غازی

آنکھ ان سے دمِ جنگ ملائی نہیں جاتی | بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
فاقوں میں بھی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی | رُستم سے بھی ضرب ان کی اُٹھائی نہیں جاتی
بعضے جو حسینی ہیں تو بعضے حسنی ہیں | تلوار کے مالک ہیں شجاعت کے دھنی ہیں

سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے | سوفار کو چلے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے | بھاگیں تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر | شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

گو طفل ہیں پر تیغ زنی ارث ہے ان کا | یہ بطن سے مادر کے جری ہوتے ہیں پیدا
جانباز ہیں ایسے کہ نہیں جان کی پروا | بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے وغا کرتے ہیں تنہا
طفلی میں جوانوں کے کیے کام علیؑ نے | گہوارے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے

ارزق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار | چپ ہیں تو نہ لڑکے پہ کبھی کھینچوں گا تلوار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار | روئیں تن و زور آور و نام آور و جرار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا | سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزندِ حسنؑ کا

یہ کہہ کے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا | ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
تو زور میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا | یہ سُن کے جفا جو نے لیا ہاتھ میں نیزا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے | بھاگے ہوئے بولے کہ چلا منہ میں اجل کے

بجنے لگے طبل و دف و نقارہ و قرنا | کڑکا ہوا نکلے وہ جواں ہو جسے مرنا
دیتا ہے شجاعوں کو مزا خون میں بھرنا | ہاں تا بہ ابد نام رہے آج وہ کرنا
غیرت کی ہے جا نام بزرگوں کے بڑے ہیں | یاں شمر و عمر واں شہِ مظلوم کھڑے ہیں

نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار
قاسم اُسے رد کر کے پکارے کہ خبردار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفاکار
بجلی سی اُدھر سے بھی چلی تیغ شرربار
روکے کسے ظالم کبھی یاں بھی کبھی واں بھی
نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوڑی نہ سناں تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر
خالی دیا اُس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دولھا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر
دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
نہ تیغ نہ پنجہ نہ کلائی نظر آئی
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

سر پر سے گرا خود ہٹا وہ جو جھجک کر
تھے بال بڑے کھل گئے چہرے پہ لٹک کر
قاسم نے لپیٹا اُسے پنجہ میں لپک کر
سر سے ہوا اونچا تو دیا گھوڑے پہ چکر
سمجھا تھا وہ کچھ چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا

ارزق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا
دِن چشم ستمگار میں کالا نظر آیا
سب کو رخِ قاسم کا اُجالا نظر آیا
یہ چاند نظر آئے وہ ہالا نظر آیا
حیران تھے قوت پہ ملک ابنِ حسن کی
اس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی

اِک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی
اُس نے بھی لڑائی میں بہت جان لڑائی
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نوشاہ کے پائی
آیا وہ اُدھر سے کہ اِدھر سے اجل آئی
ڈھونڈا کیے قاسمؑ بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
اِک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

فرزند سوم فوج سے نکلا صفتِ شیر
تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
دولھا سے رہی ردوبدل نیزوں کی تا دیر
تھا گرچہ زبردست پہ قاسم نے کیا زیر
وار اپنا پہ کرتے تھے جو وار اُس کا بچا کر
رہ جاتا تھا غصے سے وہ ہونٹوں کو چبا کر

لب پر جو اُدھر بے ادبانہ سخن آیا
سُنتے ہی اِدھر غیظ میں ابنِ حسنؑ آیا
اُس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا
بالائے وہاں نیزۂ دنداں شکن آیا
جاں بہر سفر تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے میں زباں چھد کے قفا سے نکل آئی

نیزے کو دبایا تو فرس سے اُبھر آیا ۔ سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا
مچھلی سا پھر بہرے میں تڑپتا نظر آیا ۔ قاسمؑ نے کہا نخلِ وغا میں ثمر آیا
تلوار کو اُمت کے جو سردار پہ کھینچا ۔ خلّاقِ دو عالم نے اُسے دار پہ کھینچا

چوتھے کی طرف دیکھ کے قاسمؑ یہ پکارے ۔ تو آ کہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تلوار علم کرکے چلا طیش کے مارے ۔ تھے ڈھنگ ادھر جنگِ یداللہ کے سارے
فرصت بھی نہ حربے کی ملی دُشمنِ دیں کو ۔ اِک ضرب میں دو کرکے کیا چار لعیں کو

چاروں پسر ازرق کو نظر آئے جو بیم ۔ اِک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اُس دم
طاری ہوا غصّہ نہ ملی فرصتِ ماتم ۔ باندھا کمرِ نحس کو زنجیر سے محکم
بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتّالِ عرب سے ۔ آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوشِ غضب سے

آیا وہ ستمگار سجے اسلحہ تن پر ۔ شانے پہ کماں رُخ پہ جھلم فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر ۔ بر میں تو زرہ اور کمرِ نحس میں خنجر
کف غیظ سے منہ میں سخنِ سخت زباں پر ۔ اِک ہاتھ تو شمشیر پر اور ایک عناں پر

تیر صفتِ مار زباں منہ سے نکالے ۔ ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
تلوار کا منہ ایسا کہ فولاد کو کھالے ۔ ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے ۔ چار آینہ وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے

اور زیرِ زرہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر ۔ خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جمدھر
زنجیر سے باندھے تھا کمر یوں وہ ستمگر ۔ حلقے میں ہو جس طرح لیے کوہ کو اژدر
وہ رشکِ تہمتن تو فرس پیلِ دماں تھا ۔ اسوار نہ تھا کوہ پہ اِک کوہِ رواں تھا

چنگھاڑ کے رن میں صفتِ دیو پکارا ۔ کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا
قاسمؑ نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا ۔ اُلفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا ۔ تو ازرقِ شامی ہے میں پوتا ہوں علیؑ کا

شبیرؑ نے ارزق کو جو آتے ہوئے دیکھا
بس بیٹھ گئے تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
فرمایا بڑا قہر ہوا آہ کروں کیا
وہ دیو یہ کمزور وہ سیراب یہ پیاسا
گرتا ہے فلک گود کے پالے پہ ہمارے
اب پیچ پڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے

یارب مرے قاسمؑ کو اس آفت سے بچالے
بیکس کو ستمگار کی ضربت سے بچالے
کبریٰ کو رنڈاپے کی مصیبت سے بچالے
بچ جائے جو تو اپنی عنایت سے بچالے
امت پہ فدا کر چکا اولاد بہن کی
یہ لعل مرے پاس امانت ہے حسنؑ کی

یہ کہہ کے جو بیتاب ہوئے شاہِ خوش اقبال
غل پڑ گیا لو باغِ حسنؑ ہوتا ہے پامال
زہراؑ کی بہو بیٹیوں نے کھولدیئے بال
ماں خاک پہ یہ کہہ کے گری ہائے مرے لال
پیٹی جو دلھن سر کو تو گھبرائی سکینہ
روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی سکینہ

یاں ہونے لگی قاسمؑ و ارزق میں لڑائی
نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی
ارزق کی تو کرتا تھا عمرو مدح سرائی
اکبرؑ کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے مرے بھائی
اب گھوڑوں کی ٹاپوں تلے پامال ہے ارزق
تم شیر کے فرزند ہو کیا مال ہے ارزق

پرکار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب
رد کردیا نوشاہ نے وار اس نے کیا جب
بندھتا تھا کوئی بند نہ بندھتا تھا کوئی ڈھب
جرأت میں یداللہ یہ تھے اور وہ مرحب
اٹھتے تھے تتق گرد کے میدانِ بلا میں
چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں سے ہوا میں

تتق سراپردہ

نیزوں کی ہوئی رد و بدل ان میں برابر
تھک تھک گئے پسپا نہ ہوا وہ نہ یہ سرور
گھوڑے بھی تگ و پو سے پسینے میں ہوئے تر
تھے غیظ میں نوشاہ تو غصے میں ستمگر
وہ گونجتا تھا شیر کے مانند ادھر سے
یاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے جگر سے

قاسمؑ پہ اٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار
گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
اٹھتے تھے سنبھلکر تو یہ چلاتے تھے ہر بار
عمو ترے قربان مری جان خبردار
طاقت تو نہ ہوگی تمہیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی انی سے

نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں
جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
حملے تھے یہ شانوں سے نہ سر کیں تھیں کمانیں
لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں
تھی زد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لڑ کر
غصے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

قاسم کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر
مشہور ہے دستِ ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر
اے طفلِ حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تو مور سے کمزور ہے میں پیلِ دماں ہوں

قاسم نے کہا تول کے شمشیرِ دو دستی
اک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی
پہونچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی
دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو اُدھر ہے تو اِدھر شاہِ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

بل کھا کے ستمگار نے غصے سے کہا ہاں
قاسمؑ نے کہا آ یہی گو ہے یہی میداں
بولا یہ اُٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں
لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر بھی پہ نہ اُس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار پہ تلوار کو روکا

چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو بتائی
ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی
ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اُٹھائی
حسنت کا غل فوج کے انبوہ سے اُٹھا
معلوم ہوا ابرِ سیہ کوہ سے اُٹھا

عباسؑ صدا دیتے تھے عمو ترے قرباں
کس شان سے کرتے ہو دغا واہ مری جان
وہ دیو ہی ضربت سے بچانے کا ہے ارماں
ہر وقت کا موقع ہے بڑھے جاؤ نہ اس آن
زد پر دمِ شمشیر کی آ لئے دو لعیں کو
جاتا ہے کہاں مار لیا دشمنِ دیں کو

ہاں مغفرِ دشمن پہ لگی تیغ سپر سے
مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
بجلی سی چمک کر اِدھر آئی جو اُدھر سے
گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
کیا ہاتھ جفاکار کو نوشاہ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو ید اللہ نے مارا

بجلی سی اُٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر
یاں خاک پہ سجدے کے لیئے جھک گئے شبیر
للکار کے قاسم نے کیا نعرۂ تکبیر
شادی سے ہوا سرخ رُخ اکبرِ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسِ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

زہرا کی صدا آئی کہ دولہ تیرے واری
ماں ڈیوڑھی سے لے لیکے بلائیں یہ پکاری
اور گرد پھری روحِ حسنؑ کے کئی باری
قاسم ترے قربان یہ ماں درد کی ماری
میں کر چکی تھی سیدِ ذی جاہ کے صدقے
پھیر آنکھیں قسمت نے ید اللہ کے صدقے

زینبؑ کا جو تھا حال بہت غم سے پریشاں
بانو نے کہا جا کے دُلھن سے کہ مری جاں
پھولی نہ سمائی یہ ہوئی خرم و شاداں
لو شکر کا سجدہ کرو مشکل ہوئی آساں
زہرا کا ترے فرق پہ دامن رہے بیٹی
تو تا صد و سی سال سہاگن رہے بیٹی

ماں خلق میں آباد تجھے چھوڑ کے مر جائے
روتا ہوا تجھ کو کبھی اللہ نہ دکھلائے
دولہ ترا قایم رہے تو خلق میں سکھ پائے
ہنستا ہوا میدانِ شہادت سے بنا آئے
کھلتے ہوئے بر میں گلِ اُمید کو دیکھوں
مسند پہ قرانِ مہ و خورشید کو دیکھوں

بیٹھی تھی دُلھن شکل جو رانڈوں کی بنائے
مژدے جو خوشی ہونے کے قسمت نے سنائے
تھا سوچ کہ کیا دیکھیے تقدیر دکھائے
یہ دل میں ہوئی شاد کہ آنسو نکل آئے
دولھا نہیں آئے گا یہ ہرگز نہ خبر تھی
گھونگھٹ سے کبھی ماں پہ کبھی در پہ نظر تھی

سچ کہتے ہیں ہیں شادی و غم خلق میں توام
دولھا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم
معلوم نہ تھا یہ کہ پہنچے گی صفِ ماتم
تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم
تیر آتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پہ
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پہ

زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے
پانی کے لیئے تن میں لگی روح پھڑکنے
طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
سینے پہ سناں گرز لگا کاسۂ سر پر
ہیورا کے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو
ذرّیتِ حیدر کی یہ توقیر ہوئی ہے پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے
آواز حسنؑ آنے لگی ہائے مرے لال سبزے کی طرح گل کو مرے کرتے ہیں پامال
کبریٰؑ نے اُدھر کھول دیئے گوندھے ہوئے بال دوڑے طرفِ فوج شہنشاہِ خوش اقبال
داماد کا ماتم تھا مگر ضعف سے خم تھی تیغِ دو زباں دستِ مبارک میں علم تھی
اعدا کو بھگا کر جو لگے ڈھونڈنے سرور پامال ملے قاسمؑ نوشاہ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر رو کر پسرِ فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تنِ صد پاش سے لپٹے چلّا کے حسینؑ ابنِ علی لاش سے لپٹے
رو کر کہا صدقے ہو چچا منہ سے تو بولو کیا حال ہے اے ماہِ لقا منہ سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا منہ سے تو بولو گر اُٹھ نہیں سکتے تو بھلا منہ سے تو بولو
مادر کو بڑا داغ دیئے جاتے ہو قاسمؑ بیٹی کو مری رانڈ کئے جاتے ہو قاسمؑ
یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی منہ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سنائی میں ساغرِ کوثر ہوں ترے واسطے لائی
پی لے اسے اے لال کہ تر خشک گلا ہو دادی ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو
لب بند کیے قاسمؑ نوشاہ نے یکبار یعنی نہ پیوں گا کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
دُنیا سے سفر کر گیا وہ آئنہ رُخسار لاش اُس کی چلے لے کے شہِ بیکس و بے یار
ڈیوڑھی سے جو پہونچے تو کہا دیکھ کے سب کو وہ آئے ہیں دولھا تھا بنایا جنھیں شب کو
ہے ہے بنے قاسمؑ کا ہوا شور جو در پر بانو نے کہا لُٹ گئی لوگو مری دُختر
فرزند کے لاشے سے لپٹنے لگی مادر سر پیٹتی دوڑی شہِ مظلوم کی خواہر
پھر کون رہے بنتِ علی جب نکل آئے خیمے میں دُلھن رہ گئی اور سب نکل آئے

اِک شور اُٹھا ہائے غضب مر گئے قاسمؑ
سب خون میں سرتا بقدم بھر گئے قاسمؑ
شہ بولے کہ برباد ہمیں کر گئے قاسمؑ
پیاسے مرے گھر سے لبِ کوثر گئے قاسمؑ
لو خیمے میں لے جاؤ تم اس رشکِ چمن کو
شرم آتی ہے میں منہ نہ دکھاؤں گا دُلھن کو

ڈیوڑھی سے جو خیمے میں شہِ بحر و بر آئے
روتے ہوئے اور شرم سے گردن کو جھکائے
آغوش میں تھے لاشۂ نوشاہ اُٹھائے
اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ پدر اشک بہائے
خاموش انیسؔ اب نہیں طاقت ہے بیاں کی
حالت کہوں کس منہ سے شہِ کون و مکاں کی

رُباعی

آغوشِ لحد میں جبکہ سونا ہوگا
جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہووے گا انیسؔ
ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

ایضاً

یارب کہیں جلد وہ زمانا ہووے
بندہ سوئے کربلا روانا ہووے
لیکن یہ دعا ہے یا مجیب الدعوات
جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

ایضاً

جب واردِ حشر رونے والے ہونگے
شاہِ شہدا کے سب حوالے ہونگے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو
نامۂ اعمال کے قبالے ہونگے

ایضاً

گزرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تری
یارب مجھے طول عمر دے تو لیکن
وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری

مرثیہ (۹)

عباسِ علیؑ یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے
شمشاد قبا پوش گلستانِ علیؑ ہے
شبیرؑ کا دل روحِ حسنؑ جانِ علیؑ ہے
شوکت سے دلاور کی عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اُس کے نہ کیونکر رہے میدانِ وغا کا
فرزند زبردست ہے وہ دستِ خدا کا

سلطانِ سریرِ حشم و جاہ ہے عباسؑ
عالم کے شجاعوں کا شہنشاہ ہے عباسؑ
آئینۂ تصویرِ یداللہ ہے عباسؑ
شبیرؑ تو خورشید ہے اور ماہ ہے عباسؑ
اقبال و جلال اُن کا زمانہ پہ جلی ہے
وہ نورِ محمدؐ ہے تو یہ نورِ علیؑ ہے

روتے ہیں ملائک یہ عزا خانہ ہے کس کا
جنت سے علیؑ آئے یہ کاشانہ ہے کس کا
ہر شمع کو رقت ہے یہ افسانہ ہے کس کا
گردش میں ہے خورشید یہ پروانہ ہے کس کا
اُٹھتے ہیں علم سب کے گریبان پھٹے ہیں
کس شیر کے بازو تہِ شمشیر کٹے ہیں

یہ لشکرِ غم ہے کہ عزاداروں کی صف ہے
گوہر ہے جو ہر اشک تو ہر چشم صدف ہے
کون اُٹھ گیا کیوں رونے کا غل چار طرف ہے
ہاں ماتمِ فرزندِ شہنشاہِ نجف ہے
خالی نہیں مجلس میں جگہ نوحہ گروں سے
پُرسے کو علمدار کے آئے ہیں گھروں سے

بن کر ہمہ تن گوش سنو وصفِ علمدار
دے سب کو خدا دیدۂ حق بین و دلِ بیدار
ہیں بلبلِ گلزارِ سخن اور بھی دو چار
انصاف کریں ہر گلِ مضموں کے طلبگار
گلدستۂ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں
بندش کی نزاکت کو نئے رنگ کو دیکھیں

خورشیدِ منیرِ فلکِ نور ہے عباسؑ
مصباحِ شبستانِ سرِ طور ہے عباسؑ
سقائے حرم خلق میں مشہور ہے عباسؑ
حیدرؑ کی طرح صاحبِ مقدور ہے عباسؑ
لاکھوں ہوں تو خوف اس کو دمِ رزم نہیں ہے
ایسا کوئی عالم میں اولوالعزم نہیں ہے

کیا کیا نہ جواں مرد ہوئے خلق میں پیدا   لیکن کوئی عباسؑ کی جرأت کو نہ پہونچا
ہر شہر میں غازی کی شجاعت کا ہی شہرا   ہر لب پہ ہی یہ ذکر کہ یکتا ہی وہ یکتا
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہووے گا جہاں میں   جو اہلِ وفا ہو اُسے رووے گا جہاں میں

کیا دھاک ہی کیا رعب ہی کیا عزت و توقیر   ہی فتح طلب ان سے ہر اک صاحبِ شمشیر
معشوقِ شہِ عقدہ کشا عاشقِ شبیرؑ   صورت میں سراپا اسداللہ کی تصویر
حملہ ہی وہی شان وہی حرب وہی ہی   پنجہ ہی وہی زور وہی ضرب وہی ہی

دُنیا میں ہما نے یہ سعادت نہیں پائی   فردوس میں طوبیٰ نے یہ رفعت نہیں پائی
حمزہؑ نے یہ ہمت یہ شجاعت نہیں پائی   جعفرؑ نے یہ توقیر یہ شوکت نہیں پائی
سقائے حرم ہیں خلفِ شاہِ نجف ہیں   واں ایک بزرگی ہی تو یاں لاکھ شرف ہیں

دو ہاتھ جو قربان کیئے حصہ میں آئی   دیں پروری و داد رسی عقدہ کشائی
کوثر تو ہی قبضے میں تصرف میں ترائی   ہر بند سے دیتے ہیں یہ بندوں کو رہائی
بیدست ہیں لیکن سپرِ پیر و جواں ہیں   کیا تیغ کی حاجت ہی کہ خود سیف زباں ہیں

تھراتا ہی خورشید جلال و حشم ایسا   لاکھوں سے بھی ہٹتا نہیں ثابت قدم ایسا
نام ایسا دل ایسا شرف ایسا کرم ایسا   جھک جاتی ہی شاخِ سرِ طوبیٰ علم ایسا
قطرے کے عوض لعل و گہر دیتے ہیں عباسؑ   دامن دُرِ مقصود سے بھر دیتے ہیں عباسؑ

کیا فیض ہی کیا اسمِ مبارک میں اثر ہی   ہنگامِ مرض تقویتِ قلب و جگر ہی
کیسی ہی مہم سخت ہو اک آن میں سر ہی   بازو پہ جو باندھے تو سرِ دستِ ظفر ہی
کام آتا ہی یہ نام مصیبت میں بلا میں   آفت میں سپر ہی تو سرو ہی ہی وغا میں

شمشیر وغا فارسِ میدانِ تہور   جرار و وفادار اولوالعزم بہادر
تشبیہ میں عاجز نہ ہو کس طرح تصور   ہی عالم بالا پہ ملائک کو تحیر
جب کھینچ چکا شکلِ علمدار و علم کو   خود چوم لیا صانعِ قدرت نے قلم کو

لکھے کوئی کیا اُلفتِ سردار و علمدار — دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق میں یہ پیار
بلبل کو بھی یہ گل کی محبت نہیں زنہار — قمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلبگار
اک آن فراق ان میں شب و روز نہیں ہے — پروانہ بھی یوں شمع کا دلسوز نہیں ہے
فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلین اُٹھانا — معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا
ساتھ آنا سدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا — تھی عین تمنا قدم آنکھوں سے لگانا
شہ سوتے تو تکیہ پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ — مانند قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

فرماتے تھے شبیر کہ اے میرے گل اندام — تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام
کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام — راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام
لازم ہے ادب آپ ہیں سردار ہمارے — جاگے تو زہے طالعِ بیدار ہمارے

فرماتے تھے شہ مادرِ عباسؑ سے اکثر — عباسِ علی ہے مرا شیدا مرا یاور
پیارا نہ ہو کیونکر یہ مجھے آپ کا دلبر — جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدر
اس بھائی میں خو بو ہے شہ عقدہ کشا کی — گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیرِ خدا کی
ساری وہی صورت وہی شوکت ہے وہی شان — طینت میں وہی خلق وہی طبع میں احسان
عباسِ دلاور پہ تصدق ہے مری جان — منظور یہ ہے روز حسین اس پہ ہو قربان
اُس کو بھی تو بچپن سے مرا عشقِ دلی ہے — صفدر ہے بہادر ہے سعیدِ ازلی ہے

وہ کہتی تھی اے احمدِ مختار کے پیارے — خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند پہ تارے — فخر اس کا ہے عباس جو سر قدموں پہ وارے
مُنہ اُس نے سدا پائے مبارک پہ ملا ہے — بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے
عباس کی خاطر سے میں کہتی نہیں واری — ہے اُس کو نہ اولاد نہ جاں آپ سے پیاری
سوتے میں بھی رہتا ہے زباں پر یہی جاری — فرزندِ پیمبر پہ فدا جان ہماری
ہے عشقِ دلی اس کو شہِ کون و مکاں سے — لیتا نہیں بے صلِ علیٰ نام زباں سے

اک روز کہا میں نے کہ عباسؑ وفادار — تم اُن کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
صدقے گئی یہ طرفہ محبت ہے نیا پیار — جو تم ہو سو وہ ہیں خلفِ حیدرِ کرار
مرتے ہوئے حیدر نے سپرد اُن کے کیا ہے — کچھ خطِ غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

اتنا مرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھرا لی — تھرا کے کہا بات یہ کیا منہ سے نکالی
توبہ کرو یکساں ہوا میں اور شہِ عالی — میں بندۂ ناچیز وہ کونین کا والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا — ذرّہ کبھی خورشید سے ہمسر نہیں ہوتا

نسبت مجھے کیا اُن سے کہاں نور کہاں خاک — میں گردِ قدم اور وہ تاجِ سرِ افلاک
عباس کے نانا بھی ہیں کیا سیدِ لولاک — میرے لیے آئی ہے کبھی خلد سے پوشاک
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں — میری بھی ثنا ہے کہیں قرآنِ خدا میں

زہرا نے مجھے دودھ پلایا ہو تو کہہ دو — کاندھے پہ محمدؐ نے چڑھایا ہو تو کہہ دو
جبریل نے جھولے میں جھلایا ہو تو کہہ دو — ان رتبوں میں رتبہ کوئی پایا ہو تو کہہ دو
وہ فخرِ دو عالم ہیں امامِ دوجہاں ہیں — اسرارِ لدنی مرے سینے میں نہاں ہیں

اِک مور ہو کس طرح سلیماں کے برابر — رتبہ میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر
ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر — کیونکر ہو سُہا نیّرِ تاباں کے برابر
سر قائمہ عرش تلک جا نہیں سکتا — کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

خوش ہوں جو غلامِ علی اکبر مجھے سمجھیں — میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں
وہ خادمِ اولادِ پیمبر مجھے سمجھیں — رتبہ مرا بڑھ جائے جو قنبر مجھے سمجھیں
نعلین اٹھاؤں مری معراج یہی ہے — شاہی بھی یہی تخت یہی تاج یہی ہے

یکساں ہے تو ہے مرتبۂ شبّر و شبیر — بیٹوں میں علی کے یہ کسی کی نہیں توقیر
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں اے مادرِ دلگیر — مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائیگا عباسؑ — باتیں جو یہی ہونگی تو مر جائے گا عباسؑ

سہا ایک تارہ

کیا بھول گئیں واقعۂ رحلت حیدر
تھا آپ کے زانو پہ سر فاتح خیبر
اس پہلو میں شبیرؑ تھے اُس پہلو میں شبرؑ
زینبؑ بسر خاک تڑپتی تھیں کھلے سر
صحت ہو پدر کو یہ دُعا کرتا تھا میں بھی
لپٹا ہوا قدموں سے بُکا کرتا تھا میں بھی

پاس اپنے بلا کر مجھے بابا نے کیا پیار
اور ہاتھ مرا ہاتھ میں شہ کے دیا ایک بار
فرمایا حسنؑ ہی مرے تو بیٹوں کا مختار
عباس رہا اک تو حسینؑ اُس کا ہے سردار
فرمایا تھا مجھ سے کہ امام اپنا سمجھنا
آقا سے کہا تھا کہ غلام اپنا سمجھنا

ہنس ہنس کے میں سنتی رہی تقریر یہ ساری
اُس کو تو یہ غصہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
لے لیکے بلائیں کہا تب میں نے کہ واری
حاصل ہوئی واللہ مراد آج ہماری
وہ دِن ہو کہ حق تجھ سے غلامی کا ادا ہو
تو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو

فرمانے لگے اشک بہا کر شہ ابرار
ہاں والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
عباس مرا اور مرے سب گھر کا ہے مختار
رکھتا ہے حسینؑ اک یہی یاور یہی غم خوار
اماں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے
عباس نہیں ساتھ علی ساتھ ہیں میرے

کیا انس ہے کیا عشق ہے کیا پیار ہے کیا چاہ
مر کر بھی ہیں پروانۂ شمع لحد شاہ
جب قافلہ نزدیک پہونچتا ہے تو ناگاہ
عباس کو ہوتا ہے یہ حکم شہ ذی جاہ
آج آتے ہیں غمخوار شہنشاہ اُمم کے
لاؤ مرے زوّاروں کو سایہ میں علم کے

تربت سے نکل آتا ہے یوں عاشق شبیر
کاندھے پہ محمدؐ کا علم ہاتھ میں شمشیر
حیرت سے ملک دیکھتے ہیں چاند سی تصویر
ہوتے ہیں جلو میں شہدا صاحب توقیر
واں رحمت خالق کی طرح آتے ہیں عباسؑ
کس دھوم سے زوّاروں کو لیجاتے ہیں عباسؑ

روضے ہیں کہ دو عرش بریں ہیں نمودار
اُردو ہے اِدھر شہ کا اُدھر آپ کا بازار
دربار یہ حضرت کا وہ عباسؑ کی سرکار
دونوں در رحمت ہیں جدھر رُخ کرے زوّار
دِل کھل گئے پہونچے جو رواقِ شہ دیں میں
فردوس سے نکلے تو چلے خلد بریں میں

ہاں رحمت و غربت ہی وہاں دبدبہ و جاہ
روضہ پہ ہے یہ رعب کہ العظمت للہ
شیروں کا یہ نقشہ ہی کہ بن جاتے ہیں روباہ
سر رکھتے ہیں چوکھٹ پہ فقیروں کی طرح شاہ
بے اذن بشر کیا کہ ملک جا نہیں سکتا
جھوٹی کوئی روضہ میں قسم کھا نہیں سکتا

رشک درِ فردوس ہی وہ روضۂ پُر نور
پہونچے نہ کبھی جس کی بلندی کو سرِ طور
دروازۂ رحمت وہ ملائک میں ہی مشہور
زنجیر ہی یا سلسلۂ زلفِ سرِ حور
رضواں کی طرح خادمِ درگاہ کھڑے ہیں
قندیل نہیں اُس دَر پہ ستارے سے جڑے ہیں

ساتوں فلک اُس در کی بلندی سے ہیں ششدر
زیبا ہی اُسے کہیے اگر عرشِ منوّر
کرتے ہیں طواف اُس کا ملک فخر سمجھکر
حقا کہ درِ خانۂ ایماں ہی وہی گھر
کس در کے لیے خلق میں یہ عزّ و شرف ہی
دنیا میں جواب اس کا اگر ہی تو نجف ہی

شبیر کے زوّاروں کی الفت کا جو ہی جوش
دروازہ بھی ہی شوق میں کھولے ہوئے آغوش
ہی ذاتِ علمدار عطا پاش و خطا پوش
رہتے ہیں جو زائر تو ملک کہتے ہیں خاموش
یہ کونسی جا کہ ہی ہے دھیان ادب کا
آرام میں ہی لال شہنشاہِ عرب کا

دریا کی طرح صحنِ مقدّس ہی کشادہ
روشن ہی زمیں وادیِ ایمن سے زیادہ
دیندار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
مل جاتا ہی واں سے درِ فردوس کا جادہ
ہاتھ آیا شرف جب قدم اُس فرش پہ پہونچا
کرسی پہ دھرا پاؤں تو سر عرش پہ پہونچا

اُس گنبدِ آبی کی زہے آب زہے آب
ہوتے دلِ پژمردہ جسے دیکھ کے شاداب
کیا سطوتِ شاہانہ ہی کیا رعب ہی کیا داب
جھک جھک کے ملک کرتے ہیں سجدہ بصد آداب
پُر قصرِ فلک قالبِ افتادہ ہی اُس کا
کہتے ہیں جسے کاہکشاں جادہ ہی اُس کا

ضو دیتا ہی کیا قبۂ ایوانِ علمدار
ہی مہبطِ انوارِ خدا ہر در و دیوار
شمسے پہ نظر کرتا ہی جب گنبدِ دوّار
گر پڑتی ہی بالائے زمیں مہر کی دستار
ہو جاتا ہی دھوکا فلکِ نیلوفری پر
فیروزے کا ہی ایک نگیں تاجِ زری پر

رتبہ میں ہے وہ سقفِ کہن چرخ سے عالی
پایا نہ لطافت سے کسی طاق کو خالی
بے حسن نہ دیکھا کوئی روزن کوئی جالی
معمار نے بھی اُس کی بنا نور کی ڈالی
مُنھ ملتا ہے خورشید ہر اک خشت پہ آکر
گچ واں کی بنائی ہے ستاروں کو ملا کر

فولاد کی ضریح ایک جو مرقد پہ دھری ہے
ہے نور کا گھر بوئے بہشت اُس میں بھری ہے
حلقوں میں ستاروں کی طرح جلوہ گری ہے
اس کا شبکہ جو ہے وہ اک چشمِ پری ہے
ہے زانوئے حور اُس کے رخِ پاک کے نیچے
سوتا ہے زرہ پوش جواں خاک کے نیچے

محروم پھرا واں سے نہ جاکر کوئی مخلوق
پاتے ہیں شفا کور و شل و ابرص و مدقوق
اس طرح بہم ہے وہ ضریح اور وہ صندوق
آغوش میں عاشق کے ہو جس طرح سے معشوق
رحمت کا سفینہ اُسے کہیئے تو بجا ہے
تابوتِ سکینہ اُسے کہیئے تو بجا ہے

کرتے ہیں طواف اُس کا سدا فخر سے افلاک
تابوت نہیں عرشِ بریں ہے بسرِ خاک
پلکوں سے ملک جھاڑتے ہیں واں خس و خاشاک
روضہ ہے اگر رحل تو قرآن لحدِ پاک
کیا قدرِ ارم جب یہ مکیں اُس میں نہیں ہے
خاتم تو ہے نادر پہ نگیں اُس میں نہیں ہے

قندیلوں میں ہے روضۂ اقدس کے عجب نور
پروانہ ہے شمعوں پہ تجلیِ سرِ طور
رنگِ رخِ مہتابِ فلک ہوتا ہے کافور
ہو جاتا ہے خورشیدِ فلک شام سے مستور
بخشے ہیں خدا نے دلِ بیدار دروں کو
حوریں ہیں کہ غرفوں سے نکالے ہیں سروں کو

قندیلوں میں خاکے ہیں کہ پھولا ہوا گلشن
خاکے ہیں کہ بر میں مہِ کنعاں کے ہے جوشن
نور اُس میں ہے یوں سینے میں جیسے دلِ روشن
جلوے سے ہے ظاہر کہ تجلی کا ہے مسکن
ہر وقت نیا حُسن نئی جلوہ گری ہے
کھنچنے میں ہے طاؤس اُبھرنے میں پری ہے

عباسِ علمدار کی درگاہ کے صدقے
شوکت کے تصدق حشم و جاہ کے صدقے
کیا شیر ہے ابنِ اسد اللہ کے صدقے
جس راہ سے سب جاتے ہیں اُس راہ کے صدقے
پہلے نہ بہشت اور نہ رُخ حور دکھائے
اللہ ان آنکھوں کو وہی نور دکھائے

مداحیِ عباس بشر کا نہیں مقدور
اب تذکرۂ معرکۂ جنگ ہے منظور
ظاہر ہوئی گردوں پہ جو صبحِ شبِ عاشور
میداں میں صف آرا ہوا سب لشکرِ مقہور
تیر آتے ہیں ہر صف سے امامِ ازلی پر
فوجوں کی چڑھائی ہے حسین ابنِ علی پر

جب شہ کے عزیزوں کو پیامِ اجل آیا
راحت میں علمدارِ جری کے خلل آیا
اِک شیر سا جھنجلا کے پرے سے نکل آیا
تلواریں کھنچیں واں اِدھر ابرو پہ بل آیا
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے شہِ دیں کے ادب سے
ہونٹوں کو چباتے تھے مگر جوشِ غضب سے

اتنے میں شہادت کئی لڑکوں نے بھی پائی
اور سامنے مارے گئے چھوٹے کئی بھائی
جب شمعِ مزارِ حسنؑ اعدا نے بجھائی
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی جائی
محتاج تھا یاں لاشۂ نوشاہ کفن کو
واں بی بیاں رنڈسالہ پنہاتی تھیں دلھن کو

روتے تھے بھتیجے کے لیے سیدِ ابرار
تر تھے عرقِ شرم سے عباسؑ علمدار
رو کر علی اکبر سے یہی کہتے تھے ہر بار
جی چاہتا ہے پھینک دیں اب کھول کے ہتھیار
انصاف کرو منہ کسے دکھلانے کی جا ہے
غیرت سے گلا کاٹ کے مر جانے کی جا ہے

کی زوجۂ مسلم نے فدا اپنی کمائی
بیٹوں کو رضا مرنے کی زینبؓ نے دلائی
سب بی بیوں نے دولتِ اولاد لٹائی
قاسمؑ تھے سو ماں اُن کی بھی نذر کو لائی
ہم کس سے کہیں چھپ کے کھڑے روتے ہیں صف میں
اماں تو مدینہ میں ہیں بابا ہیں نجف میں

شبیرؑ نے مغموم جو عباسؑ کو پایا
ہمشکلِ پیمبرؐ کو اشارے سے بلایا
احوال جو پوچھا تو یہ اکبر نے سنایا
ہے ابرِ الم دل پہ چچا جان کے چھایا
کام آتا ہے جو رن میں خجل ہوتے ہیں عباسؑ
دامانِ علم منہ پہ دھرے روتے ہیں عباسؑ

جس وقت سے نوشاہ کا لاشہ ہوا پامال
اُس وقت سے ہے آپ کے بھائی کا عجب حال
چہرہ ہے کبھی زرد کبھی سبز کبھی لال
دانتوں میں کبھی ہونٹ کبھی آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ اب سوئے نجف جائے گا عباسؑ
منہ لاشِ بھتیجے کو نہ دکھلائے گا عباسؑ

حضرت نے کہا سب ہے یہ سامانِ جدائی
ٹوٹے گی کمر ہم سے بچھڑ جائے گا بھائی
منظور تھا ضایع نہ ہو بابا کی کمائی
کچھ اُن کا نہ جائے گا ہماری اجل آئی
بھائی کے لیئے داغ جگر بھائی کا غم ہے
دھیان اپنا ہے اُن کو ہمیں تنہائی کا غم ہے

وہ چاہتے ہیں جوہرِ شمشیر دکھائیں
آنچ آئے نہ شبیر پہ ہم برچھیاں کھائیں
خود سینہ سپر ہو کے برادر کو بچائیں
ہم آہ کہاں سے جگر اس طرح کا لائیں
پھر کون ہے میرا جو وہ عالم سے اُٹھے گا
یہ داغ تو پیارے نہ کبھی ہم سے اُٹھے گا

رخصت نہ ملے گی وہ خوشی ہوں کہ خفا ہوں
دم بھرتے ہیں اُلفت کا تو مجھ سے نہ جدا ہوں
ہم کو بھی تو مرنا ہے شہید ایک ہی جا ہوں
ہم ان پہ تصدق ہوں تو وہ ہم پہ فدا ہوں
جب آئے اجل کھول کے آغوش لپٹ جائیں
اک تیغ سے دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹ جائیں

اکبر نے کہا زیست سے بندہ بھی ہے عاری
ہے بعد مرے رخصتِ عباس کی باری
شہ بولے ابھی چپ ہو خاطر سے ہماری
کس کس کی جدائی میں کریں گریہ و زاری
تنہا نہ کرو دوشِ محمد کے مکیں کو
اتنا بھی ستاتے نہیں اک زار و حزیں کو

دیتا ہے کوئی داغ کوئی کرتا ہے گھائل
سو درد ہیں اک جان ہے سو زخم ہیں اک دل
کیا درد رسیدہ کو الم سہنے سے حاصل
تم دونوں کو مشکل نہیں کچھ ہے مجھے مشکل
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا
ہم فوج بھی ہونگے تو کوئی پاس نہ ہوگا

مختار تمھاری تو ہے بس زینبِ دلگیر
لازم ہے تمھیں پالنے والی سے یہ تقریر
تم برچھیاں کھانے کی عبث کرتے ہو تدبیر
جو روٹھے ہیں اُن کو تو منا لے ابھی شبیر
اولاد کا ہے دھیان نہ کچھ پیاس کا غم ہے
تم سب سے زیادہ مجھے عباس کا غم ہے

بیٹے سے یہ فرما کے جو رونے لگے سرور
بےچین ہوئے دیکھ کے عباسِ دلاور
سمجھے کہ طلب کرتے ہیں رخصت علی اکبر
حضرت کی پسِ پشت کھڑے ہو گئے آکر
سایہ جو کیا فرق پہ دامانِ علم کا
سینے میں دھڑکنے لگا دل شاہِ امم کا

مڑکر کہا اللہ مری جان کہاں تھے
ہم دیر سے تصویر کی صورت نگراں تھے
اندھیر جہاں تھا کہ تم آنکھوں سے نہاں تھے
کیوں تر گل رخسار ہیں کیا اشک رواں تھے
لاشہ پہ تو روئے نہ تھے فرزند حسنؑ کے
ہاں خیمے میں پُرسے کو گئے ہوگے دلہن کے

اِن روتی ہوئی آنکھوں کے قربان ہو شبیرؑ
اللہ سے کیا زور ہے جو خواہش تقدیر
چھاتی سے لپٹ جا مرے اے صاحبِ شمشیر
کی سر کو جھکا کر یہ علمدار نے تقریر
ناچیز پہ کچھ لطف سے حاصل نہیں مولا
میں چھاتی سے لپٹانے کے قابل نہیں مولا

شہ نے کہا کیوں ہم سے کچھ آزردہ ہو بھائی
اِن باتوں سے کچھ بوئے خفگی کی ہمیں آئی
کیا کہتے ہو کیوں شرم سے گردن ہے جھکائی
پیارے نہیں ہم تم کو یہ کیا جی میں سمائی
دیکھو تو ادھر سبطِ نبیؐ تم پہ فدا ہو
ہم صدقے ہیں تم بھائی سے روٹھو کہ خفا ہو

لو آؤ میں ان اشکوں کو دامن سے کروں پاک
زلفوں پہ کدھر جا کے جما لائے ہو یہ خاک
قربان تمھارے پسر سیدِ لولاک
مجھ درد رسیدہ کو عبث کرتے ہو غمناک
سر پیٹو گے اور نالہ و فریاد کرو گے
مر جاؤں گا جب میں تو بہت یاد کرو گے

میں نے کبھی ناخوش تمھیں رکھا ہو تو کہہ دو
کچھ رنج مرے ہاتھ سے پہونچا ہو تو کہہ دو
تیوری بھی چڑھا کر کبھی دیکھا ہو تو کہہ دو
اکبرؑ سے کبھی کم تمھیں سمجھا ہو تو کہہ دو
بھائی نہیں جانا یہی جانا کہ پسر ہو
تم تو مری آنکھیں ہو مرا دل ہو جگر ہو

انصاف کرو تم سے کیا کس کو سوا پیار
مالک ہو مرے گھر کے مری جان کے مختار
ہر چند کہ جعفرؑ کے بھی پوتے تھے طلبگار
میں نے یہی چاہا مرا بھائی ہو علمدار
کچھ دل پہ برادر کے ملال آنے نہ پائے
بابا نہیں سر پہ یہ خیال آنے نہ پائے

اک کونسی وہ بات ہے جس کا تمھیں غم
حیرت ہے یہی دل میں کہ جیتے ہیں ابھی ہم
رو رو کے علمدار نے کی عرض یہ اس دم
ہے فخر غلامی مجھے اے قبلۂ عالم
چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو
بندے کی یہ طاقت ہے کہ آقا سے خفا ہو

مجھ کو علی اکبرؑ کی طرح گود میں پالا
ہوش آپ کے دربار میں خادم نے سنبھالا

حضرت کے تصدق سے ہوئی شان دوبالا
کیا رنج مجھے پہونچے گا اے سیدِ والا

میں ہوں تو غلام آپ شہِ جن و بشر ہیں
حضرت تو زمانے میں یتیموں کے پدر ہیں

حضرت میں ہے سب احمدِ مختار کی خوبو
بتلائیے حر کون تھا اے سیدِ خوشخو

فرمایا بصد لطف جسے قوتِ بازو
سر اس کا کہاں اور کہاں آپ کا زانو

رحمت کا طریقہ کبھی چھوڑا نہیں آقا
دشمن کا بھی دل آپ نے توڑا نہیں آقا

کیا سن تھا مرا خلق سے جب اٹھ گئے حیدر
میں آپ کے سایہ میں پلا یا شہِ صفدر

ہوتا الم بے پدری پھر مجھے کیونکر
تھا فضلِ الٰہی سے شفیق آپ سا سر پر

سب رازِ خفی قبلۂ عالم پہ جلی ہیں
میں نے یہی جانا کہ مرے سر پہ علی ہیں

ادنیٰ تھا میں اعلیٰ ہوا حضرت کی بدولت
ہر شہر میں شہرہ ہوا حضرت کی بدولت

قطرہ تھا سو دریا ہوا حضرت کی بدولت
یہ سب مرا رتبہ ہوا حضرت کی بدولت

مولا جو مرے حال پہ ہے آپ کی شفقت
نہ ماں کی یہ شفقت ہے نہ ہے باپ کی شفقت

بھولے نہیں خادم کو کبھی آپ مگر آج
پاتا نہیں خادم وہ عنایت کی نظر آج

کیا حال ہے پوچھی بھی نہ بندے کی خبر آج
دیکھا بھی نہیں آپ نے شفقت سے ادھر آج

بیزاری کا باعث تو بتا دیجیے آقا
تقصیر ہوئی ہو تو سزا دیجیے آقا

مارے گئے خویش و رفقا مجھ کو نہ پوچھا
مرجانے کی دی سب کو رضا مجھ کو نہ پوچھا

لڑکے ہوئے مقتل میں فدا مجھ کو نہ پوچھا
قاسمؑ پہ چلی تیغِ جفا مجھ کو نہ پوچھا

کس طرح کہوں فرق عنایت میں نہیں ہے
حصہ مرا کیا جنسِ شہادت میں نہیں ہے

آرام سے سب سوتے ہیں اے سیدِ والا
جا کہ مری اک قبر کی مقتل میں نہیں کیا

مارے نہ گئے ہم تو رہے گا یہی چرچا
میداں سے ہوا پشت رو قافلہ پسپا

جینے کا نمک خوار کے اب لطف نہیں ہے
اماں بھی مجھے دودھ نہ بخشیں گی یقیں ہے

شہ بولے اسی بات پہ بس ہے یہ شکایت انصاف ہے شرط اے پسرِ شاہِ ولایت
رخصت ہی کے ملنے کو سمجھتے ہو عنایت کیا رائے میں آیا ہے یہ اے حاملِ رایت
قوّت ہے تمھیں سے تو مرے قلب و جگر کو تیغوں میں کوئی ہاتھ سے کھوتا ہے سپر کو

پاتا میں زمانہ میں کہاں گر تمھیں کھوتا چین آتا جو میں ساتھ ترے قبر میں سوتا
سر پیٹ کے پھر کون مری لاش پہ روتا مرجاتا ہے جب بھائی تو پیدا نہیں ہوتا
بھولے مری الفت کو بھی اللہ برادر رخصت کے لئے روٹھ گئے واہ برادر

معلوم ہوا ہے تمھیں منظور جدائی میں منع تو کرتا نہیں کیوں روٹھے ہو بھائی
لو چھاتی سے لپٹو کہ رضا مرنے کی پائی یہ سنتے ہی اک جان سی عباسؑ میں آئی
خوش ہو کے تصدق ہوئے سلطانِ اُمم پہ سر رکھ دیا جھک کر شہِ والا کے قدم پہ

ناگاہ درِ خیمہ سے فضّہ یہ پکاری غش ہوگئی ہے پیاس سے پھر آپ کی پیاری
گہوارے میں اصغرؑ بھی سسکتا ہے بہ زاری عباسؓ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دہائی ہے رسولِ دوسرا کی اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیرِ خدا کی

دو جانیں تلف ہوتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ پانی اُسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اُسے شیر
سر چوب سے ٹکراتی ہے یاں بانوئے دلگیر للہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر
پانی کے لئے ماں سے یہ منہ موڑ رہے ہیں دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

فضّہ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہ روتے ہوئے عباس گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمت للہ پانی کا ادھر شور اُدھر ماتمِ نوشاہ
جھولے کے قریب غش میں سکینہ تو پڑی تھی بچے کو لئے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

مُردے کی طرح زرد ہوا تھا رُخِ روشن لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گُلِ سوسن
چھاتی تو دھڑکتی تھی پہ سرد تھا سب تن لٹکے ہوئے تھے ہاتھ ڈھلی جاتی تھی گردن
ماں روتی تھی چلا کے تو رک جاتی تھی ہچکی ننھا سا دہن کھلتا تھا جب آتی تھی ہچکی

اصغر کی طرف دیکھ کے روئے شہ ابرار   آواز پدر سن کے سکینہ ہوئی ہشیار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار   قربان تری پیاس کے ہیں ای جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹھوں کو نہ دکھلاؤ سکینہ   ہووے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہ

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی   سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
روتی ہوئی زینبؑ قریب بھائی کے آئی   حضرتؑ نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں   پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

یہ سن کے سکینہؑ نے کہا واہ چچا جان   اس عزم سے اب ہیں سبھی آگاہ چچا جان
ہاتھوں سے چلے تم بھی مرے آہ چچا جان   رکھ دیجئے مری مشک کو للہ چچا جان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو   روویں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

پہلے شہ ابرار کو سمجھاؤ تو جاؤ   پھر چاند سی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ
کچھ دیر نہ ہوگی یہ قسم کھاؤ تو جاؤ   مانوں گی نہ میں نہر سے جلد آؤ تو جاؤ
تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے   کھو دوں تمھیں ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی   بی بی کے پلانے کے لیئے لاتے ہیں پانی
رکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی   کیا دل سے بھلا دیں گے تری تشنہ دہانی
بے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو   دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

چپ ہوگئی یہ سن کے سکینہ جگر افگار   عباسِ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہ ابرار   تھرانے لگی زوجۂ عباسِ علمدار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا   فرزند تو تھا گو وہیں منہ چاند سا فق تھا

حضرتؑ جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار   غم تھا کہ یہ سب ہیرے رنڈاپے کے ہیں آثار
حضرتؑ کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار   تکتی تھی کن انکھیوں سے کبھی سوئے علمدار
بیتابی دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو   عباس کی بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

منہ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارا
صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا
ہر بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے رو و
بس دیکھ چکیں ہم کو اب آنسو نہ بہاؤ
اللہ تو ہے دھیان تباہی کا نہ لاؤ
دنیا سے کئی داغ جگر لے کے چلے ہیں
چھپکے سے وہ کہتی تھی نہیں صبر کا یارا
یہ درد وہ ہے درد کہ جس کا نہیں چارا
سینوں میں جگر داغ یتیمی سے جلیں گے
بھاوج کی طرف دیکھ کے بولے شہ ابرار
سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
مالک مرے اور ان کے شہ عرش بریں ہیں
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں یا شاہ
ماں کو علی اکبر کی سہاگن رکھے اللہ
جو بھائی ہو کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو
یہ آج کی شب چین سے دم بھر نہیں سوئے
دھڑکا تھا کہ پہلے نہ کوئی جان کو کھوئے
رخصت جو ملی اب تو انھیں عید ہوئی ہے
اک آہ بھری شہ نے یہ سن کر سخن یاس
سر کھولے ہوئے غول تھا رانڈوں کا چوپاس
تا زیست تو اب درد جدائی نہیں جاتا

شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا
دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا
روتی ہو تو کبرا کی طرف دیکھ کے رو و
تسکین وہیں ہوگی تم اب رانڈوں میں جاؤ
بچے ہیں بلکتے انھیں چھاتی سے لگاؤ
ہم اپنی نشانی یہ پسر دو دے کے چلے ہیں
بے خنجر و شمشیر ہمیں آپنے مارا
صاحب نہ ہوئے جب تو رہا کون ہمارا
بچے مرے کمسن ہیں یہ کس طرح پلیں گے
تم سے بھی نہ رو کے گئے عباس علمدار
حضرت ہی کی ضاطر نہ جیتے کے ہیں خمار
بانو کی ہیں لونڈی یہ غلام شہ دیں ہیں
کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصت جنگاہ
میری نہ محبت ہے نہ بیٹوں کی انھیں چاہ
فخر اس کا جو زہرا کی کمائی پہ فدا ہو
گہ زیر فلک جا کے دعا کی کبھی روئے
مقتل میں علمدار فدا شاہ پہ ہوئے
لونڈی پہ تو رونے کی بھی تاکید ہوئی ہے
آداب بجا لا کے چلے حضرت عباس
چلاتے تھے شہ اب ہوئے ہم بیکس و بے آس
دنیا سے علی جاتے ہیں بھائی نہیں جاتا

غل تھا کہ علمدار خدا حافظ و ناصر
ای بیکس و بے یار خدا حافظ و ناصر

دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
چلّاتی تھی زینبؑ کہ میں صدقے ترے بھیّا
پردے کے قریں بازوئے شبیر جو پہونچا
کاندھے پہ علم رکھ کے وہ ضیغم نکل آیا

دی پیک نے بڑھکر سوئے اصطبل یہ آواز
تھا اسپِ فلک سیر کی آمد کا یہ انداز
سرعت کے سبب سایہ میں عالم تھا ہرن کا
خوبی جو رکابوں کی مہ نو کبھی پائے
آنکھوں کا یہ عالم کہ غزال آنکھ چرائے

غازی کی سواری بھی عجب شان سے آئی
گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسؑ علمدار
چاؤش نے آواز یہ دی فوج کو یکبار
ہاں رُخ طرفِ نہر ہے اس بحرِ کرم کا
ناگہ نظر آیا علمِ دین کا پھریرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا

تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہونچا
مطلع چہارم
ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہ امم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا

شبیر کے غم خوار خدا حافظ و ناصر
سید کے مددگار خدا حافظ و ناصر

پھر گھر میں سلامت تمھیں آتے ہوئے دیکھیں
سچ ہے کہ حسینؑ آج ہوئے بیکس و تنہا
اونچا کیا فضہ نے درِ خیمے کا پردا
بدلی جو ہٹی نیرِ اعظم نکل آیا

آپ آتے ہیں حاضر کرو شبدیز سبک تاز
جس طرح سے طاؤس خراماں ہو بصد ناز
اندھیاری نہ تھی چہرے پہ گھونگھٹ تھا دلھن کا
ہاتھ آئیں تو آنکھوں سے فلک اپنی لگائے
اڑنے میں پرندوں کے بھی ہوش اس نے اڑائے

غل تھا کہ پری اُڑ کے پرستان سے آئی
زانو میں جو دابا تو ہرن ہو گیا رہوار
شیر آتا ہے دریا کی ترائی سے خبردار
خورشید نہ سمجھو اسے پنجہ ہے علم کا
پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا

لو سامنے بپھرا ہوا شبیر آن ہی پہونچا
پانی کے لیئے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
سلطان کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

چتون تو قیامت کی ہے تیور ہیں غضب کے
اک حملہ میں سر تن سے اتر جائیں گے سب کے

فرزند ہیں یہ فخر شجاعانِ عرب کے
شیر ان کے ہی تیور سے نکل جاتا ہے دب کے

بچے کبھی اس گھر کے نہیں رن سے ٹلے ہیں
یہ سب اسد اللہ کے بیٹے ہیں پلے ہیں

خالق جسے اپنے یدِ قدرت سے بنائے
خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اُس سے ملائے

یہ چاند سی تصویر کہاں سے کوئی لائے
خود ڈھونڈھے نظیر اپنا تو عالم میں نہ پائے

چہرہ گلِ شاداب ہے قد سروِ سہی ہے
یوسف شہِ والا کے عزیزوں میں یہی ہے

ہر شہر میں پیشانیِ انور کا ہے شہرا
سجدے کا نشاں بھی ہے تکلف ہے یہ دُہرا

گویا ورقِ ماہ پہ ہے مہر کا مُہرا
دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زہرا

اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
موسیٰ نے یہ جلوہ یدِ بیضا میں نہ دیکھا

غصے سے جو تیوری کو چڑھائے ہے یہ جرار
گویا کہ ہیں دو ناخنِ شبیر ابروئے خمدار

بے جنگ ہوئی جاتی ہے گھائل صفِ کفار
ہل جاتے ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار

اس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
یہ کاٹ کبھی تیغِ دو دستی میں نہیں ہے

گردوں پہ مہِ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
شمشیرِ ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا

دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا

اک بیت کے یہ مصرعِ برجستہ ہیں دونوں
ظاہر میں کشیدہ ہیں پہ دل بستہ ہیں دونوں

کہیے مہِ نو ان کو تو یہ رو نہیں اُس میں
مہتاب کہیں رُخ کو تو گیسو نہیں اُس میں

ہے اک گلِ خورشید سو خوشبو نہیں اُس میں
آنکھیں نہیں پلکیں نہیں ابرو نہیں اُس میں

بو ہے گلِ تر میں یہ خط و خال کہاں ہے
قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

آنکھوں کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے
یاں دیدۂ نرگس کا بھی مضموں نظری ہے

حلقے میں سوادِ شب و نورِ سحری ہے
یہ چشم میں پتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے

یہ شام و سحر حور و ملک نے نہیں دیکھی
آنکھ ایسی کبھی چشم فلک نے نہیں دیکھی

نظروں سے نہ کس طرح گرے دیدۂ آہو
بے لطف ہے جب تک کہ نہ ہو چشم نہ ابرو
آنکھوں سے نہاں ہے جو رخِ سیدِ خوشخو
پتلی صفتِ قبلہ نما پھرتی ہے ہر سو
روتے ہیں فراقِ پسرِ شاہِ نجف سے
آنسو نہیں موتی نکل آئے ہیں صدف سے

خط ہے جو شبِ قدر تو رخ صبحِ ارم ہے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
توصیف میں عاجز دمِ تحریر قلم ہے
دیکھو خطِ ریحاں ورقِ زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شبِ دیجور لیے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا حور لیے ہے

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
رنگ لبِ نازک گلِ تر نے نہیں پایا
نور اس دُرِ دنداں کا گہر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

خورشید رخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے
ہیرے کی چمک اس درِ نایاب میں دیکھے
ایسے نہ کواکب شبِ مہتاب میں دیکھے
گردوں نے یہ تارے نہ کبھی خواب میں دیکھے
ٹھہرا جو نہ وہ لایقِ تشبیہ نظر میں
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں

آئینے کو حیراں کیا گردن کی صفا نے
ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے
الماس سے بازو ہیں تو مہتاب سے شانے
شانوں کو تو چوما ہے شہِ عقدہ کشا نے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
اس طرح کا پنجہ نہ کسی شیر نے پایا

دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی
یہ رستمِ دستاں نے بھی قوت نہیں پائی
منہ دیکھ لیں خود ہے یہ ہتھیلی میں صفائی
اور ناخنِ انور کا ہنر عقدہ کشائی
بے تیغ کھنچے ہاتھ کا جوہر نہیں کھلتا
زور ان کا بجز قلعۂ خیبر نہیں کھلتا

انوارِ الٰہی سے منور ہے یہ سینہ
مسکن ہے جہاں نور کا وہ گھر ہے یہ سینہ
ہم مرتبۂ سینۂ حیدر ہے یہ سینہ
عدل و کرم و داد کا مصدر ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوشبو کہ پسینہ ہے قبا میں
جزدان میں مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا میں

اُس کی کمرِ راست کا کیا حال کہوں آہ — خم ہوگئی مرجانے سے جس کے کمرِ شاہ
جس جا پہ ہو نقشِ قدمِ ابنِ یداللہ — مٹنے سے وہ مثلِ خطِ قسمت نہیں آگاہ
اس خاک پہ کیوں رشک نہ ہو چرخِ بریں کو — گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمیں کو
ورثہ میں نئے رنگوں کے ملے ہیں اُنھیں ہتھیار — قبضہ میں ہے تیغِ کمرِ حیدرِ کرار
ہاشم کی سپر خودِ ابوطالبِ سردار — دستانے پہنتے تھے یہی جعفرِ طیار
حمزہ اسی نیزے سے وغا کرتے تھے رن میں — دیکھی تھی اسی طرح زرہ جسمِ حسنؑ میں
اللہ رے اوجِ علمِ فوجِ پیمبرؐ — جنت کی پھریرے سے ہوا آتی تھی فرفر
تھا سر پہ ہما سایہ فگن کھولے ہوئے پر — پنجہ کی ضیا دیکھ کے خورشید تھا ششدر
تابندہ کوئی شی نہیں زیرِ فلک ایسی — موسیٰ نے تجلی میں نہ دیکھی چمک ایسی
صف باندھے ہوئے محوِ تماشا تھے ستم آرا — جو حضرتِ عباسؑ نے بڑھ کر یہ پکارا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا — ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے — دعویٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے
ناگاہ کہا شمرِ جفا جو نے یہ بڑھ کر — اے وارثِ شمشیرِ علیؑ ثانیِ جعفرؑ
کیا قصد ہے دیکھو تو یہ دریا ہے کہ لشکر — لاکھوں سے کہیں ایک جواں ہوتا ہے سربر
جینے نہیں بچنے کے جو مرنا ہو تو آؤ — پانی کے لیے خون میں بھرنا ہو تو آؤ
کچھ تم سے محبت نہیں رکھتے شہِ ذی جاہ — یوسف کو گنواتے ہیں کس طرح کی ہے چاہ
مفت اپنی جوانی کو نہ ضایع کرو للہ — آبِ دمِ شمشیر پہ اس نہر کی ہے راہ
ہوگا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا — اِن تیغوں کی باڑھوں میں تمھیں گھاٹ ملے گا
عباس پکارے کہ خبردار ہم آئے — ہاں روک تو او ظالمِ غدار ہم آئے
اک وار میں اس پار سے اُس پار ہم آئے — لے گھاٹ سے اور نہر سے ہشیار ہم آئے
تلوار کے مالک تہِ افلاک ہمیں ہیں — آبِ دمِ شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

پسپا ہوں یہ جائز نہیں پیشے میں ہمارے — کٹتا ہی پہاڑ آگ ہو تیشے میں ہمارے
ہو زورِ علی ہر رگ و ریشے میں ہمارے — بر آ نہیں سکتا کوئی پیشے میں ہمارے
خاطر جو کشیدہ ہو تو جھکتے نہیں غازی — گر آگ کا دریا ہو تو رکتے نہیں غازی

تو کیا ہے جو رستم ہو تو ہم منھ کو نہ موڑیں — سر جائے تو حیدر کے طریقے کو نہ چھوڑیں
مر جائے اگر شیر کے پنجے کو مروڑیں — گر قلعۂ خیبر ہو تو اک ہاتھ میں توڑیں
سو بجلیاں چمکیں تو کبھی ہم نہیں ڈرتے — روباہوں کے انبوہ سے ضیغم نہیں ڈرتے

فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا — ہالہ ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
بھالوں کو ادھر بڑھ کے سواروں نے سنبھالا — بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
اس شان سے غازی صفِ جنگاہ میں آیا — غل تھا کہ اسد لشکرِ روباہ میں آیا

دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اک بار — عالم کو قیامت کے نظر آ گئے آثار
ہلنے لگے اشجار لرزنے لگے کہسار — صحرا سے گریزاں ہوئے اژدر طرفِ غار
جن کہتے تھے خالق ہمیں اس آن بچائے — چلاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچائے

گرتے تھے طیورانِ ہوا کھولے ہوئے پر — شہباز کے بازو سے لپٹتا تھا کبوتر
بجلی نہ گرے ہم پہ پرندوں کو یہ تھا ڈر — سب جان بچانے کے لیے پھرتے تھے مضطر
نعرہ جو کیا ابنِ شہِ قلعہ شکن نے — منھ ڈال دیا شیر کے قدموں پہ ہرن نے

جس صف پہ چلی تیغ وہ بے سر نظر آئی — برچھی یہ ہر اک لاش پہ ابتر نظر آئی
جب وار کیا قوتِ حیدر نظر آئی — گہ تنگ کے نیچے کبھی سر پر نظر آئی
غل ہوتا تھا کرتی تھی دو پارہ جو سپر کو — دو کر دیا انگشت سے احمد نے قمر کو

تیغوں کو نیاموں سے نکلنے نہیں دیتی — اس فوج کا اک وار بھی چلنے نہیں دیتی
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنے نہیں دیتی — انداز لڑائی کا بدلنے نہیں دیتی
تلوار نہیں برقِ اجل ہم پہ جھکی ہے — ڈھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رکی ہے

ترکش کو نہ چھوڑا نہ کماندار کو چھوڑا
حلقے کو نہ چلّے کو نہ سوفار کو چھوڑا
بے ڈو کیے راکب کو نہ رہوار کو چھوڑا
چھوڑا تو سسکتا ہوا دو چار کو چھوڑا
رخ سب قدر اندازوں کے پھرتے ہوئے دیکھے
ہر ضرب میں سر خاک پہ گرتے ہوئے دیکھے

مغفر کو جو کاٹا تو جبیں سے نکل آئی
سر پہ جو پڑی خانۂ زیں سے نکل آئی
بجلی سی صفِ لشکرِ کیں سے نکل آئی
گہہ ڈوب گئی گاہ زمیں سے نکل آئی
غل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہیں رکتی
یہ ضرب تو جبریل کے پر سے نہیں رکتی

نہ ڈھال پہ نہ سر پہ نہ گردن پہ رکی وہ
سینے پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رکی وہ
نہ سنگ نہ اشجار نہ آہن پہ رکی وہ
نہ زیں پہ نہ پاکھر پہ نہ توسن پہ رکی وہ
یہ چاشنیٔ خونِ عدو بھا گئی اُس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اُس کو

سینے میں در آئی تو نئی چال سے نکلی
پہونچے کو قلم کرتی ہوئی ڈھال سے نکلی
ڈوبی جو زرہ میں تو عجب حال سے نکلی
مچھلی سی تڑپتی ہوئی اک جال سے نکلی
چار آئنہ کو آڑھ کیا کاٹ نے اُس کے
بتلا دی ہر اک کشتیٔ تن گھاٹ نے اُس کے

جوں موج ہوئی فوج میں ہلچل لبِ دریا
دکھلانے لگا رخش بھی چھل بل لبِ دریا
کٹ کٹ کے گرے برچھیوں کے پھل لبِ دریا
پھٹ پھٹ گیا ڈھالوں کا بھی بادل لبِ دریا
بدلی میں نہ اُس تیغ کا پرتو نظر آیا
مطلع جو ہوا صاف مہِ نو نظر آیا

جب ناریوں کو تیغ کے گھاٹ اُس نے اُتارا
لڑنے میں نظر آ گیا دریا کا کنارا
سقائے حرم فوج کو بڑھ کر یہ پکارا
کیوں اب کہو دریا ہے ہمارا کہ تمہارا
تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو اب ہم تمھیں آنے نہیں دیتے

یوں لیتے ہیں دریا جو شجاعت کے دھنی ہیں
ہم قوتِ بازوئے امامِ مدنی ہیں
ہر چند گرفتارِ غریب الوطنی ہیں
ہم شیرِ غضبناک و دمِ تیغ زنی ہیں
ہو بات کی پچ نام پہ مرتے ہیں بہادر
جو کہتے ہیں منھ سے وہی کرتے ہیں بہادر

خالی تو ہیں پھر کر کبھی خیمے میں نہ جاتا
ہٹتا نہ اگر سینے پہ سو برچھیاں کھاتا
ممکن تھا کہ یہ شیر ترائی کو نہ پاتا
کٹتا جو مرا سر بھی تو لاشہ یہیں آتا
مٹی بھی یہیں کی تنِ صد چاک پہ ہوتی
گر قبر بھی ہوتی تو اسی خاک پہ ہوتی

عباسِ دلاور تو یہ کہتے تھے بصد قہر
پھر پھر کے نظر کرتا تھا گھوڑا طرفِ نہر
دوڑی چلی آتی تھی زیارت کو ہر اک لہر
فرماتے تھے بے شاہ یہ پانی ہے مجھے زہر
کس کو خبر اس کی ہے مروں گا کہ جیوں گا
بے قبلۂ عالم تو یہ پانی نہ پیوں گا

کہہ کر یہ سخن ڈال دیا نہر میں رہوار
جس کے رخِ رنگیں سے وہ تختہ ہوا گلزار
تھے صاف حبابِ لبِ دریا گلِ بے خار
پانی میں مہک عطر کی آجاتی تھی ہر بار
تھی نور کی ضو عکس سے گرداب کے اندر
خورشید تو باہر تھا قمر آب کے اندر

پہلے تو کہا دل سے بجھا لیجئے یاں پیاس
پر ساتھ ہی ڈوبے عرقِ شرم سے عباس
سوچے کہ سلامت تو پہنچنے کی نہیں آس
خم ہو کے بھرا مشک کو دریا سے بصد یاس
جب تشنہ دہن تا بہ لبِ جو نکل آئے
اس وقت تو گھوڑے کے بھی آنسو نکل آئے

دریا کی ترائی میں جو آیا وہ غضنفر
بھاگی ہوئی پھر جمع ہوئی فوجِ ستمگر
شیشت آیا کئی سو قدر اندازوں کو لیکر
غل تھا کہ نکل جانے نہ پائے یہ دلاور
پیاسے پہ گھٹا شاہ کے لشکر کی جھکی تھی
تلواروں سے اور برچھیوں سے راہ رکی تھی

غصے میں بڑھے آتے تھے عباسِ علمدار
تھی مشکِ سکینہ پہ سپر ہاتھ میں تلوار
حملے تھے وہی تیغ وہی اور وہی وار
اس غول کے آگے کبھی اس صف کے ہوئے پار
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتا تھا گھوڑا
آتا تھا کبھی اور کبھی اڑ جاتا تھا گھوڑا

شعلے کی لپک تیغ کی پرتو نے دکھائی
بجلی کی تڑپ اسپِ سبک رو نے دکھائی
رفتارِ غزال اس کی تگ و دو نے دکھائی
ہر سم کے تلے شکل مہِ نو نے دکھائی
آہو میں بھی ایسے نہ طرارے نظر آئے
ہیکل جو ہلی دھوپ میں تارے نظر آئے

جب بڑھتے تھے عباسؑ تو ٹل جاتے تھے ناری
نعرے سے بہادر کے دہل جاتے تھے ناری
گھبرا کے ہر اک صف سے نکل جاتے تھے ناری
جب بھاگ نہ سکتے تھے تو جل جاتے تھے ناری
اعجازِ ید اللہ کے جانی نے دکھایا
آتش کا اثر تیغ کے پانی نے دکھایا

جا جا کے جو ہر صف میں لڑا عاشقِ شبیرؑ
برچھی کہیں کھائی کہیں نیزہ کہیں شمشیر
جس وقت لگے دونوں طرف بازوؤں پہ تیر
عباسؑ بنے جعفرِ طیار کی تصویر
جنت کے دریچوں کو ملک باز کریں گے
اب سوئے جناں نہر سے پرواز کریں گے

گھوڑا جو رکا گھیر لیا فوج نے اک بار
زخمی تھی کلائی پہ چلی جاتی تھی تلوار
گھبرا گئے جب پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
مشکیزے کو جھک جھک کے بچاتا تھا علمدار
پیہم صفِ اعدا سے یہ ناوک فگنی تھی
گھوڑے کی بھی گردن دُمِ طاؤس بنی تھی

تھے جسم پہ مانندِ زرہ تیروں کے روزن
گویا کہ لہو روتا تھا ہر دیدۂ جوشن
تھی غرقِ بخوں تن کی قبا زین کا دامن
غش آتا تھا ہر نے پہ جھکی جاتی تھی گردن
کھا کھا کے سناں شکرِ خدا کرتے تھے عباسؑ
پر مشک نہ سینے سے جدا کرتے تھے عباسؑ

غل فوج میں تھا مار لیا شیرِ زیاں کو
ہاں بھائیو دم لینے نہ دو تشنہ دہاں کو
پانی سے کہیں تر نہ کرے خشک زباں کو
توڑو کمرِ سبطِ رسولِؐ دو جہاں کو
مر جائے گا تیغوں سے جو مشکیزہ کٹے گا
پانی جو بہاؤ گے تو زور اس کا گھٹے گا

جب گھر گیا اعدا میں علمدارِ حسینیؑ
لڑتا رہا تا دیر مددگارِ حسینیؑ
زخمی ہوا تیروں سے جو غمخوارِ حسینیؑ
غل تھا کہ مٹی رونقِ گلزارِ حسینیؑ
گو تن میں نہ طاقت تھی مگر لڑتے تھے عباسؑ
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے عباسؑ

یاں کا تو یہ نقشہ تھا سنو حالتِ سرور
پھرتے تھے کمر پکڑے ہوئے سبطِ پیمبرؐ
ڈیوڑھی پہ تو سب ہیں حرم اور آپ ہیں باہر
لب پر کبھی نالے ہیں کبھی ہائے برادر
تکتے ہیں سوئے نہر سرا پردے کے تلے سے
لپٹاتے ہیں عباسؑ کے بیٹے کو گلے سے

منہ چوم کے کہتے ہیں نہ روئیں ترے قربان
ننھے سے اٹھا ہاتھ یہ کہتا تھا وہ نادان
بھائی کی نشانی پہ فدا ہوتے ہیں شبیرؑ
پھر غل جو ہوا رن میں تو زینبؑ کو پکارے
گھیرا ہے مرے شیر کو دریا کے کنارے
عباسؑ کی گردن سے تو شمشیر ملے گی
ڈیوڑھی پہ تلاطم تھا حرم کرتے تھے زاری
سر کھولے دعا مانگتی تھیں بی بیاں ساری
طوفاں سے خدا پیاسوں کی کشتی کو بچائے
ناگاہ یہ جاں کاہ صدا دشت سے آئی
تصویرِ علیؑ صفحۂ ہستی سے مٹائی
تنہا شہِ والا کا علم کر دیا ہم نے
نوفل سے کیا شمرِ لعیں نے جو اشارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا
تلواروں سے تصویر مٹائی ہے کیس کی
یہ خون بھرے کس کے ہیں الماس کے بازو
لشکر کا علم کیا ہوا اے سیدِ خوشخو
وہ نہر پہ خنجر سے گلا کٹتا ہے کس کا
بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ
اتنا تو کہا مر گئے عباسِ علی آہ
یاں بنتِ علیؑ کوٹ کے سینہ نکل آئی

تو باپ کے آنے کی دعا مانگ مری جان
اللہ یتیمی سے بچالے مجھے اس آن
معصوم دعا کرتا ہے اور روتے ہیں شبیرؑ
آئی ہے تباہی بہن اب گھر پہ ہمارے
مارے کوئی مجھ کو مرے بھائی کو نہ مارے
پر مجھ کو کہاں باپ کی تصویر ملے گی
کہتی تھی سکینہ کہ چلی جان ہماری
یا شیرِ خدا خاک میں مل جائیں یہ ناری
اللہ سکینہؓ کے بہشتی کو بچائے
ہاں طبل بجے تیغ علمدار نے کھائی
دیکھیں تو کہ اب بھائی کو پیدا کرے بھائی
عباسؑ کے ہاتھوں کو قلم کر دیا ہم نے
وہ دستِ علمدار اٹھا کر یہ پکارا
دیکھے انھیں کس جا ہے یداللہ کا پیارا
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہے یہ کس کی
ہے کس گلِ رنگیں میں یداللہ کی خوشبو
وہ کون ترائی میں تڑپتا ہے لبِ جو
بسمل کی طرح خاک میں تن آنتا ہے کس کا
تھرانے لگے غیظ سے ابنِ اسد اللہ
تیغِ دو زباں کھینچ کے دوڑے شہِ ذیجاہ
سب بی بیوں سے پہلے سکینہ نکل آئی

عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا
کیوں نکلیں بہن تم کسے مارا کسے مارا
وہ کہتی تھی رونے دو نہیں صبر کا یارا
ای بھائی بہشتی مرا کوثر کو سدھارا
چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

فرزند کو باباکی خبر سن کے غش آیا
گودی میں اسے دوڑ کے فضّہ نے اٹھایا
دریا پہ جو پہونچا اسد اللہ کا جایا
واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کیے تھے
تیروں سے چھدی مشک کے پہلو میں لیے تھے

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار
صدقے میں ترے ای مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھی تیروں سے ہر چشم گہر بار
عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امامِ دو جہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ
عباس ہم آغوش ہیں بیویں ادھر آؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہی بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہی بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ ہی موت گلوگیر
کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
امید یہ ہی رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے روئے خلفِ شاہِ نجف ہی
اس وقت تلک منھ مرا قبلہ کی طرف ہی

سب کام مرے آپکے صدقے سے بن آئے
وہ فاطمہؑ آئیں شہِ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولِ زمن آئے
سب مشکلیں آسان ہوئیں پنجتن آئے
اب روح سوئے خلدِ بریں جاتی ہی آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہی آقا

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے
کلمہ جو پڑھا ہونٹھ علمدار کے تھرائے
دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے
سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے
زانوئے شہِ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ

سر پیٹ کے ہاتھوں سے شبیر پکارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے
بھائی ہیں تری تشنہ دہانی کے تصدق
عباسؑ ہیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے
بس ہو چکی تعظیم ہیں قربان تمہارے
عباسؑ ہیں اس مرتبہ دانی کے تصدق

کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینہ
بتلاؤ بھتیجی کی تسلی کا قرینہ
یہ مشک جو واں خون میں تر جائے گی بھائی
چلاتی ہے ڈیوڑھی سے تمھیں ہائے سکینہؑ
اس صدمے سے اس بچی کا دشوار ہے جینا
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی

زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے
حضرت نے کہا جعفرِ طیار سدھارے
جنت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی
بیکس ہوئے شہ حیف ہے غمخوار سدھارے
جرّار و وفادار و مددگار سدھارے
باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی

خاموش انیسؔ اب تو نہ کہہ زاری شبیرؑ
ہر بات میں ہے درد ہر اک لفظ میں تاثیر
کم ہے عوض اس کا جو کوئی کوہِ طلا دے
ٹکڑے کیے دیتی ہے جگر کو تری تقریر
مصرعے ہیں محبوں کے کلیجے کے لیے تیر
آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صلا دے

رباعی

انساں ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشۂ آشیان و خوفِ صیاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

ایضاً

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اسی راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خوابِ غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

مرثیہ (۱۰)

عباس علیؑ قبلۂ ارباب وفا ہے
خورشید سپہر کرم و لطف و عطا ہے
ثابت قدم جادۂ تسلیم و رضا ہے
شمشیر خدا ہے خلف شیر خدا ہے
کس شوق سے صدقے ہوا فرزند نبیؐ کے
قربان علمدار حسینؑ ابن علیؑ کے

سقائے حرم نام ہے اُس شیر ژیاںؑ کا لہ عطشاں
دل غم سے بھر آئے نہ کیوں پیر و جواں کا
یہ چاہ تھی کوثر کی یہ شایق تھا جناں کا
قطرہ نہ بہشتی نے پیا آب رواں کا
تھے پیاس سے لب خشک پہ دریائے سخا تھا
وہ کر گیا دنیا میں جو کچھ حق وفا کا

اللہ رے اقبال ترے عزت و توقیر
ارشاد کریں قوت بازو جسے شبیرؑ
سر تا بقدم حیدر کرار کی تصویر لہ شیر غرندہ
ضرغام وغا حامی دیں صاحب شمشیر
پیدا ہے شجاعت رخ گلفام سے اُس کے
شیروں کے جگر کانپتے ہیں نام سے اُس کے

کیا حسن ہے کیا رعب ہے کیا شیر جواں ہے
کیا زور ہے کیا دبدبہ کیا شوکت و شاں ہے
صناعی حق اس کے سراپا سے عیاں ہے
ہر عضو کی خوبی پہ لطافت نگراں ہے
شیون ہے بپا تعزیہ داروں کے مکاں میں
ذکر قد و قامت سے قیامت ہے جہاں میں

اللہ نے بخشی ہے عجب نام کو تاثیر
شیعوں کی پناہ اور عدو کے لیے شمشیر
وہ مشکل لاحل جو نہ حل ہو کسی تدبیر
یا حضرت عباسؑ کہا پھر نہیں تاخیر
اعجاز و کرامت اسے کہیے تو بجا ہے [illegible]
بے دست ہے اور مثل علیؑ عقدہ کشا ہے

عین اس کا وہ چشمہ ہے کہ فیض اُس سے ہوا عام
ہے علم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
با سے برکت اور الف اول اسلام
ہے سین سعادت پہ اسی نام کا انجام
یہ اسم مقدس تو سعید ازلی ہے
اعلیٰ ہو نہ کیونکر کہ شریک اس کا علیؑ ہے

شیرانِ جہاں اس کے تہوّر سے ہیں روباہ
رتبہ ہے بلند ایسا کہ افلاک ہیں کوتاہ
زورا ایسا کہ ہے کوہِ گراں مثلِ پرِ کاہ
رعب ایسا کہ ہوتا ہے یقینِ اسد اللہ
حُسن ایسا کہ خورشید کا منہ زرد ہوا ہے
یوسف کا بھی بازار یہاں سرد ہوا ہے

ساونت ہے اور شیرِ الٰہی کا پسر ہے
جرّار ہے ہنگامِ وغا لاکھ پہ ور ہے
تیغ اس کی کلیدِ درِ اقبال و ظفر ہے
اور آپ شہِ دیں کی حفاظت کی سپر ہے
یاور ہو تو ایسا ہو جو صفدر ہو تو ایسا
عاشق ہو تو ایسا ہو برادر ہو تو ایسا

جس طرح محمّد پہ فدا رہتے تھے حیدرؑ
اِن کو بھی اسی طرح سے تھا عشقِ برادر
حضرت کو بھی پیارے تھے یہ بیٹوں کے برابر
جوں سایہ نہ قدموں سے جُدا ہوتے تھے دم بھر
فرماتے تھے جان و تنِ شبیرؑ ہے عباسؑ
قوّت ہے مری اور مری شمشیر ہے عباس

فرماتے تھے حضرت تو انھیں قوّتِ بازو
اور کہتے تھے یہ ہوں میں غلامِ شہِ خوشخو
حیدرؑ سے مشابہ تھا سراپا جو وہ گلرو
جب دیکھتے تھے شاہ تو بھر لاتے تھے آنسو
کہتے تھے نشانی ہے یہ احمدؐ کے وصی کی
یہ میرے مرقع میں ہے تصویر علی کی

کرتے تھے شہِ دیں پہ فدا جانِ گرامی
اللہ نے کی ان پہ محبت کی تمامی
سروِ چمنِ دیں کے ہوئے عشق میں نامی
گردن میں تھا قمری کی طرح طوقِ غلامی
پروانۂ شمعِ رُخِ شاہِ شہدا تھے
بلبل کی طرح سے گلِ زہرا پہ فدا تھے

جس دن سے مدینے سے چلے سیدِ ابرار
عباس نے کھولے نہ کمر سے کبھی ہتھیار
راتوں کو بھی مانندِ قمر رہتے تھے بیدار
اور خیمے کے ہو گرد پھرا کرتے تھے ہشیار
عاشق تھے زبس روشِ محمدؐ کے مکیں کے
اِس پردے میں ہوتے تھے تصدق شہِ دیں کے

فرماتے تھے یہ بارگہِ شاہِ اُمم ہے
کیا رُتبے میں کچھ خانۂ کعبہ سے یہ کم ہے
اس گھر کا ادب فرض ہے جب تک مرا دم ہے
گرد اورِ خیمہ نہیں طوفِ حرم ہے
یہ احمدِ مختار کے پیاروں کا مکاں ہے
یہ عرشِ معلّےٰ کے ستاروں کا مکاں ہے

جب متصل مار یہ پہونچے شہِ ابرار
اور حُرِّ دلاور سے ہوئی راہ میں تکرار
باگ اُس نے جو پکڑی تھی تو پیدل تھا علمدار
اِک ہاتھ میں تھی شہ کی وہ کاب ایک میں تلوار
ٹھہراتے تھے یہ غیظ تھا عباسِ علیؑ کو
حضرت کے قریب آنے نہ دیتے تھے کسی کو

شہ کہتے تھے شفقت سے چڑھو گھوڑے پہ بھائی
پیدل ہوئے کس واسطے کیا جی میں ہے آئی
کہتے تھے گوارا انہیں حضرت کی جُدائی
اِن قدموں سے مَلتا چلے آنکھوں کو فدائی
آقا مرا جب راکبِ دوشِ نبویؐ ہو
کیونکر نہ جلو میں مجھے چلنے کی خوشی ہو

میدانِ شہادت میں جو وارد ہوئے سرور
واں گھاٹ پہ اُترا ہوا تھا شام کا لشکر
برپا ہوئے ریتی پہ خیامِ شہِ صفدر
پانی نہ کئی دن ہوا پیاسوں کو میسر
عباس کو پانی کے نہ ملنے کا الم تھا
بھائی کی بھی تھی فکر سکینہؑ کا بھی غم تھا

جب روزِ دہم رن میں صف آرا ہوئے اعدا
عباس علیؑ نے بھی پرا فوج کا باندھا
پیغام یہ شہ نے پسرِ سعد کو بھیجا
لشکر سے جدا ہو کے ادھر چند قدم آ
ہمراہ کسی کو نہ وہاں لاؤں گا میں بھی
کچھ کہنا ہے تنہا ترے پاس آؤں گا میں بھی

سُن کر یہ سخن شاہ کا وہ فوج سے نکلا
ساتھ اس کے غلام ایک تھا اور ایک تھا بیٹا
تنہا چلے پاس اس کے ادھر سے شہِ والا
فرمایا مرے ساتھ کوئی آئے نہ اصلا
پر بھائی کی تنہائی سے گھبراتے تھے عباسؑ
سایہ کی طرح پیچھے چلے جاتے تھے عباسؑ

اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ شہنشاہِ خوش اوقات
مڑ کر کہا حضرت نے کہ کیوں آتے ہو تم سات
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اکبرؑ نے کہی بات
اس کا بھی پسر ساتھ ہے اے قبلۂ حاجات
ہم ساتھ نہ کیونکر ہوں کہ حضرت کے خلف ہیں
باطل کی طرف وہ ہے تو ہم حق کی طرف ہیں

عباسؑ سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
تم ٹھہرو یہیں میں ابھی آتا ہوں برادر
کی عرض علمدار نے تب قدموں پہ گر کر
اُس کا بھی تو ہے ساتھ غلام اے شہِ صفدر
کس طرح جلو میں یہ ہوا خواہ نہ ہوئے
حضرت کا غلام آپ کے ہمراہ نہ ہوئے

الفت پہ علمدار کی روئے شہِ ابرار
فرمایا کہ تنہائی مری تجھ پہ ہی دشوار
اُس وقت کہاں ہوئے گا تو ای مرے غمخوار
جب ذبح کرے گا مجھے خنجر سے جفاکار
یہ جسم مرا ظلم کے تیروں سے چھنے گا
تلواریں چلیں گی تو سپر کون بنے گا

فرماکے یہ پیشِ عمرِ سعد گئے شاہ
سمجھایا بہت اُس کو پہ سمجھا نہ وہ گمراہ
حجت ہوئی اتمام پھرے سیدِ ذیجاہ
تیر آنے لگے لشکرِ کفار سے ناگاہ
روکیں سپریں چہروں پہ انصارِ جری نے
اور سینہ سپر کر دیا عباس علی نے

بازارِ اجل گرم تھا چلنے لگی تلوار
مارے گئے مولا کے رفیقانِ وفادار
پھر شہ کے یگانے ہوئے مر جینے پہ تیار
چھٹنے لگا تلواروں سے زہرا کا وہ گلزار
ہیجان ہوا دولھا بھی جو میدانِ ستم میں
اک حشر تھا کبرا کے رنڈاپے کا حرم میں

روتے تھے کھڑے خیمے کے در پر شہِ ابرار
اور لپٹا تھا شبیر کے قدموں سے علمدار
تھی عرض یہی ای خلفِ احمدِ مختار
ہی اب تو غلام آپ کے رخصت کا طلبگار
سب فوج گئی جانبِ کوثر مرے مولا
اب دیکھیئے خادم کے بھی جوہر مرے مولا

شہ کہتے تھے مجھ پر ہی عیاں تیری شجاعت
لیکن یہ نہ ہوگا یہ نہ ہوگا کسی صورت
اللہ ری سردار و علمدار کی اُلفت
وہ روکتے تھے اور یہ کرتے تھے سماجت
تھا شہ کا یہ مطلب کہ نہ بھائی سے جدا ہوں
اور اُن کو تمنا تھی کہ آقا پہ فدا ہوں

لپٹاتے تھے چھاتی سے اُنھیں سبطِ پیمبر
یہ جوڑے ہوئے ہاتھوں کو جھکتے تھے قدم پر
فرماتے تھے شہ ہم کو رُلاؤ نہ برادر
لو جاؤ نہ روکیں گے جو مرضی ہی سو بہتر
قاسمؑ کی طرح داغ تمھارا بھی سہیں گے
اب منہ سے بجز شکرِ خدا کچھ نہ کہیں گے

کہتے تو کہا یہ۔ یہ ہوا صدمۂ جانکاہ
فرمایا تڑپ کر کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
ڈیوڑھی پہ لگے پیٹنے آکر حرمِ شاہ
غُل سُن کے یہ بولے پسرِ سعد کے ہمراہ
منگوا تو خبر خیمۂ شاہِ شہدا کی
یہ غل ہی کہ ہلتی ہی زمیں کرب و بلا کی

دو بھانجے اور ایک بھتیجا ہوا بے سر
اس طرح مگر روئے نہیں سبطِ پیمبر
کیا درد ہے اس وقت کہ بیتاب ہیں سرور
آہوں کی صدائیں چلی آتی ہیں مکرر
رونے میں کئی بار دمِ سرد بھرا ہے
تو سن تو کہ فریاد میں کیا درد بھرا ہے

ہنس کر پسرِ سعدِ ستمگار یہ بولا
فاقہ تھا کئی دن سے کوئی مر گیا ہوگا
سب بچوں میں شبیر سکینہؑ کے ہیں شیدا
سنتا ہوں کہ تھا پیاس سے ہونٹوں پہ دم اس کا
دنیا سے وہ مظلومہ سفر کر گئی ہوگی
رونے کا یہ غل ہے تو وہی مر گئی ہوگی

تب کہنے لگا شمرِ لعیں یہ نہیں زنہار
ہے صابر و شاکر پسرِ احمدِ مختار
آتی ہے صدا ہائے برادر کی جو ہر بار
ہوتا ہے جدا سبطِ پیمبر سے علمدار
بے وجہ نہیں خیمے میں یہ رونے کا غل ہے
معشوق سے عاشق کے جدا ہونے کا غل ہے

اک لڑکی جو کہتی ہے بصد نالہ و افغاں
فریاد ہے میں پیاس سے مرتی ہوں چچا جاں
بھر لا دو مری مشک کو دریا سے میں قرباں
بیٹی شہِ بیکس کی سکینہؑ ہے وہ ناداں
عباسؑ پہ گر کوہِ ستم آج گرے گا
بے مشک بھرے نہر سے خالی نہ پھرے گا

یہ ذکر تھا جو فوج میں غل ہو گیا اک بار
گھوڑے کو اڑاتا ہوا آتا ہے علمدار
کاندھے پہ تو ہے مشک و علم ہاتھ میں تلوار
آمد میں ہے اک دبدبۂ حیدرِ کرار
جب تیغ کھنچی تہلکہ لشکر میں پڑے گا
کس کا یہ کلیجہ ہے کہ جو اس سے لڑے گا

نورِ رخِ عباسؑ سے صحرا ہوا روشن
خورشید نظر آیا چراغِ تہِ دامن
میدانِ بلا خیز ہوا وادیِ ایمن
ہیبت بھی پر ایسی تھی کہ تھرا گئے دشمن
اللہ نے بخشا تھا عجب رعب نظر کو
تھا آنکھ ملانے کا نہ مقدور بشر کو

بولا کوئی کیا صاحبِ حشمت ہے یہ غازی
سر دفترِ اربابِ شجاعت ہے یہ غازی
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہے یہ غازی
فوجِ شہِ ابرار کی زینت ہے یہ غازی
آفاق میں یہ جاہ و حشم کس کے لیے ہے
لائق یہ علم کے ہے علم اس کے لیے ہے

جعفر کی طرح ولولۂ تیغ زنی ہے
ہم شوکت حمزہ یہ شجاعت کا دھنی ہے
جوں شیر خدا قوت خیبر شکنی ہے
مظلومی شبیر ہے خلق حسنی ہے
اجلال محمد رخ زیبا سے عیاں ہے
شان بزرگوں کی سراپا سے عیاں ہے

اس کے قد و قامت کا نہیں دہر میں ثانی
پائی یہ کہاں سرو گلستاں نے روانی
شاداب ہے کس حسن سے گلزار جوانی
شیریں سخنی گلبدنی غنچہ دہانی
شوق اس کی قدمبوسی کا ہے چرخ بریں کو
کیا دیکھتا ہے رشک سے جھک جھک کے زمیں کو

کیا دوش مبارک پہ ہے اوج علم شاہ
جنت کی ہوا اس کے پھریرے کی ہے افواہ
پنجے سے خجل پنجۂ خورشید رخ ماہ
اللہ کا لفظ اس سے عیاں ہوتا ہے واللہ
دیکھو تو حشم بازوئے شاہ شہدا کا
سایہ سر پر نور پہ ہے دست خدا کا

نور سر پر نور سے ہے خود منور
چار آئنہ کو دیکھ کے حیرت میں ہے لشکر
کیا ہاتھوں میں زیبندہ ہے دستانۂ حیدر
کڑیاں ہیں زرہ کی کہ ہیں شمشیر کے جوہر
قبضہ میں قضا جس کے کمان دوش پر ایسی
شمشیر کا دم بند ہو جس سے سپر ایسی

نیزہ وہ کہ چار آئنہ فولاد کا توڑے
مر جائے عدو تیر کماں میں جو یہ جوڑے
وہ تیغ کہ دشمن سے کبھی منہ کو نہ موڑے
پکڑے اجل اس کو یہ سکتا ہے جسے چھوڑے
گھوڑا وہ کہ بجلی کی تڑپ گرد ہوئی ہے
یہ گرم روی ہے کہ ہوا سرد ہوئی ہے

تب شمر سے بولا عمر سعد بد اختر
عباس کے تو رعب سے تھراتا ہے لشکر
نزدیک ہے اٹھ جائیں قدم فوج کے یکسر
اس غازی سے کر صلح تو ہے جنگ سے بہتر
تلوار چلی گر تو خدا جانیے کیا ہو
کچھ فکر کر ایسی کہ یہ بھائی سے جدا ہو

اس نحس نے کی سعد کے بیٹے سے یہ تکرار
حاکم ہے ترے حکم سے مجھ کو نہیں انکار
ظاہر ہے وفاداری عباس علمدار
یہ بات نہ مانے گا نہ مانے گا وہ زنہار
خوں اس کا پسینہ پہ شہ دیں کے گرے گا
ہو جائے گا ٹکڑے یہ نہ بھائی سے پھرے گا

ہیں اہلِ وفا لختِ دلِ حیدرِ صفدر — دُنیا کا نہ لالچ ہے انھیں نہ طمعِ زر
ان کے نہ ڈگیں پاؤں اگر تن سے کٹے سر — یہ سیفِ الٰہی ہیں وفا ان کا ہے جوہر
ساونت ہیں نورِ نظرِ شاہِ نجف ہیں — یہ جس کے طرفدار ہیں بس اُس کی طرف ہیں

یہ کہہ کے وہ مکّار چلا سوئے علمدار — اور غیظ سے یاں سُرخ ہوا روئے علمدار
غصّے سے کھڑے ہو گئے سب موئے علمدار — بل کھانے لگے گیسوئے خوشبوئے علمدار
ابرو پہ تو بل آ گیا شمشیر کی صورت — دیکھا طرفِ شمرِ لعیں شیر کی صورت

شعلے کی طرح کانپ گیا ڈر سے وہ ناری — پیچھے بھی ہٹا اور بڑھا بھی کئی باری
دہشت میں یہ تقریر زباں سے ہوئی جاری — حاکم نے مجھے بھیجا ہے اے عاشقِ باری
غصّے کی نہ باتیں نہ لڑائی کے سخن ہیں — سُن لیجیے حضرت کی بھلائی کے سخن ہیں

فرمایا علمدار نے کہہ کیا ہے وہ پیغام — تب دستِ ادب جوڑ کے بولا وہ خودکام
کرتے ہیں عبث آپ لڑائی کا سرانجام — حضرت کے تو ہے نام کی عاشق سپہِ شام
مشتاق ملاقات کے سب چھوٹے بڑے ہیں — واں ہاتھوں میں نذریں لیے سردار کھڑے ہیں

چلیے مرے ہمراہ اِدھر کو تو ہے بہتر — واں آپ کی خاطر ہے علمداریِ لشکر
سالاری ہے یاں لاکھ جوانوں کی مقرر — نکلا ہوا ہے کشتیوں میں خلعتِ پُرزر
جاگیر بھی ہاتھ آئے گی راحت بھی ملے گی — دولت بھی مدینے کی حکومت بھی ملے گی

کیوں آپ اُٹھاتے ہیں اُدھر پیاس کی ایذا — افسوس کرے ایسا جواں فاقے پہ فاقا
واں پانی بھی موجود ہے کھانا بھی مہیّا — حاکم تمھیں لشکر کے تمھیں مالکِ دریا
زنہار نہیں بغض و حسد اور کسی سے — ہم کو تو عداوت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ سے

فرزندوں کو گر آپ کے ہے تشنہ دہانی — لے آئیے اُن کو وہ پئیں شوق سے پانی
شبیرؑ کی منظور نہیں پیاس بجھانی — حلق اُن کا ہے اور خنجرِ بُرّاں کی روانی
احمدؐ سے نہ حیدرؑ سے نہ زہراؑ سے ڈریں گے — پیاسا پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کریں گے

اور دل ہی سکینہ کی اگر پیاس پہ بیتاب
زینبؑ کی ردا چھینیں گے اور لیویں گے اسباب
رسّی سے بندھا عابدِ بیمار چلے گا
عباسؑ نے جس دم یہ سنی شمر کی تقریر
سر تا بقدم کانپ گیا عاشقِ شبیرؑ
ہیں عاشقِ شبیرؑ ہوں میں اہلِ وفا ہوں
اس تفرقہ سازی کا مزا تجھ کو دکھا دوں
جوں حرفِ غلط دفترِ عالم سے مٹا دوں
واقف نہیں کیا رتبہ سے اولادِ علیؑ کے
تو کیا ہی جفاکار تری فوج ہی کیا مال
اک جانِ وفا لب ہیں اور فاطمہ کا لال
مر کر بھی شہِ دیں میں مری جان رہے گی
روشن ہو مرا نام نہ بجھے شمعِ امامت
ہو بادشہِ یثرب و بطحا کی شہادت
تحقیر ہی یہ منصب و جاگیر نہیں ہی
خلعت ترا کیا چیز ہی او ظالمِ بے پیر
محتاج رہیں کوثر کے ہماری ہی یہ توقیر
کچھ حشمتِ ظاہر کی ہمیں چاہ نہیں ہی
مجھ کو تو نہ ہی بھوک نہ ہی تشنہ دہانی
آبِ دمِ شمشیر کی جب ہوگی روانی
دریا کی طرف تیغ پکڑ کر جو جھکیں گے

شبیرؑ کے بعد اس کو بھی کر دیویں گے سیراب
پر آپ کی زوجہ کا بھلا دیں گے نہ آداب
حضرت کا پسر گھوڑے پہ اسوار چلے گا
معلوم ہوا یہ کہ کلیجے پہ لگا تیر
فرمایا زباں بند کر او ظالمِ بے پیر
سر تن سے جدا ہو یہ نہ بھائی سے جدا ہوں
ہی شرط کہ شمشیر کے شعلے سے جلا دوں
اک حملے میں یوں شام کے لشکر کو بھگا دوں؟
ظالم مرے منہ پر یہ سخن بے ادبی کے
لوں باگ جو گھوڑے کی تو کردوں ابھی پامال
آقا سے جدائی پسِ مردن بھی ہی اشکال
بھائی پہ مری روح بھی قربان رہے گی
بے سر ہوں وہ اور پہنوں میں سرداری کا خلعت
تب مجھ کو ملے شہرِ مدینہ کی حکومت
پھر خاک ہی دنیا میں جو شبیرؑ نہیں ہی
یاں حلۂ فردوس ہی اور دامنِ شبیرؑ
منصب ہی غلامیِ شہ اور خلد ہی جاگیر
واں دولتِ دنیا ہی تو یاں دولتِ دیں ہی
غم یہ ہی کہ پیاسا ہی یداللہ کا جانی
پی لیویں گے ہم بازوؤں کے زور سے پانی
جوں سیل ہزاروں کے نہ روکے سے رکیں گے

شہزادۂ عالم تو پیادہ چلے دن بھر
زہراؑ کی بہو بیٹیاں بلوے میں کھلے سر
آقا کا نہ دوں ساتھ میں ایسا تو نہیں ہوں
فرزندِ گرامی مرا اکبرؑ پہ تصدق
زوجہ مری شبیرؑ کی خواہر پہ تصدق
سو جانِ گرامی سرِ شبیرؑ کے صدقے

واں شمر و علمدار میں ہوتی تھی یہ تقریر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالمِ بے پیر
اس فوج میں فرزندِ امیرِ نجف آیا
اکبرؑ سے یہ بولا پسرِ مخبرِ صادق
یہ بات نہیں رتبۂ عباسؑ کے لائق
بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا

ناموسِ نبی میں بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباس علمدار
ہو دیر سے اک شور بپا لشکرِ کیں میں
بولی یہ سکینہؑ کہ چچی تم سے کہوں کیا
اور کہتے ہیں آپس میں خوشی ہو کے یہ اعدا
اس صدمے سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے

چپکے سے سکینہؑ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
قوت شہِ والا کی انھیں سے تو فقط ہے

بیٹا مرا اسوار سے چلے گھوڑے کے اوپر
زوجہ مری پردے میں ہو اوڑھے ہوئے چادر
زینبؑ کی وہ لونڈی ہیں غلامِ شہِ دیں ہوں
چھوٹا مرا بیٹا علی اصغر پہ تصدق
سارا مرا گھر فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق
عباسِ علیؑ دخترِ شبیرؑ کے صدقے

یاں خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہِ دلگیر
چلا یا کہ لو ٹوٹ گئے بازوئے شبیرؑ
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا
کاذب ہیں جفاکار ہیں مفسد ہیں یہ فاسق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق
عباسِ علیؑ مجھ سے برائی نہ کرے گا

زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانوں گی میں نہار
کیا ماجرا ہے بی بیو مجھ سے کرو اظہار
وارث مرا کیا قید ہوا لشکرِ کیں میں
روتے ہیں کمر پکڑے ہوئے ہاتھوں سے بابا
عباسؑ ملا ہم سے شہِ دیں ہوئے تنہا
میں پیاس بھی بھولی ہوں یہ عمو کا قلق ہے

غرقِ عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
اور سوچ کے کہتی تھی کہ بیجا ہے یہ وسواس
عباسؑ پھرے شہ سے نہ مانوں گی غلط ہے

ہیں روتی تھی شب کو تو یہ سمجھاتے تھے ہر بار
تم لونڈی ہو اور میں ہوں غلام شہ ابرار
سردار پہ کل ہوگا تصدق یہ علمدار
کچھ اپنے رنڈاپے کا نہ غم کیجیو زنہار
فدیہ ہوں میں اُس کا جو محمدؐ کا خلف ہے
میری بھی سعادت ہے تمھارا بھی شرف ہے

بھائی کو وہ پیارے ہیں انھیں بھائی ہے پیارا
عاشق کبھی معشوق سے کرتے ہیں کنارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
قسمت ہی اُلٹ جائے تو اس کا نہیں چارا
لیکن فلک اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا
بھائی کو کبھی بھائی سے پھرتے نہیں دیکھا

اِس سوچ میں پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر
رُخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہیں گے آن کے شوہر
یارب نہ سنوں میں کہ جدا ہو گئے عباس
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباس

بھیجوں کسے رن میں جو مفصل خبر آئے
کیا وجہ جو گھر میں نہ شہ بحر و بر آئے
شمر ستم آرا کی نہ اُمید بر آئے
آپ آئیں و یا مشک و علم خوں میں تر آئے
کھل جائے کہ عاشق تھا شہ ہر دوسرا کا
شہرہ ہو جہاں میں مرے والی کی وفا کا

آخر کہا بیٹے سے کہ واری اِدھر آؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان میں جاؤ
بیتاب ہوں اے لال خبر باپ کی لاؤ
تھے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباس
دیکھ آؤ تو لڑتے ہیں کہ مارے گئے عباس

غیرت سے موئی جاتی ہوں میں بیکس و ناچار
کہتے ہیں عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
صدقے گئی کہیو مری جانب سے یہ تکرار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیوں کرتے ہو گفتار
وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دُشمن سے علاقہ تمھیں کیا ہے

کچھ پانی کے لانے کی کرو نہر سے تدبیر
حالت ہے سکینہؑ کی بہت پیاس سے تغییر
گہوارے میں دم توڑتا ہے اصغر بے شیر
کیا مشورہ ہے جنگ میں کیوں کرتے ہو تاخیر
تم صاحبِ شمشیر ہو فرزندِ علیؑ ہو
وہ کام کرو فاطمہؑ کی جس میں خوشی ہو

سنتے ہی نواسۂ عباسؑ دلاور
خیمے سے چلا ہنسلیاں پہنے ہوئے باہر
ماں کہتی چلی پیچھے کہ جلد آئیو دلبر
گھبرا کے یہ کہتی چلی شبیر کی خواہر
عباس کی ہے خیر عبث روتی ہوئی بی
بچے کو بھلا ہاتھ سے کیوں کھوتی ہوئی بی

تھا در پہ ہجوم حرم احمدِ مختار
ہنوڑائے تھی سر زوجۂ عباسِ علمدار
کہتا تھا وہ معصوم لیے ہاتھ میں تلوار
کیوں روکا ہے جانے دو سوئے لشکرِ کفار
بابا تو مرے ہوئیں گے سرور پہ تصدق
ہو جاؤں گا میں بھی علی اصغر پہ تصدق

کرتے ہیں مرے باپ پہ تہمت یہ ستمگر
اس جھوٹ کی دیتا ہوں سزا میں ابھی جا کر
دکھلاؤں گا ان کو میں وفاداری کا جوہر
پوتے ہیں علیؑ کے ہمیں مرنے کا نہیں ڈر
ہم اہل مروت ہیں وفا ختم ہے ہم پر
سر کاٹ کے رکھ دیتے ہیں آقا کے قدم پر

آنکھوں میں بھرے اشک کرتا تھا یہ تقریر
لیتی تھی بلائیں شہِ مظلوم کی ہمشیر
منھ چوم کے فرماتی تھی یہ بانوئے دلگیر
صدقے تری جرات کے میں اے صاحبِ شمشیر
گھر میں چلو کیوں غصے سے تھراتے ہو پیارے
رکتے نہیں جب غیظ میں تم آتے ہو پیارے

تہمت کوئی کر سکتا ہے بابا پہ تمہارے
یہ مکر و فریب اہل شقاوت کے ہیں سارے
پھر جائے گا وہ بھائی پہ جو جان کو وارے
بس غصے کو جانے دو کدھر دھیان ہے پیارے
عباس کا رتبہ شہِ دلگیر سے پوچھو
قدر ان کی وفاداری کی شبیر سے پوچھو

کیا ہوتا ہے کہنے دو اگر کہتے ہیں گمراہ
تم بچے ہو واری ابھی میداں کی نہ لو راہ
یاں ذکر یہ تھا اور ادھر بدولہے تھے شاہ
ناگاہ ہوا شور میانِ صفِ جنگاہ
لو غیظ میں فرزندِ امیرِ عرب آیا
تلوار علمدار نے کھینچی غضب آیا

یہ غل جو سنا زوجۂ عباس نے اک بار
سرخی سی ہوئی چاند سے چہرے پہ نمودار
پردے سے لگی دیکھنے رن کو وہ دل افگار
دیکھا کہ علمدار سے ہے چل رہی تلوار
سب سے کہا لو دیکھو دغا ہے کہ وفا ہے
بھائی کو علمدار نے چھوڑا تو یہ کیا ہے

میداں میں چمکتی ہے یہ کس شیر کی شمشیر — کس کا ہے یہ نعرہ کہ نثارِ سرِ شبیرؑ
اس وقت نہیں کرتے خوشی ظالمِ بےپیر — بخشا کسے منصب کسے دی خلعت و جاگیر
چھوڑی ہے علمداری تو وہ اوج کہاں ہے — سردار گیا فوج کا پھر فوج کہاں ہے

یہ کہتی تھی اور اشک تھے رخساروں پہ جاری — ساتھ اس کے حرم کرتے تھے سب گریہ و زاری
پھر سبطِ پیمبرؐ کو یہ ڈیوڑھی سے پکاری — کس شان سے لڑتا ہے غلام آپ کا واری
عباس کے ہاتھوں کی صفائی کو تو دیکھو — لاکھوں سے اکیلے کی لڑائی کو تو دیکھو

تھا مجھ کو تردد کہ ہوئی جنگ میں کیوں دیر — حضرت نے کیا منع کہ اعدا نے لیا گھیر
دشمن سے ملی آنکھ تو رکتے نہیں پھر شیر — کیا وجہ جو عباس نے کھینچی نہیں شمشیر
اب مٹ گئے دھڑکے کہ وغا کرتے ہیں عباس — جو حق ہے غلامی کا ادا کرتے ہیں عباس

کیا آپ کی الفت ہے اس الفت کے میں قربان — بیٹے کا خیال ان کو نہ اس دم ہے مرا دھیان
لڑنے میں بھی جاری ہے زباں سے یہی ہر آن — نقشِ قدمِ شہ پہ تصدق ہے مری جان
لاکھوں میں وہ تنہا ہیں یہ لونڈی ہے قلق میں — صدقے گئی کچھ کیجے دعا بھائی کے حق میں

شہ بولے دعا کرتا ہے سینے میں مرا دل — آسان کرے اللہ مرے بھائی کی مشکل
صادق ہے محبت میں وفاداری میں کامل — کس شوق سے طے کرتا ہے یہ عشق کی منزل
بھائی کا مرے ذکرِ وفا کرتی ہیں زہرا — سر کھولے ہوئے اس کو دعا کرتی ہیں زہرا

محبوبِ خدا ہیں ترے شوہر کے ثنا خواں — ہیں اس کی شجاعت کے معترف شہِ مرداں
فرماتے ہیں رو کر کہ ہیں عباس کے قرباں — اور جعفر و حمزہ بھی ہیں شرمندۂ احساں
عباس سے سب ساکنِ افلاک خوشی ہیں — راضی ہے خدا پنجتنِ پاک خوشی ہیں

کس سے کہوں اس دم ہے جو صدمہ مرے دل پر — افسوس بچھڑتا ہے برادر سے برادر
وہ لڑتا ہے چلتے ہیں جگر پر مرے خنجر — بھائی کی محبت پہ فدا سبطِ پیمبر
دو روز کی اس بھوک کے اس پیاس کے صدقے — شبیرؑ وفاداریِ عباسؑ کے صدقے

اُس نے کہا یہ منہ سے نہ فرمائیے شاہا
عباس غلام آپ کا آپ اس کے ہیں آقا
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں مولا
بانو کو سہاگن رکھے حق ہے یہ تمنا
دنیا میں رہیں آپ سلامت یہ دعا ہے
عباس سے سو ہوویں تصدق تو بجا ہے

ہاں ذکر یہ تھا اور اُدھر فوج سے لڑتا
پہونچا پسرِ شیرِ الٰہی لبِ دریا
جو گرد سے سب فوجِ ستمگر ہوئی اکجا
سقائے سکینہؑ کے لیے گھاٹ کو روکا
تلواریں چمکتی تھیں علم سُرخ کھلے تھے
دو لاکھ جواں ایک سے لڑنے کو تلے تھے

جس وقت کہ شبدیز کو غازی نے اُڑایا
بجلی سا تڑپ کر صفِ اعدا میں در آیا
جس جس پہ پڑا تیغِ علمدار کا سایا
آکر ملک الموت نے بے سر اُسے پایا
وہ فرق پہ چمکی کہ اجل سر پہ کھڑی تھی
دریا کا کسے ہوش تھا جانوں کی پڑی تھی

اعدا کے تو رُخ مڑ گئے اور تیغوں کی دھاریں
سب ٹوٹ گئیں برچھیوں والوں کی قطاریں
کہتے تھے ستمگر کسے روکیں کسے ماریں
قابو میں چڑھے اپنے تو سر تن سے اتاریں
ہنگامِ وغا شیر کو ٹوکا ہے کسی نے
گرتی ہوئی بجلی کو بھی روکا ہے کسی نے

تانے ہوئے نیزوں کو سوارانِ جفاکار
جوڑے ہوئے تیروں کو کمانوں میں کماندار
تلواریں لیے ہاتھوں میں کھینچے ہوئے خونخوار
صف برچھیوں والوں کی بھی خونریزی کو تیار
غل تھا کہ علمدارِ حسینؑ آنے نہ پائے
سقائے حرم نہر تلک جانے نہ پائے

عباس پکارے کہ ہم آتے ہیں خبردار
رہوار کی اب باگ اُٹھاتے ہیں خبردار
جنگِ اسد اللہ دکھاتے ہیں خبردار
پانی کے لیے نہر پہ جاتے ہیں خبردار
ہاں دیکھیں ذرا تیغِ شرر دم کو تو روکو
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکو

پانی تھی عجب ہاتھ نے غازی کے صفائی
بس صاف تھی وہ جو کہ تہِ تیغ صف آئی
اعدا کو نظر حضرتِ شاہِ نجف آئی
جوں سیلِ فنا پھر نہ رُکی جس طرف آئی
شعلہ تھی شرارہ تھی قیامت تھی بلا تھی
شمشیر تھی یا برق تھی یا قہرِ خدا تھی

جوں موج گریزاں ہوئی فوجِ ستم آرا اعدا نے کیا گھاٹ سے دریا کے کنارا
وہ ڈوب مرے جن کو نہ تھا جنگ کا یارا سرداروں کو چن چن کے علمدار نے مارا
اک دم میں نہ پیدل نہ سواروں کا پرا تھا خالی تھیں صفیں دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

سقائے سکینہ کو جو دریا نظر آیا جوں شیر ترائی سے وہ پانی میں در آیا
سمجھی یہ ہر اک ماہیِ دریا قمر آیا یا شمسِ فلک بامِ فلک سے اتر آیا
ہوتی تھی چکا چوند یہ لہروں میں جھلک تھی دریا کے حبابوں میں ستاروں کی چمک تھی

اللہ رے عکسِ رُخِ عباسؑ کا سایا دریا میں ملا آن کے اک حُسن کا دریا
حیرانی سے پانی ہوا آئینہ کا تختا قطرہ ہر اک اس بحر کا تھا گوہرِ یکتا
پر تشنگیِ شاہ سے مغموم تھے عباس تھے نہر میں اور پانی سے محروم تھے عباس

چھوڑا رہے تھے بن پانی سکینہ کو جو بیتاب خود پیاسے رہے اور کیا مشک کو سیراب
دریا سے چلا جس گھڑی وہ گوہرِ نایاب گرد آگئی پھر فوجِ ستم صورتِ گرداب
نہ تیر نہ شمشیر کے پھل نے اُسے روکا اعدا سے نہ رُکتا پہ اجل نے اُسے روکا

کیا کیا نہ لڑے مشک کو کیا کیا نہ بچایا گہہ چھاتی تلے زیرِ سپر گاہ چھپایا
جھک کر کبھی دامانِ زرہ اُس پہ اُڑھایا وہ تیر لگا سینہ پہ جو مشک پہ آیا
پانی کے لیئے خون میں تر ہو گئے عباس تلوار جب آئی تو سپر ہو گئے عباس

حفظِ علمِ شاہ بھی مشکیزے کا بھی دھیان دونوں کو بچانا بھی لڑائی کا بھی سامان
یہ ایک اِدھر لاکھ اُدھر دشمنِ ایمان تشنہ بھی گرسنہ بھی کئی دن سے وہ ذیشان
مجروح تھا سر تیروں سے چھاتی بھی چھنی تھی اس پر بھی وہی زور وہی صف شکنی تھی

مشکیزے کو لے نکلا تھا لڑ بھڑ کے وہ مہرو پر گھات میں لپٹے چلے آتے تھے جفا جو
تلواروں کے وار اس پہ کیئے پا کے جو قابو ہیہات کہ شانوں سے قلم ہو گئے بازو
ہمت کے سبب سنبھلے رہے خانۂ زیں پر جب مشک چھدی گر پڑے عباس زمیں پر

پانی جو بہا مشک سے آنسو ہوئے جاری — چلاّ کے کہا ہائے سکینہ کی باری
رن میں دہل فتح بجانے لگے ناری — سُن کر کہا حضرت نے کمر ٹوٹی ہماری
بھائی کا جو صدمہ دلِ مضطر نے اُٹھایا — غش کھا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے اُٹھایا
چلائی یہ زینبؑ کہ غضب ہو گیا لوگو — بھائی کے الم میں نہ جئیں گے شہ خوشخو
عباسؑ کی زوجہ نے کہا پیٹ کے سر کو — بیوہ ہوئی پرسا مرے وارث کا مجھے دو
اب سچ ہے کہ حضرتؑ سے جُدا ہو گیا بھائی — لو صاحبو بھائی پہ فدا ہو گیا بھائی
دریا کی طرف پیٹتے روتے چلے سرور — تھا وردِ زباں ہائے اخی ہائے برادر
جاتے تھے کمر باپ کی تھامے ہوئے اکبرؑ — ریتی میں عجب حال سے پہونچے شہ صفدر
ہر گام پہ گر پڑتے تھے یہ زور گھٹا تھا — عمامہ نہ تھا سر پہ۔ گریبان پھٹا تھا
ناگاہ علمدار کا لاشہ نظر آیا — اک بھائی کو اک بھائی تڑپتا نظر آیا
آلودۂ خوں چہرۂ زیبا نظر آیا — چلائے کہ ہے ہے یہ مجھے کیا نظر آیا
عاشق مرے تو ہو گیا شبیرؑ کے صدقے — شبیرؑ تری خوں بھری تصویر کے صدقے
یہ کہہ کے گرے لاش پہ اور روئے لپٹ کر — چومے کبھی شانے کبھی منہ رکھ دیا منہ پر
عباسؑ نے کھولے نہ مگر دیدۂ انور — سر زانو پہ تب لیکے یہ کہنے لگے سرور
کیا شرم ہے کیوں آنکھیں نہیں کھولتے بھائی — ہم روتے ہیں تم منہ سے نہیں بولتے بھائی
آہستہ سے کہنے لگا وہ شہ کا فدائی — ہمراہ سکینہ تو نہیں آپ کے آئی
اور دوسرے اس شرم سے ہے آنکھ چرائی — کچھ شمر کی باتوں سے مکدّر نہ ہوں بھائی
شہ بولے کہ کھولو میں ان آنکھوں کے فدا ہوں — نہ ساتھ سکینہ ہے نہ میں تم سے خفا ہوں
یہ سُنتے ہی عباسؑ نے آنکھوں کو کیا وا — سوئے پسرِ فاطمہؑ کس پیار سے دیکھا
پھر شہ سے کہا سوئے علم کر کے اشارا — اس اپنی امانت کو اُٹھا لیجئے آقا
رخصت ہے ہماری کہ کوئی دم میں بنیگے — اب حشر کے دن پھر اسے کاندھے پہ دھریں گے

اکبر کے حوالے اسے کیجے تو ہی بہتر
عباس سے کہنے لگے شبیرؑ یہ رو کر
سر کٹ کے سرِ نیزہ علم ہوئیں گے بھائی
رونے لگے یہ کہہ کے شہ یثرب و بطحا
کیا دیکھتے ہیں پھیر کے منھ کو شہ والا
لب خشک ہیں رُخ گردِ یتیمی سے اٹا ہے
اس بچے کو گھر لے کے یہ شبیرؑ پکارے
عباسؑ نے کی عرض کہ میں صدقے تمہارے
روتا تھا یہ جب گود میں مادر کی دیا تھا
سر پیٹتا ہاتھوں سے وہ معصوم جو پہونچا
ہر چند چھڑاتے تھے اُسے سید والا
کہتا تھا پسر صدقے یہ کیا حال ہے بابا
ہاتھوں میں اُٹھا لیتا ہوں میں دونوں کٹے ہات
رہتی سے ذرا اُٹھیے تو اے قبلۂ حاجات
پانی نہ ملا گھر میں نہ میں جاؤں گا بیٹا
تم رو رو کے ہم کو نہ کڑھاؤ مرے دلبر
سمجھائیو سر پیٹ کے روئیں گی جو مادر
جو گزری ہے مجھ پر وہ سنا دیجیو بیٹا
یہ کہہ کے عجب درد سے عباس نے کی آہ
بیٹا تو لگا پیٹنے اور رونے لگے شاہ
مصروف بکا روح شہِ عقدہ کشا تھی

لایق ہے علمداری کے ہمشکل پیمبرؑ
اب مجھ کو علم چاہیے دنیا میں نہ لشکر
دنیا میں علم ہوگا نہ ہم ہوئیں گے بھائی
جو آئی یہ آواز کہ ہے ہے مرے بابا
سر ننگے چلا آتا ہے عباسؑ کا بیٹا
دُر ہلتا ہے کرتے کا گریبان پھٹا ہے
کیوں چھوڑ کے مادر کو چلے آئے ہو پیارے
پھر دیکھ لیں آنے دو اسے پاس ہمارے
چلتے ہوئے میں نے اسے کم پیار کیا تھا
عباس علیؑ کے تنِ مجروح سے لپٹا
لیکن نہ جدا ہوتا تھا باپ سے وہ بچا
گھر میں چلو اماں کا بُرا حال ہے بابا
اور آپ کو تھامے چلیں گے شاہ خوش اوقات
عباسؑ نے تب بیٹے سے رو کر یہ کہی بات
منھ اپنا سکینہ کو نہ دکھلاؤں گا بیٹا
گو میں نہیں شبیر سا آقا تو ہے سر پر
اور حال مرا پوچھے جو شبیرؑ کی دختر
تیروں سے چھدی مشک دکھا دیجیو بیٹا
جاں ہو گئی تن سے سفری آہ کے ہمراہ
ہمشکل پیمبر نے کیا نالۂ جاں کاہ
لاشہ کے قریں گریہ تہِ اکی صدا اٹھی

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
کر عرض کہ یا حضرتِ عباسؑ علمدار
آقا تو مرا آپ سا ہو کُل کا مددگار
اور رہوے غلام ایسی مصیبت میں گرفتار
خادم کا جو مطلب ہی وہ اب جلد روا ہو
تم عقدہ کشا ہو پسرِ عقدہ کشا ہو

رُباعی

ای شاہ کے غم میں جان کھونے والو
ای ابن علی کے صدقے ہونیوالو
اس اجر عظیم کو نہ دو ہاتھوں سے
اب دو ہی شبیں اور ہیں رونیوالو

ایضاً

مارے گئے جو وہ سب بعین دفن ہوئے
زہرا کے نہ ہائے نازنیں دفن ہوئے
عاشورِ محرم کو ہوئے قتل حسینؑ
پر قبر میں بعد اربعیں دفن ہوئے

ایضاً

ہر دم ہی خیالِ عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دل میں
نافے کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سپیدی ہی سیاہی دل میں

ایضاً

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے
فردوس بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہونچے نجف میں خاک ہی کہ صد شکر
دربار ابوتراب دیکھا ہم نے

ایضاً

عرفان تصدیقِ حجتِ حیدر ہی
ایمان نور محبتِ حیدر ہی
دوزخ ہی عداوتِ علیؑ کا بدلا
فردوس بہار الفتِ حیدر ہی

مرثیہ (۱۱)

عباس علیؑ گوہرِ دریائے شرف ہے
تو لعل نہ پہونچیں جسے وہ دُرِ نجف ہے
غازی کی وفاداری کا غل چار طرف ہے
کیوں شہرہ نہ ہو شیرِ الٰہی کا خلف ہے
حقا کہ زمانے میں بہادر نہیں ایسا
اس صدفِ بحر میں اک دُر نہیں ایسا

ہم طلعتِ یوسف تھا وہ اولادِ علیؑ میں
تھی قوتِ خیبر شکنی شیرِ جری میں
ہمت نہ یہ جرات نہ یہ شوکت تھی کسی میں
تھا ایک جواں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
مشہور ہے اُس صاحبِ شمشیر کی طاقت
آنکھ اُس سے ملائے یہ نہیں شیر کی طاقت

غازی کی نہ ہے قدر نہ ہے دبدبہ و جاہ
حمزہؑ کی جو شوکت تو شکوہِ اسد اللہ
زیبِ علم و فوج ہنر بر صفِ جنگاہ
اقلیمِ جوانمردی و ہمت کا شہنشاہ
بخشش سے کبھی ہاتھ کو خالی نہیں پایا
جعفرؑ نے بھی یہ رتبۂ عالی نہیں پایا

اللہ نے دی عزت و توقیرِ ید اللہ
مشہور ہوئے وارثِ شمشیرِ ید اللہ
ہر بات میں رنگینیٔ تقریرِ ید اللہ
صورت کا یہ انداز کہ تصویرِ ید اللہ
روشن ہوا دل قدرتِ اللہ کو دیکھا
دیکھا شہِ مرداں کو جو اُس ماہ کو دیکھا

لشکر شکن و صفدر و زور آور و خوشرو
فرزندِ ید اللہ تو شبیرؑ کا بازو
خلقِ حسنی غربتِ شاہنشہِ خوش خو
ساری وہی ہمت وہی خصلت وہی خو بو
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہووے گا جہاں میں
کیا کیا صفتیں جمع تھیں اُس ایک جواں میں

سروِ چمنِ مرتضوی تھا قدِ بالا
فرزندِ نبیؐ نے جسے آغوش میں پالا
عضوِ بدن ایسے کہ کہے دیکھنے والا
ہے نور کے سانچے میں خدا نے اسے ڈھالا
رُخ ایک طرف حسن سے اعضا نہیں خالی
خوبی سے سراپا میں کوئی جا نہیں خالی

رعب ایسا کہ شیروں کا جگر خوف سے تھرائے
زور ایسا کہ قوت اسد اللہ کی یاد آئے
حلم ایسا کہ تصویر حسن آنکھوں میں پھر جائے
حسن ایسا کہ یوسف بھی جسے دیکھ کے شرمائے
نظارۂ خورشید گوارا تھا نظر کو
اس رخ پہ ٹھہرنے کا نہ یارا تھا نظر کو

اس طرح کا صفدر کوئی آفاق میں کم تھا
تھا کہ وہ فخر عرب و روم و عجم تھا
ہمراہ سدا لشکر اقبال و حشم تھا
زیبا تھا علم اس کو تو وہ زیب علم تھا
شبیرؑ سا سردار خوش اطوار نہ ہوگا
عباسؑ دلاور سا علمدار نہ ہوگا

اللہ نے دو شیر کیے خلق میں پیدا
حیدرؑ سا ولی حضرت عباسؑ سا آقا
ہمت میں یہ بے مثل شجاعت میں وہ یکتا
عاشق وہ محمدؐ کے یہ شبیرؑ کے شیدا
ان کو تو نبوت کا نگہبان کیا تھا
حکم ان کو امامت کی حفاظت کا دیا تھا

کیا کیا شہ مرداں نے محمدؐ کی مدد کی
جو آئی بلا شیر الٰہی نے وہ رد کی
برباد کیا کفر کو اور دین میں کد کی
مشہور ہے عالم میں وغا بدر و احد کی
کہہ دے کوئی اصحاب وفادار کدھر تھے
تلوار چلی جب تو علیؑ سینہ سپر تھے

وہ فخر شجاعان جہاں فارس میداں
شمشیر خدا قوت دیں کاشف قرآں
عنتر کش و خیبر شکن و ضیغم یزداں
تھا بیر الم میں بھی محمدؐ کا نگہباں
پر چلتے تھے ان سب کے بہادر جو بڑے تھے
ٹھہرے نہ قدم ان کے علیؑ کود پڑے تھے

خندق کی وغا میں جو ہوئی فوج صف آرا
واں عمر سے لڑنے کو نہ تھا ایک کو یارا
اک ضرب میں مولا نے کیا اس کو دو پارا
گردوں سے فرشتوں نے خوشی ہو کے پکارا
بس اب نہ رسول دو جہاں ہووے گا ایسا
تیغ ایسی نہ ہوگی نہ جواں ہووے گا ایسا

عباسؑ کو بھی ایسی ہی تھی الفت شبیرؑ
اک آن گوارا ہی نہ تھی فرقت شبیرؑ
عاشق کی طرح دیکھتے تھے صورت شبیرؑ
یا طاعت معبود تھی یا خدمت شبیرؑ
نعلین تھی شہ کی انھیں افسر کے برابر
حضرت کو سمجھتے تھے پیمبرؐ کے برابر

اللہ ری وفاداریِ عباسِ خوش اطوار
ہے بعد فنا بھی وہی عشق اور وہی پیار
رکھتے ہیں جب وراسِ علم شہ کے عزادار
اور بیچ میں ہوتی ہے ضریحِ شہِ ابرار
مرنے پہ بھی عشقِ شہِ خوش خو نہیں چھوڑا
اب تک شہِ مظلوم کا پہلو نہیں چھوڑا

مرتے رہے شبیر پہ جب تک جیئے ہیں
بے جاں تو ہیں بھائی پہ مگر جان دیئے ہیں
بے دست ہیں ہاتھوں سے مگر سایہ کیئے ہیں
آغوش میں فرزندِ پیمبر کو لیئے ہیں
عاشورے کے دن تعزیہ داری میں ہیں آگے
گھر میں تو ہیں پہلو میں سواری میں ہیں آگے

بھائی تھے مگر بندۂ شاہِ شہدا تھے
وہ ان پہ تصدق یہ شہِ دیں پہ فدا تھے
وہ گل تھے تو یہ بلبلِ بستانِ وفا تھے
وہ قبلۂ ایماں تھے تو یہ قبلہ نما تھے
بلبل کو بھی یہ عشق گلستاں نہیں ہوتا
پروانہ بھی یوں شمع پہ قرباں نہیں ہوتا

عباسؑ سا دل سوز نہ ہوگا کوئی زنہار
اک جان دو قالب انھیں کہنا ہے سزاوار
دیکھا کبھی دنیا میں نہ یہ انس نہ یہ پیار
قربانِ علمدار نثارِ شہِ ابرار
مطلوب ہو اس طرح کا طالب ہو تو ایسا
صاحب ہو تو ایسا جو مصاحب ہو تو ایسا

بیٹی سے محبت جو بہت رکھتے تھے سرور
عاشق تھے سکینہؑ کے علمدارِ دلاور
آغوشِ مبارک میں لیئے پھرتے تھے دن بھر
بیٹوں سے زیادہ انھیں پیاری تھی وہ دختر
فرماتے تھے گھر کی مرے آبادی ہے یہ تو
خادم ہوں میں اس کا مری شہزادی ہے یہ تو

گردن سے لپٹ کر جو وہ کہتی تھی چچا جان
یہ کہتے تھے عمو تری آواز کے قربان
زانو پہ بٹھاتے جو اسے سرورِ ذی شان
منھ چھوٹے سے پاؤں پہ یہ رکھدیتے تھے اس آن
پروا تھا کہ ثابت نہ ہو سلطانِ امم پر
مل لیتے تھے آنکھیں شہِ والا کے قدم پر

زینبؑ سے یہ فرماتے تھے اکثر شہِ ذی جاہ
یہ بھائی ہے بیٹوں سے زیادہ مجھے واللہ
ہے اس کی وفا سے دلِ شبیر ہی آگاہ
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ہیں مرے ہمراہ
یہ پاس ہو گو اور کوئی پاس نہ ہووے
میں قالبِ بیجاں ہوں جو عباسؑ نہ ہووے

کیوں اہل عزا تم نے سنا بھائیوں کا پیار
اب سبط پیمبر سے بچھڑتا ہے علمدار
قاسم جو ہوا رن میں فدائے شہ ابرار
عباس دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
سنتے ہی گرفتار الم ہو گئے شبیر
ہاتھوں سے کمر تھام کے خم ہو گئے شبیر

زینب سے کہا لو بہن اب تن سے چلی جاں
عباس دلاور کے بچھڑنے کا ہے ساماں
صدقے ہو برادر لے اسے روکو کسی عنواں
مر جاؤں گا میں گر وہ سدھارے سوئے میداں
فرزند جدا ہو مرا بھائی نہ جدا ہو
جیتا رہے عباس حسین اس پہ فدا ہو

اس بھائی سے پہلے مجھے اللہ اٹھا لے
وہ میرے یتیموں کو مری طرح سے پالے
سجاد کو سمجھائے سکینہ کو سنبھالے
عباس جنازہ مرا اس گھر سے نکالے
اس کو یہ خوشی ہے کہ برادر مجھے روئے
میں اس کو نہ روؤں وہ دلاور مجھے روئے

میں نے تو ہے بیٹوں کی طرح سے اسے پالا
زینب مرے گھر کی مرے لشکر کا اجالا
میں اس کا ہوں عاشق وہ مرا چاہنے والا
کیونکر نہ ہو سینے میں کلیجہ تہ و بالا
پاؤں گا کہاں جان اگر کھوئے گا عباس
پیدا نہ علی ہوں گے نہ پھر ہوئے گا عباس

بھائی نہیں وہ روح ہے شبیر کے تن کی
جب جان نہ ہو تن میں تو کیا قدر بدن کی
جاتی ہے بہار آج محمد کے چمن کی
بھینا یہی دولت ہے مجھ آوارہ وطن کی
تصویر علی جب نہ مرے گھر میں رہے گی
پھر جان نہ فرزند پیمبر میں رہے گی

بابا کی نشانی ہے وہ اے زینب دلگیر
عباس کے ہونے سے قوی ہے دل شبیر
ہاتھوں سے گنوا دوں میں ید اللہ کی تصویر
رکھ دیتا ہے بازو کوئی اپنا تہ شمشیر
دانستہ بھلا اپنا برا کرتا ہے کوئی؟
اس طرح کے عاشق کو جدا کرتا ہے کوئی

رن سے مرے لاشے کو اٹھا لائے گا پھر کون
ہمراہ جنازے کے مرے جائے گا پھر کون
بچے مرے روئیں گے تو سمجھائے گا پھر کون
روضہ پہ نبی کے مجھے لے جائے گا پھر کون
اعدا کو مری روح کا بھی پاس نہ ہوگا
بربادی ہے اس گھر کی جو عباس نہ ہوگا

فرما کے جو یہ بیٹھ گئے خاک پہ سرور   بیتابیِ شبیرؑ پہ زینبؑ ہوئی مضطر
فضہ سے یہ کہنے لگی اشک آنکھوں میں بھر کر   باہر ہیں کہ خیمے میں ہیں عباسؑ دلاور
یاں بادشہ عرش نشیں خاک نشیں ہے   کیا بھائی کے رونے کی خبر اُن کو نہیں ہے

بولی یہ سکینہؑ کہ سنو مجھ سے پھوپی جان   ہیں بھی وہیں کرتے ہیں چچا کوچ کا سامان
ہاتھوں سے چچی جان نہیں چھوڑتیں اماں   وہ کہتے ہیں ہونے دو مجھے شاہ پہ قربان
اس فدیۂ سلطان دو عالم کو نہ روکو   ہم جوڑتے ہیں ہاتھوں کو اب ہم کو نہ روکو

کہتی ہیں چچی قدموں پہ سر رکھ کے چچا کے   صاحب میں تمھیں واسطے دیتی ہوں خدا کے
فرزند بلکتے ہیں مرے اشک بہا کے   تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کے
رونے کا غم ان کے نہیں رخصت کی خوشی ہے   اللہ تمھیں ایسی شہادت کی خوشی ہے

ہے ہے تمھیں کچھ میری تباہی کا نہیں غم   منظور یہ ہے قید میں سر ننگے پھریں ہم
فرماتے ہیں وہ دھیان کسی کا نہیں اس دم   بچے بھی فدا ہم بھی نثار شہ عالم
رونا نہ وصیت یہ کیے جاتا ہوں تم کو   بانوؓ کی کنیزی میں دیئے جاتا ہوں تم کو

یہ سن کے جو میں رونے لگی اشک بہا کر   فرمایا چچا نے مجھے چھاتی سے لگا کر
اب پانی پلاتے ہیں تمھیں نہر سے لا کر   تم مشک کوئی چھوٹی سی لے آؤ تو جا کر
پر حال بیاں کا مرے آقا سے نہ کہنا   روتی ہیں چچی یہ شہ والا سے نہ کہنا

زینبؑ کو سکینہؑ نے خبر جب یہ سنائی   شہ بولے بہن اب نہ رکے گا مرا بھائی
بیٹی سے کہا مشک جو تم سے ہے منگائی   واللہ سکینہ یہ ہے پیغام جدائی
بے وجہ تو مشکیزہ کو جانی نہیں مانگا   تم نے تو چچا سے کہیں پانی نہیں مانگا

اس پردے میں بی بی تھیں منظور ہے مرنا   منت سے انھیں روکیو سر پاؤں پہ دھرنا
الفت ہے تو پانی کا سوال اُن سے نہ کرنا   دشوار ہے بے خوں میں بھرے مشک کا بھرنا
پانی کے لیے ہاتھ سے کھوؤ گی چچا کو   دریا پہ جو بھیجو گی تو روؤ گی چچا کو

گھبرا کے یہ کہنے لگی حضرت سے وہ نادان
سب روتے ہیں لو ہاں تو ہی کچھ اور ہی ساماں
بے رو کے ہوئے اُن کے اب آرام نہ لوں گی
ہر چند کہ دم ہونٹھوں پہ ہے پیاس کے مارے
پانی مجھے پیارا نہیں عباسؑ ہیں پیارے
عاشق ہیں مرے مجھ کو رلا سکتے ہیں عباسؑ
بس اتنے میں عباسؑ دلاور نظر آئے
کچھ سوچ کے زینبؓ نے قدم جلد بڑھائے
جو کہنے کو آئے ہو وہ ہمشیر سے کہنا
بھائی ہے مرا بے وطن و بیکس و بے آس
سو طرح کے اندیشے ہیں سو طرح کے وسواس
بے مونس و یاور پسر شاہ نجف ہے
قوت تمھیں اُن کی تمھیں شوکت تمھیں اقبال
لو آن کے دیکھو تو برادر کا ذرا حال
کہتے ہیں کہ ساتھ اُس کے ہمارا ابھی سفر ہے
عباسؑ بھی رونے لگے زینبؓ سے یہ سُن کر
کی عرض کہ ای وارث ذریت حیدرؑ
اس رنج و مصیبت سے رہائی مری کیجے
دُنیا میں علیؑ ہوتے تو غم کا ہے کو سہتا
ماں ہوتیں تو کچھ اُن سے سفارش کو میں کہتا
کیا غم ہے جو سر پر مرے ماں باپ نہیں ہیں
سچ کہتے ہو بابا مجھے کچھ اس کا نہ تھا دھیان
اب مجھ پہ کھلا مرنے کو جاتے ہیں چچا جان
مر جاؤں گی پانی کا مگر نام نہ لوں گی
اب جانے نہ دوں گی اُنھیں دریا کے کنارے
کیا ہاتھوں سے کھووں گی میں بازو کو تمھارے
تم روؤ نہ بابا کہیں جا سکتے ہیں عباس
چار آئنہ پہنے ہوئے ہتھیار لگائے
فرمایا کہ صدقے بہن اس آنے کے جائے
مر جائیں گے رخصت کو نہ شبیر سے کہنا
تم اُن کو رُلاؤ تمھیں لازم نہیں عباسؑ
جب تم نہ ہوئے پاس تو جینے سے ہوئی یاس
منصف ہو تمھیں بھائی مرے حق بطرف ہے
بچھڑو گے تو جینے کا نہیں فاطمہؓ کا لال
کس درد سے روتے ہیں دھرے آنکھوں پہ رومال
بھیا نہ مجھے عباسؑ کے مر جانے کا ڈر ہے
اور دست ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
حضرت کو سمجھتا ہوں میں زہراؓ کے برابر
ای بنت علیؑ عقدہ کشائی مری کیجے
یوں اشکوں کا دریا مری آنکھوں سے نہ بہتا
رخصت کا فقط کام تھا یوں بند نہ رہتا
پالا ہے مجھے کیا مری ماں آپ نہیں ہیں

اب جینے سے بیزار ہے دُنیا میں مرا دل
گر آپ مدد کیجے تو آساں ہو یہ مشکل
ساتھی تو ہوئے سب چمنِ خلد میں داخل
دن ڈھلتا ہے کھوٹی نہ کہیں ہو مری منزل
آداب تو مانع ہے پہ دل رہ نہیں سکتا
میں قافلہ سالار سے کچھ کہہ نہیں سکتا

بھائی نہ کہو میں ہوں غلام آپ کا شبیر
وہ کیجے کہ رخصت پہ رضامند ہوں شبیر
مرجانے میں ہے آج مری عزت و توقیر
شبیرؑ کے بدلے مری چھاتی پہ لگیں تیر
کوشش کرو اپنے جدِ امجد کا تصدّق
دلوا دو رضا عونؑ و محمدؑ کا تصدّق

عباسؑ کا منھ دیکھ کے زینبؑ نے کہا لو
سمجھاتی تھی میں ان کو یہ سمجھاتے ہیں مجھ کو
شبیرؑ تو روتے ہیں یہ کہتے ہیں رضا دو
کس کی کہوں کس کی نہ کہوں کیا کروں لوگو
ہے ہے نظر آتی ہے تباہی مجھے گھر کی
اماں کی وہ دولت یہ کمائی ہے پدر کی

بتلاؤ میں اس لٹتے ہوئے گھر کو سنبھالوں
یا ہاتھوں سے اپنے دلِ مضطر کو سنبھالوں
بہلاؤں سکینہ کو کہ اصغر کو سنبھالوں
عباسؑ کو روکوں کہ برادر کو سنبھالوں
جاں ان میں لگی ہے مرا دل اُن کی طرف ہے
وہ لعل ہے زہرا کا تو یہ دُرِّ نجف ہے

کیوں کر کہوں بھائی سے کہ بھائی کو رضا دو
عباسؑ علمدار کو ہاتھوں سے گنوا دو
مرنے پہ یہ روتے ہیں انھیں اذنِ وغا دو
غم ہوگا کہ خوش ہوں گے تمھیں مجھ کو بتا دو
بھائی کو یہ سنتے ہی غش آجائے گا بھائی
مجھ سے تو نہ رخصت کو کہا جائے گا بھائی

لے چلنے کو لے چلتی ہوں آؤ مرے ہمراہ
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو چلا ابنِ یداللہ
زانوں پہ جھکائے ہوئے سر رو رہے تھے شاہ
قدموں پہ گرا سبطِ پیمبرؐ کے وہ ذی جاہ
شہ نے کہا کیا کہتے ہو فرماؤ برادر
اُٹھو مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر

ان ہاتھوں کو جوڑے ہوئے آنے کے میں صدقے
سر شرم سے قدموں پہ جھکانے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اس اشک بہانے کے میں صدقے
بازو کے تصدق ترے شانے کے میں صدقے
بھائی یہ تری گلبدنی بھاتی ہے مجھ کو
بو حیدرِ کرّار کی آجاتی ہے مجھ کو

منہ مل کے کفِ پا سے لگا کہنے علمدار
ہیں آپ سخی ابنِ سخی بادشہِ ابرار
سائل کوئی پھر جائے یہ ایسی نہیں سرکار
خادم بھی ہے مر جانے کی رخصت کا طلبگار
جب تک کہ رضا رن کی نہیں پاؤں گا آقا
اس سر کو نہ ان قدموں سے سرکاؤں گا آقا

شہ بولے مرے سر کی قسم سر تو اُٹھاؤ
کیوں روتے ہو کب میں نے کہا یہ کہ نہ جاؤ
اچھا مرے غم کھانے کا کچھ دھیان نہ لاؤ
فاقے کیے ہیں تین دن اب برچھیاں کھاؤ
قرباں تمھیں ہونے کو بنایا ہے خدا نے
شبیرؑ کو رونے کو بنایا ہے خدا نے

روتے ہوئے قدموں سے اُٹھے حضرتِ عباسؑ
اور گرد پھرے سبطِ پیمبرؐ کے بصد یاس
فرمایا سکینہ سے کہ اب کچھ نہیں وسواس
کیوں مشک چھپا رکھی ہے لے آؤ مرے پاس
اب نہر بھی نزدیک ہے کوثر بھی قریں ہے
بولی یہ سکینہؓ کہ مجھے پیاس نہیں ہے

منہ تکنے لگی شاہ کا یہ کہہ کے وہ خوش خو
حضرت نے کہا جاؤ انھیں مشک بھی لا دو
لشکر کا علمدار تو ہم کر چکے ان کو
اب مرتبہ تم پیاسوں کی سقائی کا بخشو
جعفرؑ سے دوبالا ہوا رتبہ ترے عم کا
اب حشر تلک ساتھ رہا مشک و علم کا

مشکیزے کو لے آئی سکینہ جگر افگار
غازی نے اُسے لے کے بھتیجی کو کیا پیار
خیمے میں پڑا غل کہ چلا شاہ کا غمخوار
غش کھا کے گری زوجۂ عباسؑ علمدار
ہاتھوں سے اُسے تھام کے دل سب نے سنبھالا
شہ اُٹھ کے جو گرنے لگے زینبؓ نے سنبھالا

خیمے سے برآمد ہوا ابنِ شہِ مرداں
گھوڑے پہ چڑھا ہاتھ سے گردان کے داماں
اک نورِ خدا پھیل گیا تا سرِ میداں
ذرّاتِ زمیں ہو گئے خورشید درخشاں
موسیٰ نے بھی دیکھا تھا نہ اس نور کا جلوہ
ہر نخل میں تھا یاں شجرِ طور کا جلوہ

کاندھے پہ علم رکھ کے جو گھوڑے کو اُڑایا
کیا تیز پری تھی کہ ہوا ہو گیا سایا
یہ نور کسی حور کے چہرے نے نہ پایا
تھا تختِ سلیماں کہ ہوا پر نظر آیا
پڑھنے کو درود آئی تھیں روحیں شہدا کی
غازی کی سواری تھی کہ قدرت تھی خدا کی

گھوڑے کے وہ چھل بل وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
شملہ وہ چھٹا دوش پہ اور ہاتھ میں تلوار
اللہ رے شکوہِ علم و شانِ علمدار
حمزہؑ کوئی کہتا تھا کوئی جعفرؑ طیار
سایہ میں علم کے وہ سلیمانِ زمن تھا
یا فرقِ ہمایوں پہ ہما سایہ فگن تھا

پنجہ تھا کہ تھا دستِ خدا سر پہ جری کے
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے بال پری کے
ہو جاتی تھی جنبش جو پھریرے کو ذری کے
جھونکے چلے آتے تھے نسیم سحری کے
کرسی سے جو بالا ہو یہ پایہ ہے اسی کا
طوبیٰ جسے کہتے ہیں وہ سایہ ہے اسی کا

میداں میں جو آیا پسرِ ضیغمِ یزداں
روباہوں کا لشکر ہوا دہشت سے پریشاں
نعرہ جو غضنفر نے کیا یا شہِ مرداں
تھرا گئے دل گونج گیا قتل کا میداں
غل پڑ گیا لو شیرِ خدا نعرہ زن آئے
گھوڑوں کو بھگاؤ شہِ خیبر شکن آئے

یوں لاکھوں پہ آئے یہ شجاعت ہے کسی میں
پروا نہیں مرنے کی یہ ہمت ہے کسی میں
شق ہو جگرِ شیر یہ ہیبت ہے کسی میں
نعرے سے نہیں کوہ یہ طاقت ہے کسی میں
گر ہوں اسد اللہ تو کچھ دور نہیں ہے
یہ غیرِ علیؑ اور کا مقدور نہیں ہے

اعدا کے سخن سن کے علمدار پکارا
حیدرؑ نہیں میں حیدرِ صفدر کا ہوں پیارا
تم جس کے ثنا خواں ہو وہ بابا ہے ہمارا
ہم آئے ہیں اب نہر سے کر جاؤ کنارا
لاکھوں کو بھگا دیتا ہوں یہ کام ہے میرا
عباسؑ غلامِ شہِ دیں نام ہے میرا

مشہور جو حیدر کی ہے نصرت وہ میں ہوں
ہے جس کا پدر صاحبِ شمشیر وہ میں ہوں
آقا نے جسے بخشی ہے توقیر وہ میں ہوں
بازو جسے فرماتے ہیں شبیرؑ وہ میں ہوں
کس لب پہ مری شان میں احسنت نہیں ہے
آفاق میں مجھ سا کوئی ساونت نہیں ہے

محرابِ درِ کعبۂ ایماں ہے مری تیغ
کافر کے لئے آتشِ سوزاں ہے مری تیغ
جل جاؤ گے برقِ شرر افشاں ہے مری تیغ
میں بحرِ شجاعت ہوں تو طوفاں ہے مری تیغ
اک دو کے لہو سے نہیں بھرتا شکم اس کا
کھنچ آئے گا لشکر دمِ اژدر ہے دم اس کا

رُتبے میں فلک ابنِ یداللہ سے کم ہے
اقبالِ سلیماں بھی مرے شاہ سے کم ہے
دشمن ہو اگر شیر تو روباہ سے کم ہے
آگے مرے اِک کوہِ گراں کاہ سے کم ہے
زور آور و سرکش کا بھی اب سر نہیں اُٹھتا
گردوں سے مری تیغ کا لنگر نہیں اُٹھتا

بچتا نہیں نیزے سے مرے سینۂ دشمن
چھٹتی نہیں پنجے سے مرے شیر کی گردن
کرتا ہے مرا نیزہ دلِ کوہ میں روزن
چار آئنہ فولاد کا بن جاتا ہے جوشن
رستم کو پکڑ لیتا ہوں حلقے میں کماں کے
آگے مرے ہیں زیر زبردست جہاں کے

تلوار جو کھینچوں تو زمیں لاشوں سے بھر جائے
آبِ دمِ شمشیر سروں پر سے گزر جائے
دشمن جو چڑھے منہ پہ تو سر تن سے اُتر جائے
غصّے سے اگر شیر کو دیکھوں تو وہ مر جائے
کس کا ہے یہ منہ بڑھ کے جو ٹوکے مجھے کوئی
لو نہر میں جاتا ہوں میں روکے مجھے کوئی

یہ سُنتے ہی ہتھیار لعینوں نے سنبھالے
تلواریں علم ہو گئیں سیدھے ہوئے بھالے
لچکاتے ہوئے ڈانڈ بڑھے برچھیوں والے
گرد آ گئے تنہا کے سواروں کے رسالے
گردوں پہ پہونچتی تھی صدا طبلِ وغا کی
فریاد گئی عرش پہ شاہِ شہدا کی

چلّائے کہ نرغے میں ہے یا رب مرا بھائی
اِک جان کو درپیش ہے لاکھوں سے لڑائی
یہ ایک طرف ایک طرف ساری خدائی
ہے شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
بے جان دیئے پھر کے نہ یاں آئے گا عباسؑ
مر جائے گا شبیر جو مر جائے گا عباسؑ

یاں فوج پہ تلوار علمدار نے کھینچی
واں آہِ حزیں سیدِ ابرار نے کھینچی
تصویرِ اجل آنکھوں میں تلوار نے کھینچی
گھوڑے کی عناں ڈر کے ہر اسوار نے کھینچی
سر پر ابھی پہونچی تھی نہ بیدادگروں کے
ہاتھوں سے گرے چھوٹ کے گرزے سپروں کے

تھا شور کہ ہے چار طرف شعلۂ آتش
ہے پا پہ کبھی اور کبھی بالائے سر آتش
گھوڑوں کا یہ عالم ہے کہ ہیں نعل در آتش
کس راہ سے بھاگیں اِدھر آتش اُدھر آتش
اس آگ نے سر تا بقدم گھیر لیا ہے
معلوم ہوا زیست سے دل پھیر لیا ہے

نیزے کے ہلانے میں جو اُستادِ جہاں تھے
جن پاس علم تھے کہیں اُن کے نہ نشاں تھے
تیروں کی نہ چلّوں کی نہ ترکش کی خبر تھی
میداں میں پڑے لوٹتے تھے سر تہ و بالا
اسوار تھے گھوڑوں کے برابر تہ و بالا
ملعونوں کے ہتھیار بھی ناکارہ ہوئے تھے

ایسے گئے ثابت نہ ہوا یہ کہ کہاں تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار نہاں تھے
گر تھی تو اسی شعلۂ سرکش کی خبر تھی
جوں ماہیِ بے آب تھے پیکر تہ و بالا
اِک تیغ سے تھا شام کا لشکر تہ و بالا
چار آٹھ تھے اور آٹھ بھی صد پارہ ہوئے تھے

رہوار سبک سیر و نسیم سحری تھا
ہم پیکر طاؤس دمِ جلوہ گری تھا
تن تن کے اُٹھانے میں قدم کبک دری تھا
کاوے میں جو پر کا تو اُڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اُس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاہکشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن
سم بدر سے اور لعل مہ نو سے تھی روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر کی چتون
ٹاپ اُس کی طپانچہ تھا اجل کا پئے دشمن
مستِ مئے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

تلوار سے جب شام کے بادل کو ہٹایا
عباسؑ علمدار کو دریا نظر آیا
منہ کر کے سوئے چرخ کہا شکر خدایا
یاں تک تو ترا فضل سلامت مجھے لایا
غم ہے کہ نہ واں پیاس سے بچے کہیں مر جائیں
اب پانی جو لے جائے تو سب کے سر دھر جائیں

یہ کہہ کے گئے نہر میں عباسؑ خوش اطوار
آقا کو بھی پانی کو بھی تکنے لگا رہوار
جب بھر چکے مشکیزہ تو رو رو یہ کی گفتار
گر میں ہوں وفادار تو تو بھی ہو وفادار
شرمندگی ہووے گی بڑی پیاس بجھا کے
بچے ابھی پیاسے ہیں امامِ دوسرا کے

دریا سے چلا بحرِ شجاعت کا شناور
گویا افقِ چرخ سے نکلا شہِ خاور
غل پڑ گیا لو پیاسوں کی قسمت ہوئی یاور
ہاں مشک کو لے جانے نہ پائے یہ دلاور
لڑنے کو ترائی میں پلنگ آتا ہے روکو
دریائے شجاعت کا نہنگ آتا ہے روکو

دریا میں صفیں برچھیوں والوں کی در آئیں
نیزوں کی بھی نوکیں کئی بالائے سر آئیں
تیغوں کی جو موجیں سر ساحل نظر آئیں
پیاسوں کے لیے آنکھیں حبابوں کی بھر آئیں
غل مچھلیوں میں تھا کہ یہ آجائے جو ہم میں
یونس کی طرح اس کو چھپا رکھیں شکم میں

غازی نے کیا پاؤں سے تازی کو اشارا
دریا سے بھرا مثل غزال اس نے طرارا
پانی میں جو اُترے تھے انھیں نہر سے مارا
جو گھاٹ پہ تھے تیغ کے گھاٹ اُن کو اُتارا
بجلی سی گری لشکرِ سفاک کے اوپر
لاشے تو گرے نہر میں سر خاک کے اوپر

پھر نہر سے گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے نکلے
کس شان سے نیزے کو ہلاتے ہوئے نکلے
مشکیزے کو تیروں سے بچاتے ہوئے نکلے
تلوار سے اعدا کو ہٹاتے ہوئے نکلے
نرغے میں جیب راہ پہ وپیش نظر تھی
سر پر اجل آپہنچی ہو اس کی نہ خبر تھی

گھیرے ہوئے تھے تیس ہزار آہ کماندار
مینہ پڑتا ہے جس طرح یہ تھی تیروں کی بوچھار
تیروں کو جو کاٹا تو چلے برچھیوں کے وار
جاتے تھے جدھر پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
سینے کی نہ گردن کی نہ شانے کی خبر تھی
ہوش اپنا نہ تھا مشک بچانے کی خبر تھی

اُٹھ سکتے ہیں حربے ہوں اگر ایک کے دو کے
ایک تشنہ دہن لاکھوں کو کس طرح سے روکے
کس کس سے لڑے کس کو ہٹائے کسے روکے
ہاتھوں میں طاقت تھی علم کھاتا تھا جھوکے
غش آتا تھا جب غش سے تھراتے تھے عباسؑ
یا شیرِ خدا کہہ کے سنبھل جاتے تھے عباسؑ

افسوس بر آئی نہ تمنائے علمدار
مشکیزے پہ اک تیر لگا شانے پہ تلوار
اُس ہاتھ سے اس ہاتھ میں لی تیغِ شرربار
اعدا کو پکارے کہ نہ سمجھو مجھے بیکار
پنجہ مرا تلوار پکڑنے کو بہت ہے
ہمت ہو تو یہ ہاتھ بھی لڑنے کو بہت ہے

اک ہاتھ گر اکٹ گیا تو پروا مجھے کیا ہے
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر دستِ خدا ہے
آقا مرا فرزندِ رسولِ دوسرا ہے
یہ ہاتھ ہے کیا جان تلک اُن پہ فدا ہے
روحِ اسد اللہ کو میں شاد کروں گا
آقا کی اسی ہاتھ سے امداد کروں گا

فرماکے یہ جھپٹا اسد اللہ کا پیارا — روباہوں کا لشکر تہ و بالا ہوا سارا
بہتوں کو اسی ہاتھ سے اُس شیر نے مارا — زخمی پہ مگر ٹوٹ پڑے سب ستم آرا
سقائے سکینہ پہ ستم ہوگیا ہے — وہ ہاتھ بھی شانے سے قلم ہوگیا ہے
چلائے کہ تشریف اِدھر لائیے آقا — مشتاق کو دیدار دکھا جائیے آقا
الطاف و کرم بندہ پہ فرمائیے آقا — اب گھوڑے سے گرتا ہے غلام آئیے آقا
باتیں کئی کہنی ہیں یہ فدوی انھیں کہہ جائے — مرتے ہوئے حسرت نہ ملاقات کی رہ جائے

بھائی کی صدا سُن کے تڑپنے لگے شبیرؑ — چلا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
دوڑی گئی ڈیوڑھی کی طرف زینبِ دلگیر — غل پڑ گیا ہے اسد اللہ کی تصویر
سب قافلہ رانڈوں کا کھلے سر نکل آیا — عباسؑ کا فرزند بھی باہر نکل آیا
زینبؑ نے کہا ساتھ لیئے جاؤ مجھے بھی — تصویر علمدار کی دکھلاؤ مجھے بھی
چلائی سکینہ وہیں پہنچاؤ مجھے بھی — دریا کی کدھر راہ ہے بتلاؤ مجھے بھی
بیتاب ہوں بھائی سے لپٹ جاؤں گی جاکر — میں اپنے چچا جان کو لے آؤں گی جاکر

عباسؑ کی زوجہ نے کہا کوٹ کے سینا — مجھ کو بھی لیئے چل ترے قربان سکینا
شوہر کے الم میں مجھے دشوار ہے جینا — ہے رانڈ ہوئی موت نے وارث مرا چھینا
والی نہ رہا جی سے گذر جاؤں گی میں بھی — عباسؑ جہاں ہیں وہیں مرجاؤں گی میں بھی

تھا حضرتِ عباسؑ کے بیٹے کا عجب حال — غم سے کبھی منہ زرد تھا غصے سے کبھی لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ تھے گیسوؤں کے بال — ماں تھامے تھی اور کہتا تھا وہ صاحبِ اقبال
اس نہر کے کوثر کے کنارے گئے بابا — روکو نہ چچا روتے ہیں مارے گئے بابا
گر مار بھی ڈالے ہیں کوئی تو نہیں غم — کیا جان کا صرفہ ہے یتیم اب تو ہوئے ہم
فرزند ہیں کیونکر نہ کریں باپ کا ماتم — چھٹ جائیں مصیبت سے نکل جائے اگر دم
سینہ میں عجب حال ہے ننھے سے جگر کا — کیا آخری دیدار بھی دیکھیں نہ پدر کا

واں لاش پہ شہ خاک اُڑاتے ہوئے پہونچے
کفار کے لشکر کو ہٹاتے ہوئے پہونچے
آنسو رُخِ انور پہ بہاتے ہوئے پہونچے
پہونچے تو مگر ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہونچے
چلائے کہ جاتی ہو مری جان برادر
چھاتی سے لپٹ جا ترے قربان برادر

بھائی کی صدا سُن کے اُسے ہوش جو آیا
اُٹھ کر قدمِ شاہ پہ سر اپنا جھکایا
نعلین پہ مُنھ رکھ کے یہ آقا کو سنایا
گو ہاتھ مرے کٹ گئے حضرت کو تو پایا
سر ہووے گا آغوشِ شہِ کون و مکاں میں
اس طرح کا مرنا کسے ملتا ہے جہاں میں

یہ کہتے ہی عباسؑ علمدار سدھارے
چلائے شہِ دیں مرے غمخوار سدھارے
بیکس کے مسافر کے مددگار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرؑ طیار سدھارے
چھوڑا ہمیں کیا جلد سفر کر گئے بھائی
تم چھوٹ گئے رنج سے ہم مر گئے بھائی

خاموش انیسؔ اب کہ بہت رونے کا ہے جوش
ہوگی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنھیں چشمِ خطا پوش
کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہو کام کی تعریف
کب مانتے ہیں اہلِ سخن عام کی تعریف

رُباعی

دیدار دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ
ایذا سے محبوں کو بچاتے ہیں علیؑ
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختیِ مرگ
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

ایضاً

داماد رسولؐ کی شہادت ہے آج
معصوموں پہ فاطمہؑ کے آفت ہے آج
جنت میں تڑپتے ہیں رسولِ ثقلین
خاتونِ قیامت پہ قیامت ہے آج

مرثیہ ۱۲

عباس علیؑ شیرِ نیستانِ نجف ہے
تابندہ دُرِ تاجِ سلیمانِ نجف ہے
سروِ چمنِ خضرِ بیابانِ نجف ہے
آئینۂ روئے مہِ کنعانِ نجف ہے
طفلی سے اسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہ اس پہ فدا تھے وہ شہِ دیں پہ فدا تھا

کیا دبدبہ کیا شان تھی کیا صولت و شوکت
کیا حسن تھا کیا خلق تھا کیا چشمِ مروت
کیا حلم تھا کیا رعب تھا کیا قوت و قدرت
کیا رحم تھا کیا عدل تھا کیا بخشش و ہمت
جب تک مہ و خورشید میں یہ نور رہے گا
عالم میں علمدار کا مذکور رہے گا

اللہ رے نسب واہ ری توقیر زہے جاہ
دادا تو ابوطالبؑ غازی سا شہنشاہ
عم جعفرؑ طیار ہژبرِ صفِ جنگاہ
اور والدِ ماجد کو جو پوچھو اسدؑ اللہ
فخر ان کو غلامی کا حسینؑ ابنِ علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی

ہرچند نہ تھا بطن سے زہراؑ کے وہ مہرو
لیکن کسے ہاتھ آتا ہے اس طرح کا بازو
بچپن سے جو چھوڑا نہ تھا شبیرؑ کا پہلو
تھی طبع میں ساری گلِ زہراؑ ہی کی خوبو
خُلق اس میں جوانمردیِ شاہِ نجف اُس میں
تھے علمِ امامت کے سوا سب شرف اُس میں

پیدائشِ عباسؑ کا یہ حال ہے تحریر
جب خلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہؑ راہ گیر
یاور تھی زبس مادرِ عباسؑ کی تقدیر
ہم بسترِ حیدرؑ ہوئی وہ صاحبِ توقیر
جس روز سے آئی تھی یداللہؑ کے گھر میں
رہتی تھی شب و روز تمنائے پسر میں

دعوئ کنیزی تھا اسے بنتِ نبیؐ سے
تھا اُنس بہت آلِ رسولِ عربیؐ سے
مطلب تھا نہ اپنے لیے راحت طلبی سے
آگاہ تھی شبیرؑ کی عالی نسبی سے
مصروف وہ فضہ سے بھی خدمت میں سوا تھی
تو جان سے فرزندوں پہ زہراؑ کے فدا تھی

حیدر سے کبھی پوچھتی تھی یاشہِ صفدر ۔ دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبر
اس بی بی سے فرماتے تھے یہ فاتحِ خیبر ۔ الفت تھی محمد کو نواسوں سے برابر
یہ دونوں دل و جانِ رسولِ دوسرا تھے ۔ صدقے کبھی اس پر تھے کبھی اس پہ فدا تھے

جب مصحفِ ناطق سے سنی اس نے یہ تقریر ۔ کی حق سے مناجات کہ اے مالکِ تقدیر
کر دے تو مجھے ایک پسر صاحبِ توقیر ۔ میں اس کو خوشی ہو کے کروں فدیہ شبیر
ممتاز غلاموں میں جو گلفام ہو میرا ۔ زہرا کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

شبیر کا تھا نام مناجات میں داخل ۔ کس طرح نہ مقبول کرے خالقِ عادل
جلد اس کو ثمر نخلِ دعا کا ہوا حاصل ۔ اللہ نے بخشا پسرِ نیک شمائل
دکھلائی جو تصویرِ پسر بختِ رسا نے ۔ عباس علی نام رکھا شیرِ خدا نے

شبیر کو عباس کی مادر نے بلایا ۔ اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
لو واری وفادار غلام آپ نے پایا ۔ نعلین اٹھائے گا تمہاری مرا جایا
آقا ہو شہنشاہ ہو سردار ہو اس کے ۔ مالک ہو تمہیں اور تمہیں مختار ہو اس کے

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ خوشخو ۔ تقویتِ روح ہے اور قوتِ بازو
اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بو ۔ کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گلرو
یہ شیر مددگاریِ شبیر کرے گا ۔ اللہ اسے صاحبِ توقیر کرے گا

جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا ۔ ماں نے کہا تم نے مری جاں ہوش سنبھالا
مانی تھی یہ نذر اور تھا اسی واسطے پالا ۔ اب تم کو کروں گی میں نثارِ شہِ والا
حق الفتِ زہرا کا ادا کرتی ہوں بیٹا ۔ جو عہد کیا اس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

خوش ہو کے یہ کی حضرت عباس نے تقریر ۔ یہ عین تمنا ہے کہ ہوں فدیہ شبیر
حاضر ہوں کرو جلد فدا کرنے کی تدبیر ۔ لازم نہیں اماں عملِ خیر میں تاخیر
گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمہارا ۔ پر خلق میں ہووے گا بڑا نام تمہارا

مادر کو یہ فرزند کی تقریر خوش آئی — لے لے کے بلائیں اسے پوشاک پنھائی
پکڑے ہوئے ہاتھ آگے یداللہ کے لائی — کی عرض کہ لونڈی نے جو دولت ہے یہ پائی
تھا دین ادا کرنے کا اس کے مرے سر پہ — آپ اس کو فدا کیجیے زہرا کے پسر پہ
کچھ سوچ کے فرزند سے حیدرؑ نے یہ پوچھا — شبیرؑ پہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
عباسؑ بتا دے مجھے مرضی ہے تری کیا — وہ اہل وفا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا
میں عاشق فرزند رسول دوسرا ہوں — سو بار جو زندہ ہوں تو سو بار فدا ہوں

رو کر اسداللہ نے دیکھا رخ شبیرؑ — جنگاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر
پیاسوں کا خیال آگیا حالت ہوئی تغییر — یاد آئی بھری مشک کا سینے پہ لگا تیر
طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو — نزدیک تھا صدمے سے غش آجائے علیؑ کو

عباسؑ کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار — چومے کبھی عباسؑ کے بازو کبھی رخسار
فرماتے تھے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار — صدقہ ترے اے دلبر زہرا کے مددگار
ماتم ترا ہر تعزیہ خانہ میں رہے گا — شہرہ تری الفت کا زمانہ میں رہے گا

مجمل جو کہے مخبر صادق نے یہ اخبار — کچھ پوچھ سکے آکے نہ عباسؑ علمدار
گردش پہ جب آیا فلک شعبدہ کردار — مہمان ہوئے کوفیوں کے سید ابرار
پانی جو ہوا بند دل و جان نبیؐ پہ — اس روز کھلا حال وہ عباس علیؑ پر

صبح شب عاشور ہوئی جب کہ نمودار — سر دینے لگے جنس شہادت کے طلبگار
روتے تھے جو ہر لاش پہ جا کر شہ ابرار — غم کی دل عباسؑ پہ چل جاتی تھی تلوار
کہتے تھے کہ رخصت کا بہانا نہیں ملتا — سب جاتے ہیں مرنے ہمیں جانا نہیں ملتا

جب قتل ہوا سید مسموم کا دلبر — لکھا ہے نکل آئے حرم خیمے کے باہر
شبیرؑ چلے لاش کے ٹکڑوں کو جو لیکر — عباسؑ بھی ہمراہ تھے نیہوڑائے ہوئے سر
تھا سوچ کہ بے جان ہوا فرزند حسنؑ کا — سر پیٹنا دیکھا نہیں جاتا ہے گا دلھن کا

روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں رہا دیر تلک ماتم نوشاہ
لاشوں میں لٹا آئے اسے جب شہ ذی جاہ
سب سے کہا اب بھائی کا پرسا دو مجھے آہ
لو صاحبو تشریف لیئے جاتے ہیں عباسؑ
بے تیغ ہمیں ذبح کیئے جاتے ہیں عباسؑ

کہہ کر یہ سخن روئے جو شاہنشہ عالم
نوشاہ کے ماتم میں ہوا اور یہ ماتم
گھبرا کے لگی پیٹنے سر زینبؑ پرغم
نزدیک یہ تھا زوجۂ عباسؑ ہو بے دم
دل ہل گیا سینے میں رنڈاپے کی خبر سے
گھبرا کے جو اٹھی تو ردا گر گئی سر سے

عباسؑ سے کچھ کہنے کا موقع جو نہ پایا
روتی گئی اور غش سے سکینہؑ کو جگایا
کہنے لگی صدقے گئی اٹھو غضب آیا
اٹھتا ہے مرے سر سے علمدار کا سایا
برباد میں ہوتی ہوں سنبھالو مجھے بی بی
للہ رنڈاپے سے بچا لو مجھے بی بی

تھے صحن میں خیمے کے تو یہ حشر کے آثار
ڈیوڑھی پہ کھڑے روتے تھے سید ابرار
سر کھولے ہوئے زوجۂ عباسؑ علمدار
عباسؑ کے قدموں پہ گری آن کے یکبار
چلائی کہ منہ لونڈی سے موڑا مرے صاحب
ان قدموں کے صدقے مجھے چھوڑا مرے صاحب

ہے ہے مرے والی مرے وارث مرے آقا
ہے ہے مرے ہمدم مرے مونس مرے شیدا
بچے مرے کمسن ہیں میں ہوں بیکس و تنہا
صاحب میں کہاں بیٹھ کے کاٹوں گی رنڈاپا
شمشیر گلے پر مرے دھرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو بے جاں مجھے کرتے ہوئے جاؤ

عباسؑ نے جھک کر اسے قدموں سے اٹھایا
اور پونچھ کے رومال سے آنسو یہ سنایا
جیتا ہوں ابھی سے ہے یہ کیا حال بنایا
بندے کے لیئے کافی ہے اللہ کا سایا
کرتا ہوں ادا حق میں شہ تشنہ گلو کا
دو ساتھ تم اس وقت میں زہراؑ کی بہو کا

وہ قید اگر ہوئیں تو تم قید میں جانا
شہزادی کی خدمت سے کبھی منہ نہ پھرانا
رکھیں وہ جہاں پاؤں وہاں آنکھیں بچھانا
حیدرؑ کی بہو ہوں یہ کبھی دھیان نہ لانا
گو سمجھیں وہ شفقت سے عزیزوں کے برابر
تم جانیو قدر اپنی کنیزوں کے برابر

جاؤ جو وطن دیجیو اماں کو یہ پیغام
جو آپ نے فرمایا تھا وہ میں نے کیا کام
کاندھے پہ اُٹھایا علمِ لشکرِ اسلام
سقائے حرم آپ کے بیٹے کا ہوا نام
مشہور ہیں غمخوارِ شہنشاہِ زمن ہوں
پر دودھ تو بخشو کہ ابھی تشنہ دہن ہوں

یہ کہہ کے گئے خیمے سے با دیدۂ خوں بار
مانگی جو سواری تو پکارے شہِ ابرار
اے قوتِ دل راحتِ جاں یارِ وفادار
بھائی کے کلیجے سے لپٹ جاؤ پھر اک بار
قسمت تمھیں ہاتھوں سے مرے کھوتی ہے بھائی
تم جاتے نہیں روح جدا ہوتی ہے بھائی

دی فوجِ عدو کو یہ خبر ہیک نے جا کر
ہاں لشکریو آتے ہیں عباسؑ دلاور
سرتابقدم غرق ہے آہن میں وہ صفدر
بے طور نظر آتے ہیں اس شیر کے تیور
حیدرؑ کی طرح ہاتھ میں شمشیرِ دودم ہے
بھرنے پہ تو مشکیزہ ہے کاندھے پہ علم ہے

تب شمر نے پوچھا کہ ہے کیا آنے میں تاخیر
وہ بولا کہ اس حال کو میں کیا کروں تقریر
ہیں عاشقِ عباسؑ علیؑ حضرتِ شبیرؑ
سو بار ہوئے رو رو کے بھائی سے بغل گیر
کہتے تھے تشفی ابھی میری نہیں ہوتی
پھر چھاتی سے لگ جاؤ کہ سیری نہیں ہوتی

جب آخری تسلیم کو جھکتا ہے علمدار
گرتے ہیں کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
جس وقت سنبھلتے ہیں تو کرتے ہیں یہ گفتار
ناچار ہوں قابو نہیں دل پر مرا زنہار
رقت کا ہے یہ جوش کہ تھراتے ہیں عباسؑ
ہر مرتبہ قدموں سے لپٹ جاتے ہیں عباسؑ

چلاتی ہے ڈیوڑھی سے یہ اک دخترِ نادان
عباسؑ چچا پھر کے چلے آؤ میں قربان
غش ہو گئی ہیں صحن میں خیمے کے چچی جان
پانی کے لیے اب نہ سدھارو سوئے میدان
جو ہے مری قسمت میں مصیبت وہ سہوں گی
بابا کو رُلاؤ نہ میں پیاسی ہی رہوں گی

یہ حال سُنا جب پسرِ سعد نے سارا
گھبرا کے کہا جلد ہو سب فوج صف آرا
آتا ہے سوئے نہر ید اللہ کا پیارا
ہاں غازیو روکے رہو دریا کا کنارا
گر قتل کیا بازوئے فرزندِ نبیؐ کو
جیتا ہی پکڑ لیں گے حسینؑ ابن علیؑ کو

یہ سنتے ہی صف بستہ ہوا لشکرِ اظلم
ہر صف میں نشانوں کے چمکنے لگے پرچم
تھا تیغوں کی تابندگی میں برق کا عالم
پیغامِ قضا تیر لیے جاتے تھے پیہم
دریا پہ عجب معرکہ آرائی ہوئی تھی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھائی ہوئی تھی

دیتے تھے جو نیزوں کو ستمگار تکانیں
جوں برق ہر اک صف میں چمکتی تھیں سنانیں
گویا کہ نکالے ہوئے تھے مار زبانیں
کھنچتے تھے جو چلّے تو کڑکتی تھیں کمانیں
ترکش کے جو منہ تیر فگن کھولے ہوئے تھے
اژدر تھے کہ ڈسنے کو دہن کھولے ہوئے تھے

اک سمت زرہ پوش سواروں کے رسالے
تحت الحنکیں[۱] باندھے لیے ہاتھوں میں بھالے
تولے کوئی شمشیر کوئی گرز سنبھالے
اور تیس ہزار ایک طرف برچھیوں والے
کوسوں ہی دو فوجِ سپہ شام ہوا تھا
اک پیاسے کی خاطر یہ سرانجام ہوا تھا

زیبِ چمنِ حسن تھا وہ سرو قبا پوش
عمامہ جو سر پر تھا تو شملہ برِ دوش
حسن ایسا کہ نظارہ سے یوسف کے اڑیں ہوش
موسیٰ اُسے دیکھے تو تجلی ہو فراموش
خود حسن نے منہ آن کے قدموں سے ملا تھا
ہر عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلا تھا

تھی غیرتِ آئینہ وہ پیشانیِ انور
ہو ماہِ دو ہفتہ بھی جسے دیکھ کے ششدر
تھی رتبے میں سر لوح سے قرآن کی وہ ہمسر
اور جلوہ گری میں کفِ موسیٰ کے برابر
بچپن سے جو سرگرمِ عبادت وہ جواں تھا
سجدے کا نشاں صاف ستارا سا عیاں تھا

ابرو کی کمانوں میں عجب طرح کا خم تھا
پیوستہ تھی یہ رابطہ گوشوں میں بہم تھا
آنکھ ایسی کہ حیرت زدہ آہوئے حرم تھا
ہر موئے مژہ ناوکِ ترکش سے نہ کم تھا
دل سہم گیا سینہ میں ہر دشمنِ جاں کا
تحریر نہ تھی سرمے کی چلّہ تھا کماں کا

نعرہ تھا کہ ہاں اے سپہِ شام خبردار
عباسؑ دلاور ہے مرا نام خبردار
ہے قہرِ الٰہی مری صمصام خبردار
نیزہ ہے مرا موت کا پیغام خبردار
لختِ جگرِ صاحبِ شمشیر دوسر ہوں
ہشیار کہ میں شیرِ الٰہی کا پسر ہوں

[۱] تحت الحنک کی جمع ہے تحت الحنک عمامہ کی ایک قسم ہے جس کا ایک پیچ ٹھوڑی کے نیچے سے گزار کر سر پر لیجاتے ہیں ۲

فرماکے یہ لی تیغ بہادر نے میاں سے
گھوڑے کو جو چھیڑا نہ رکا لاکھ جواں سے
ہر وار میں سر گرنے لگے برگ خزاں سے
چلنے میں زیادہ تھی رواں آبِ رواں سے
جس پر پڑی نازل ہوا قہر اُس پہ خدا کا
تھی تیغ کی ضربت کہ طمانچہ تھا قضا کا

ہر ضرب میں نعرہ تھا کہ یا حیدرِ صفدر
مقتل کی زمیں ہو گئی تھی عرصۂ محشر
جب چمکی وہ بجلی تو جدا ہو گئے یکسر
گردن سے سر اور جسم سے جاں روح سے پیکر
وہ قابضِ روحِ جسدِ اہلِ جفا تھی
عباسؑ کی شمشیر کے قبضے میں قضا تھی

لڑتا ہوا پہونچا سرِ ساحل جو وہ ذی ہوش
تھی تیغ علم ہاتھ میں اور مشک سرِ دوش
دریا جو نظر آیا تو رقت کا ہوا جوش
یاد آئی سکینہؑ کی ہوئی جنگ فراموش
تھی خشک زباں پیاس کی گرمی سے دہن میں
آئی جو ہوا سرد تو جان آگئی تن میں

چمکار کے رہوار کو اُس نہر میں ڈالا
لہرایا جو پانی تو ہوا دل تہ و بالا
پیاسے تھے جو دو روز سے گھر میں تہ والا
مشکیزے کو بھر کر بسرِ دوش سنبھالا
اسوار جو بے پیاس بجھائے ہوئے نکلا
منہ پانی سے گھوڑا ابھی اُٹھائے ہوئے نکلا

رہوار سے فرمایا کہ یہ سخت گھڑی ہی
رستے میں پرا باندھے ہوئے فوج کھڑی ہی
مشکیزے سے ایک ایک کی آنکھ اب لڑی ہی
پانی نہ تلف ہو یہ مجھے فکر بڑی ہی
دل سینہ میں بیتاب ہی پیاسوں کے الم سے
مشکیزہ سنبھالوں کہ لڑوں فوج ستم سے

گھوڑے نے کہا ہی ابھی در پیش لڑائی
خیمے تلک اس فوج سے مشکل ہی رسائی
حضرت نے تو یاں پیاس بھی آکر نہ بجھائی
اور اس پہ بھری مشک ہی کاندھے پہ اُٹھائی
بے پانی پیئے ضعف سوا ہوئے گا آقا
طاقت ہی نہ ہوئے گی تو کیا ہوئے گا آقا

عباسؑ نے فرمایا کہ ای اسپ وفادار
سیرابِ علمدار ہو پیاسا رہے سردار
مرجانا تو ہی سہل پہ یہ امر ہی دشوار
فرزند میں اُس کا ہوں جو کوثر کا ہی مختار
تو پی لے اگر شدتِ تشنہ دہنی ہی
اب ہم ہیں یہ انبوہ ہی اور تیغ زنی ہی

گھوڑے نے کہا اے اسداللہ کے جانی
ہر چند ہیں دو دن سے مجھے تشنہ دہانی
پر جب نہ پئیں آپ تو کیوں کر پیوں پانی
ہرگز مجھے منظور نہیں پیاس بجھانی
تا خیمہ گیا بچ کے اگر فوجِ ستم سے
چار آنکھیں نہ ہوں گی فرسِ شاہِ امم سے

عباسؑ چلے کہہ کے توکلت علی اللہ
تنہا پہ پرے ٹوٹ پڑے فوج کے ناگاہ
دن کی ہوئی شب شام کی بدلی میں گھرا ماہ
انبوہ میں پیاسے کو نہ خیمے کی ملی راہ
جوں شیر اُدھر اور ادھر جاتے تھے عباسؑ
تلواریں ہی پڑتی تھیں جدھر جاتے تھے عباسؑ

اُمڈا ہوا تھا فوج کا دریا لبِ ساحل
گھیرے ہوئے غازی کو چلے آتے تھے قاتل
رہوار بھی مجروح تھا اور آپ بھی گھائل
تا خیمہ پہونچنا تھا علمدار کا مشکل
تلوار تو اس کی صفِ اعدا کی طرف تھی
اور آنکھ خیامِ شہِ والا کی طرف تھی

تھا رُخ سے ٹپکتا کبھی جوں اشک پسینہ
غم تھا کبھی لب تشنہ نہ رہ جائے سکینہؑ
لڑنے میں یہ تھا مشک بچانے کا قرینہ
سینہ پہ کبھی مشک کبھی مشک پہ سینہ
سب صورتِ غربال بدن چھن گیا اُس کا
چار آئینہ تیروں سے زرہ بن گیا اُس کا

اللہ نے دی تھی جو اُسے ہمتِ عالی
دیتا تھا کبھی وار کو تلوار کے خالی
یوں آفتِ تیرِ ستم اُس غازی نے ٹالی
سینہ کو سپر کر دیا اور مشک بچا لی
ہر حملہ میں لشکر کو بھگا دیتے تھے عباسؑ
پانی کے لیے جان لڑا دیتے تھے عباسؑ

ناگاہ سنان ابن انس بڑھ کے پکارا
لو غازیو یاور ہوا اقبال تمہارا
تھا فوج کے نرغے میں ید اللہ کا پیارا
تلوار چلی واں علی اکبرؑ گیا مارا
بھائی کو مدد کے لیے چلاتے ہیں شبیرؑ
لاشہ علی اکبرؑ کا لیے آتے ہیں شبیر

سب بی بیاں خیمے سے نکل آئی ہیں باہر
وہ روتی ہیں کلثومؑ وہ زینبؓ ہیں کھلے سر
چلاتی ہے عباسؑ کو اک چھوٹی سی دختر
لب خشک ہیں ہلتے ہیں پڑے کان کے گوہر
کہتی ہے مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
ہے ہے مرے بابا کو بچاتا نہیں کوئی

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ علمدار
اور روکے کہا ہائے مرے بھائی کے غمخوار
خیمے کی طرف جلد پھرے پھیر کے رہوار
واحسرت و دردا کہ لگی شانے پہ تلوار
مڑ کر طرف راست نظر کی کہ یہ کیا تھا
تلوار سے ہاں دوسرا بازو بھی جدا تھا

تھا ہاتھوں کا کٹنا کہ لگا مشک پہ بھی تیر
چلا کے کہا ہائے سکینہ تری تقدیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ جس وقت وہ دلگیر
آ پہونچے گریباں کو پھاڑے ہوئے شبیرؑ
منہ پاؤں پہ مل مل کے فدا ہوتے تھے عباسؑ
شہ روکے لپٹ جاتے تھے جب روتے تھے عباسؑ

تھے نزع میں عباسؑ پہ بھائی سے یہ پوچھا
اکبرؑ کی تو ہو خیر یہ فرمائیے آقا
شہ بولے حفاظت کو ہو گھر کی اسے چھوڑا
یہ سن کے سوئے قبلہ کیا شکر کا سجدہ
سجدے ہی میں دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
مشکیزہ لیے چھاتی تلے مر گئے عباسؑ

خامہ کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار
ہر بیت ہے اس مرثیہ کی مطلع انوار
برگشتہ زمانہ ہو تو کچھ غم نہیں زنہار
حامی ہیں ترے حضرت عباسؑ علمدار
فیاض دو عالم ہیں انیسؔ غربا ہیں
سب مشکلیں آسان ہیں کہ وہ عقدہ کشا ہیں

رباعی

کعبے کو ید اللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفےٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلال اسم اعلائے علیؑ
اصنام کو اس نام نے برباد کیا

ایضاً

اب وقت سرور و فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروف جشن نوروزی ہے
ہے آج سے دور شاہی شاہ نجف
یہ رنگ بہار فتح و فیروزی ہے

مرثیہ (۱۳)

جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے
مشکیزہ دھرا دوش پہ اُس بحرِ کرم نے
رو کر یہ برادر سے کہا شاہ اُمم نے
بھائی تمھیں بیٹوں کی طرح پالا ہے ہم نے
مرنے کو نہ جاؤ کہ نشانی ہو علیؑ کی
توڑو نہ ضعیفی میں کمر سبطِ نبیؐ کی

تم قوتِ بازو ہو مرے جسم کی جاں ہو
لشکر کے علمدار ہو۔ حیدرؑ کے نشاں ہو
بہتر ہے جو خنجر مری گردن پہ رواں ہو
مرنے کے تمہارے یہ نہیں دن ہیں جواں ہو
اس غم میں کریں صبر یہ وہ غم نہیں بھائی
اوجھل ہوئے آنکھوں سے تو پھر ہم نہیں بھائی

عباسؑ ہمیں چھوڑ کے مرنے کو نہ جاؤ
میں دردرسیدہ ہوں مرا دل نہ دکھاؤ
مشکیزہ رکھو کاندھے سے آنسو نہ بہاؤ
لو آؤ مری چھاتی سے چھاتی تو لگاؤ
اندوہ پہ اندوہ ہیں غم ہوتے ہیں غم پر
دیکھو تو عجب عالمِ تنہائی ہے ہم پر

کیونکر تمھیں بھائی کا رُلانا ہے گوارا
اس وقت میں لازم ہے کہ دو ساتھ ہمارا
اب پاس ہو تم یا علی اکبرؑ مرا پیارا
وہ آنکھیں-تو تم ہو مری پیری کا سہارا
تم دونوں کی فرقت بھی جو شبیر سہے گا
پھر لاش اُٹھانے کو مری کون رہے گا

یہ سُن کے علمدار پہ رقت ہوئی طاری
سر شاہ کے قدموں پہ جھکا یا کئی باری
کی عرض یہ آقا سے بصد گریہ و زاری
اِن قدموں پہ حضرت کے فدا جان ہماری
کس کام کے۔ گر آئے نہ کام آپ کے آگے
عزت ہو جو مر جائے غلام آپ کے آگے

تقدیر مجھے پہلے ہی دُنیا سے اُٹھائے
آگے مرے آفت نہ کوئی آپ پہ آئے
اللہ سکینہؓ کی یتیمی نہ دکھائے
فدوی عوض سرورِ دیں خوں میں نہائے
فرزند تصدق مرا گھر بار تصدق
ان قدموں پہ سو جی سے علمدار تصدق

کام آتے ہیں غیروں کے جو ہوتے ہیں وفادار
اور ہیں تو غلام آپ کا ہوں یا شہ ابرار
قاسم کے بچھڑنے کا بڑا دل پہ تعب ہے
باقی ہے غلام آپ کا یا اکبر ذی جاہ
وہ گیسوؤں والا جو ہوا عازم جنگاہ
مر کر بھی ہم اس رنج سے آزاد نہ ہوں گے
ماں نے کہا تھا وقت سفر آکے مرے پاس
شبیرؑ پہ جب ہووے ہجوم الم و یاس
سر پہلے کٹانا کہ شرف پائے گا اس میں
زہراؑ کی کمائی پہ زوال آنے نہ پائے
میدان میں مشکل نبیؐ جانے نہ پائے
زہراؑ کے کلیجے کے وہ دلبند ہیں بیٹا
بچوں کی یتیمی کا بھی کچھ دھیان نہ لانا
ہو جائے اگر ایک طرف سارا زمانا
شبیرؑ سے میں دور رہوں تو ساتھ ہی بیٹا
عباسؑ نے یہ درد دل اپنا جو سنایا
فرمایا کہ تم سے ہمیں قسمت نے چھڑایا
اب تم کو نہ روکیں گے نہ گھبراؤ برادر
جھکنے لگا سردار کے قدموں پہ علمدار
فرماتے تھے صدقے میں ترے اے مرے غمخوار
صدمہ نہ ہوا تھا یہ جدائی میں کسی کی

حضرت ہیں مصیبت میں کئی دن سے گرفتار
ٹکڑے ہوئی سب فوج نہ یاور ہیں نہ انصار
اب بھی جو نہ صدقے ہو یہ خادم تو غضب ہے
خادم کا وہ شہزادہ ہے اور آپ شہنشاہ
کونین میں پھر میرا ٹھکانا نہیں واللہ
ماں دودھ نہ بخشے گی پدر شاد نہ ہوں گے
سمجھاتی ہوں ع اس کو بھلا دیجو نہ عباسؑ
جاں اپنی گنوا دیجو بلا حجت و وسواس
میں دودھ نہ بخشوں گی جو فرق آئے گا اس میں
شبیرؑ کا پسر تیغ و سناں کھانے نہ پائے
شبیرؑ گلا تیغ سے کٹوانے نہ پائے
وہ احمد مختار کے فرزند ہیں بیٹا
غیرت یہ ہے سمجھانے پہ زوجہ کے نہ جانا
تو ہاتھ نہ شبیرؑ کے دامن سے ہٹانا
عزت تری مادر کی ترے ہاتھ ہے بیٹا
شبیرؑ کو رونے کے سوا کچھ نہ بن آیا
افسوس کہ تم نے مرا لاشا نہ اٹھایا
چھاتی سے پھر اک بار لپٹ جاؤ برادر
لپٹا کے گلے رونے لگے سید ابرار
اب فاطمہؓ کا لال ہوا بیکس و بے یار
اس وقت کمر ٹوٹ گئی سبط نبیؐ کی

ای جانِ برادر تیری شوکت کے میں صدقے
ای رستمِ لشکر تری ہمت کے میں صدقے
آفت تری فرقت کی نہیں ٹلتی ہی بھائی
تو مرنے چلا ہائے اخی ہائے اخی ہائے
امت نے محمدؐ کی مری قدر نہ کی ہائے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی ملتا ہی برادر
تڑپا کئے بسمل کی طرح سیدِ ابرار
غل پڑ گیا ہاں لشکریو نہر سے ہشیار
دیکھے کوئی اس صاحبِ شمشیر کی آمد
کہتا تھا کوئی رعبِ علمدار تو دیکھو
بجلی ہی تجمل شوخیِ رہوار تو دیکھو
پنجے سے تجلی یدِ بیضا کی عیاں ہی
ہاتھ آئے ہیں ورثے میں بزرگوں کے یہ ہتھیار
اکثر یہ سپر باندھتے تھے جعفرِ طیار
خودِ سرِ پرنور امامِ دوجہاں ہی
پہنے ہی یداللہ کے دستانۂ پرنور
آنکھ اس سے ملالے یہ نہیں شیر کا مقدور
شیرِ اسداللہ ہی شمشیرِ خدا ہی
سر دینے کو آیا ہی عجب صاحبِ توقیر
بھائی سے چھڑائے نہ کسی بھائی کو تقدیر
کانوں میں جو آتی ہی صدا ہائے اخی کی

ہی ہی مرے یاور تری الفت کے میں صدقے
ای ثانیِ جعفر تری صورت کے میں صدقے
اس وقت کلیجے پہ چھری چلتی ہی بھائی
اب بیکس و بے یار ہوا سبطِ نبی ہائے
مرجاؤں گا غم میں تیرے عباس علی ہائے
اب دم مرا گھبرا کے نکلتا ہی برادر
آداب بجا لا کے چلا رن کو علمدار
آپہونچا وغا کو خلفِ حیدرِ کرار
ہوتی ہی ترائی میں یوہیں شیر کی آمد
روشن ہی زمیں جلوۂ رخسار تو دیکھو
شانِ علمِ سیدِ ابرار تو دیکھو
دامانِ علم آیۂ رحمت کا نشاں ہی
قبضے میں ہی تیغِ کمرِ حیدرِ کرار
اور جسم میں ہی جوشنِ بوطالبِ سردار
نیزہ جو حسن کا ہی تو حمزہ کی سناں ہی
تن زور سے معمور ہی دل صبر سے معمور
آفاق میں ہی ثانیِ جعفر یہی مشہور
سقائے حرم ہی یہ شرف سب سے سوا ہی
بیکس ہوئے اب ٹوٹ گیا بازوئے شبیر
اس غازی پہ بھی شاق ہی ہجرِ شہِ دلگیر
گر پڑتے ہیں اشک آنکھوں سے عباس علی کی

رونے کی ہے جا اور مقامِ غم و حسرت
بچوں کی یتیمی کا الم بھائی کی فرقت
مظلوم غریب الوطنی پیاس کی آفت
لے آئی ہے دریا پہ سکینہ کی محبت
سنتے ہیں کہ بے آبی سے اب تنگ جاں ہے
اس سوکھی ہوئی مشک سے پیاس اس کی عیاں ہے

میدان میں مصروفِ ثنا تھے ستم آرا
گھوڑے کو بڑھا کر یہ علمدار پکارا
ہشیار کہ میں ہوں اسد اللہ کا پیارا
دشمن پہ بھی سبقت نہیں دستور ہمارا
حجت جو ہوئی ختم تو اک دم نہیں رکتے
جب کھینچتے ہیں تیغ تو پھر ہم نہیں رکتے

منظور نہیں صلح تو پھر جنگ میں کیا دیر
یا مر گئے یا فوج کو لڑ بھڑ کے کیا زیر
تیروں کے چلیں وار چمکنے لگے شمشیر
مشتاق ہیں مر جانے کے ہو زیست سے دل سیر
تب لطف ہے جب لاشے پہ لاشا نظر آئے
پیاسوں کی لڑائی کا تماشا نظر آئے

ای فوج یہ کیا قہر ہے کیا بے ادبی ہے
سادات پہ دو روز سے یاں تشنہ لبی ہے
بے جرم و خطا سبطِ رسولِ عربی ہے
مہماں ہے مسافر ہے دل و جانِ نبی ہے
بھولو نہ وصیت کو رسولِ دوسرا کی
تم ہو کلمہ گو یہ امانت ہے خدا کی

بن پانی تڑپتے ہیں کس شخص کے اطفال
سوچو یہ کوئی اور ہے یا فاطمہؓ کا لال
کیوں اپنے پیمبر کا چمن کرتے ہو پامال
معصوم تو بے جرم ہیں ای قومِ بدافعال
دو تھوڑا سا پانی میرا دل غم سے تپاں ہے
یہ مشک ہے جس کی وہ بہت تشنہ دہاں ہے

بولا پسرِ سعد کہ یا حضرت عباسؑ
ہیں طالبِ دنیا ہمیں ایماں کا نہیں پاس
تم پیاسے ہو تو پانی پیو کچھ نہیں وسواس
پر سبطِ پیمبر کی بجھانے کے نہیں پیاس
پیاسے شہِ مظلوم کے اطفال مریں گے
اصغر بھی جو آئے تو نہ ہم رحم کریں گے

تھرانے لگا صورتِ خورشید علمدار
فرمایا زباں بند کر او ظالمِ غدار
تو پانی نہ دے کیا تری طاقت ہے ستمگار
خود فاطمہؓ کا لال ہے اس پانی سے بیزار
وہ چاہیں تو فردوس کا ساغر ابھی آجائے
آقا کا اشارا ہو تو کوثر ابھی آجائے

فرما کے یہ غازی نے کیا گھوڑے کو کوڑا
ماری جسے تلوار نہ جیتا اُسے چھوڑا
تھے کتنے لعیں خوف سے بے ہوش زمیں پر
رن میں علمِ فوجِ مخالف ہی نگوں سار
پُرزے جو کمانیں تھیں تو ٹکڑے تھے کماندار
اِک دم میں جو پامال کیا فوجِ شقی کو
دل سے کہا اب جنگ سے کیا کام ہے عباسؑ
بچے شہِ مظلوم کے جینے سے ہیں بے آس
گو حلق ترا پانی سے ناکام رہے گا
شبدیز کو غازی نے بڑھایا سوئے ساحل
تھی یاد زبس تشنگیِ سرورِ عادل
تھا اُنس جو ہمراہِ امامِ دو جہاں سے
منہ باندھ کے جب مشک کا ندھے پہ سنبھالا
گھوڑے کو جو دریا سے بہادر نے نکالا
غل تھا کہ شکست آج دیئے جاتے ہیں عباسؑ
یہ سنتے ہی اک بار کیا فوج نے ریلا
واحسرت و دردا وہ ہزاروں پہ اکیلا
گر پڑتے تھے سب پھر کے جدھر آتے تھے عباس
بے سر تھا وہ جس شامی نے تلوار لگائی
خالی دیا وار اُس کا جو برچھی کوئی آئی
کیا کرتے کہ زوروں سے خود تشنہ دہاں تھے

جوں تیر نظر ٹوٹ پڑا فوج پہ گھوڑا
پامال تھی جس صف کی طرف باگ کو موڑا
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش زمیں پر
روکے ہوئے ڈھالوں کو گریزاں ہیں سیہ کار
ہر غول میں تھا شور یہ بجلی ہے کہ تلوار
دریا نظر آنے لگا عباسِ علی کو
سپلے پہ کماندار ہیں دریا ہے بہت پاس
وہ فکر کرو اب کہ سکینہ کی بجھے پیاس
پر خلق میں سقائے حرم نام رہے گا
یا شیرِ خدا کہہ کے ہوئے نہر میں داخل
پانی پہ نہ صابر کی طبیعت ہوئی مائل
گھوڑے نے بھی پانی نہ پیا آبِ رواں سے
فرمایا توکلت و علی اللہ تعالے
اُس ماہ کے گرد آگیا پھر فوج کا ہالا
ہاں غازیو ہاں مشک لیئے جاتے ہیں عباسؑ
سر دینے کو ہر اہلِ ستم جان پہ کھیلا
کیا کیا نہ بہادر نے اُس انبوہ کو جھیلا
جوں شیر سے ہر صف سے نکل جاتے تھے عباس
نیزے کو جو تولا تو کٹی صاف کلائی
تیر آئے تو چھاتی کے تلے مشک چھپائی
تنہائی تھی اور لاکھ عدو دشمنِ جاں تھے

اِک صف سے نکلتے تھے قلم کر کے جو بھالے — تو دوسری صف آتی تھی تلواریں نکالے
پسپا کیا اُن کو جو بڑھے برچھیوں والے — پیدل جو ہٹے آئے سواروں کے رسالے
پڑتی تھی مہم جو اُسے سر کرتے تھے عباسؑ — ہر وار پہ سینے کو سپر کرتے تھے عباسؑ

نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوئے دو — زیں گھوڑوں سے خالی تھے زمیں لاشوں سے مملو
گھوڑوں سے زمیں پر جو گرے پڑتے تھے مغرور — چار آئینہ ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
تھیں تیغ سے ڈھالیں بھی جو پُرزے کہ وہ مہ کی — کڑیاں بھی بکھر جاتی تھیں کٹ کٹ کے زرہ کی

سر پہ جو پڑی تیغ گئی تا سرِ قربوس — دو کب ہوا راکب کو نہ ہوتا تھا یہ محسوس
ملتے تھے الف ہو کے جو گھوڑے کفِ افسوس — زندے بھی تھے مُردوں کی طرح زیست سے مایوس
غل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اُس کی چمک سے — تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

حملوں سے پریشاں جو ہوا لشکرِ کفار — اک نخل کے سائے میں ذرا ٹھہرا علمدار
لکھا ہے کہ تھا ابن طفیل ایک ستمگار — مخفی تھا اُسی نخل کے نیچے وہ جفاکار
یہ خوش تھے کہ جاتے ہیں خیامِ شہِ دیں میں — اس کی نہ خبر تھی کہ اجل یاں ہے کمیں میں

ظالم نے بلندی سے بہادر پہ کیا وار — جس شانے پہ تھی مشک اُسی پر پڑی تلوار
تب دوسرے کاندھے پہ رکھا مشک کو اک بار — ہیہات ہوا ضرب سے وہ ہاتھ بھی بیکار
فرمایا کہ ثابت قدمِ راہِ وفا ہیں — سو ہاتھ ہوں ایسے تو سکینہ پہ فدا ہیں

دونوں جو کٹے ہاتھ تو حالت ہوئی تغییر — دانتوں سے پکڑ مشک کے تسمہ کو وہ دلگیر
دل میں یہی کہتے تھے کہ اب کیا کروں تدبیر — افسوس کہ اتنے میں لگا مشک پہ اک تیر
بہنے لگا مشکیزے سے پانی جو زمیں پر — اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر

کچھ ہاتھوں کے کٹ جانے کا غازی کو نہ تھا دھیان — پانی جو بہا مشک سے قالب سے چلی جان
چلّا کے کہا ہائے سکینہ ترے قربان — پانی کے لیے خون میں سقا ہوا غلطان
رو کر کہا میری نہیں تقصیر سکینہ — ضائع ہوا پانی تری تقدیر سکینہ

یہ کہہ کے گرے گھوڑے سے عباسؑ خوش اطوار — اِک شور پڑا قتل ہوا شہ کا علمدار
گھبرا گئے سُن کر یہ صدا سیدِ ابرار — اکبرؑ سے کہا لو ہوئے ہم بیکس و ناچار
سوراخ کلیجہ ہوا بھتیجے کے الم سے — فرماتے تھے بھائی بھی جُدا ہو گئے ہم سے

ڈیوڑھی پہ حرم کرنے لگے گریہ و زاری — عباسؑ کی زوجہ نے ردا سر سے اُتاری
بیتابی میں ڈیوڑھی سے سکینہ یہ پکاری — کیوں آئی نہ اب تک مرے عمو کی سواری
میں اپنے چچا کو نہ اگر پاؤں گی بابا — سر پیٹتی دریا پہ چلی آؤں گی بابا

دریا پہ یہ غل ہے مجھے آتا ہے یہ وسواس — دم رُکتا ہے بھیجوں کسے اس وقت چچا پاس
خیمے میں چچی پر ہے ہجومِ الم و یاس — کہدے کوئی اب آپ کی پیاری کو نہیں پیاس
یا اور کوئی بابا کا مصیبت میں نہیں ہے — پھر آؤ کہ پانی میری قسمت میں نہیں ہے

بابا مجھے بتلاؤ میں ہوں آپ کے واری — بیتاب ہوں یہ اشک ہیں کیوں آنکھوں سے جاری
کیوں کہتے ہو اس وقت کمر ٹوٹی ہماری — کیا رن سے نہ اب آئے گی عمو کی سواری
پانی کے لیے کیا سوئے کوثر گئے عباس — ہے ہے مجھے کہنے میں خجل کر گئے عباس

بہلا کے اُسے رن میں چلے سیدِ ذی جاہ — تھی دستِ مبارک میں علم تیغ ید اللہ
جب شیر سے دریا کی ترائی میں گئے شاہ — عباسؑ کا لاشا نظر آیا اُنھیں ناگاہ
دیکھا تو یہ دیکھا کہ نہیں ہاتھ بدن میں — چھاتی پہ تو مشکیزہ ہے تسمہ ہے دہن میں

چلّائے یہ لاشے سے لپٹ کر شہِ عالم — ہیہات ترے ہاتھ کٹے اے مرے ضیغم
جعفرؑ کا یہ ماتم ہے علیؑ کا ہے یہ ماتم — عباس ترے داغ سے جینے کے نہیں ہم
تنہائی میں بھائی کی کمر توڑ چلے ہو — اُنتیس برس بعد ہمیں چھوڑ چلے ہو

جس وقت سُنی اُس نے صدائے شہِ ابرار — جاں آ گئی اور کھول دیئے دیدۂ خونبار
کی عرض یہ منھ مل کے قدم پر بہ دلِ زار — صدقے ترے آقا مرے مالک مرے سردار
حسرت تھی یہی جب سفرِ خلد کروں میں — آنکھیں قدمِ پاک پہ مل مل کے مروں میں

صد شکر تمنا تھی جو دل میں وہ بر آئی
ہے دل پہ سکینہؑ کا مگر داغ جدائی
افسوس ہے اک پانی کی بوند اس نے نہ پائی
تا حشر سکینہؑ سے خجالت رہی بھائی
یہ مشک و علم خیمے میں پہونچا دیو آقا
پر لاش برادر کی نہ لے جائیو آقا

کہکر یہ سخن چاہا کہ اُٹھے وہ دلاور
منھ چوم کے بھائی کا لگے کہنے یہ سرور
کیا حال ہے کیوں روتے ہیں لیتے ہو برادر
عباسؑ نے کی عرض کہ یا سبطِ پیمبر
فردوس سے لینے کو مرے آئے ہیں بابا
ملنے کے لئے ہاتھوں کو پھیلائے ہیں بابا

آئے ہیں محمدؐ مجھے یا شاہ اُٹھاؤ
زہرا یہ کھڑی ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
فرماتے ہیں اس کو مری چھاتی سے لگاؤ
شبیرؑ کے عاشق کی مجھے شکل دکھاؤ
لپٹا کے کلیجے سے اُسے روئے گی زہرا
شبیرؑ کے فدوی پہ فدا ہوئے گی زہرا

کہہ کر یہ سخن مر گئے عباسِ خوش اطوار
چلاتے رہے شاہ علمدار علمدار
جس درد سے عباسؑ کو روئے شہِ ابرار
لکھنے کی نہیں تاب انیسِ جگر افگار
دن رات دعا ہے یہی درگاہِ خدا میں
اک قبر کی جا پاؤں جوارِ شہدا میں

رباعی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے لشکرِ شام وہ ستارا ہوں میں

ایضاً

اے بادشہِ کون و مکاں اُدرکنی
اے عقدہ کشائے دو جہاں اُدرکنی
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیس
یا حضرت صاحب الزماں اُدرکنی

مرثیہ (۱۴)

ہم صورتِ محبوبِ خدا تھے علی اکبرؑ
شوکت میں شہِ عقدہ کشا تھے علی اکبرؑ
شبیرؑ کی پیری کے عصا تھے علی اکبرؑ
اور بانو کی آنکھوں کی ضیا تھے علی اکبرؑ
جلوہ رخِ پرنور پہ تھا نورِ نبیؐ کا
روشن تھا گھر اس ماہ سے زہرا و علی کا

محبوبِ دلِ خلق کا شبیرؑ کا جانی
سب ایک زباں تھے کہ یہ ہے یوسفِ ثانی
جن لوگوں نے دیکھی تھی محمدؐ کی جوانی
کہتے تھے زہے خامۂ قدرت کی روانی
ایسا تو حسیں غرب سے تا شرق نہیں ہے
احمدؐ میں اور اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے

کیا حسن ہے دیکھو تو رخِ پاک کی توقیر
نے ماہ میں یہ ضو ہے نہ یہ مہر میں تنویر
نازاں نہ ہو کیونکر قلمِ صانعِ تقدیر
کھینچی ہے محمدؐ سے شہنشاہ کی تصویر
جن و ملک و حور میں افسانہ ہے اس کا
نورِ رخِ خورشید بھی پروانہ ہے اس کا

اس طرح کا محبوب پسر جس کو خدا دے
کیونکر وہ پدر بیٹے کو مرنے کی رضا دے
کس طرح سے مال دولتِ اولاد لٹا دے
یہ آگ جو بھڑکے تو کلیجے کو جلا دے
فرزندِ جواں کوئی بشر کھو نہیں سکتا
یہ صبر بجز ابنِ علی ہو نہیں سکتا

اٹھارہ برس رنج اٹھا کر جسے پالیں
کس طرح سے داغ اس کی جوانی کا اٹھالیں
بس ہووے تو آپ اس کے عوض برچھیاں کھالیں
ناچار ہیں کس طرح کلیجے کو سنبھالیں
واں رحم دلِ فوجِ جفا جو میں نہیں ہے
یاں دل کا یہ عالم ہے کہ قابو میں نہیں ہے

فرزند کا منہ دیکھ کے فرماتے تھے سرور
عباسؑ نہیں مر گئے ہم مر گئے اکبرؑ
دشمن کو بھی یہ داغ دکھائے نہ مقدر
پہلو سے گئے بھائی کو لبِ گور برادر
بابا کے عوض عترتِ حیدرؑ کو سنبھالو
ہم مرنے کو جاتے ہیں تم اب گھر کو سنبھالو

کہتا ہے پسر آپ سے کیونکر نہ جدا ہوں
مشہور ہیں ہم صورتِ محبوبِ خدا ہوں
گھر جانے کو فرمائیے اس دم نہ پسر سے
شہ نے کہا کس طرح کہوں مرنے کو جاؤ
ای لال رضا مرنے کی مادر سے تو لاؤ
پوچھا بھی ہے دونوں سے جو مرنے کو چلے ہو
یہ سن کے گئے خیمہ میں روتے ہوئے اکبرؑ
رنگ اڑ گیا بیتاب ہوئی شاہ کی خواہر
کیا ظلم ہوا ایسا جو یوں روتے ہو بیٹا
اکبرؑ نے کہا روؤں نہ کیونکر غضب آیا
سر دینے کو جاتا ہے یداللہ کا جایا
فرماتے ہیں میداں کی اجازت نہ ملے گی
ماں سمجھی کہ میری ہی طرف ہے یہ اشارا
بھیجوں تو مجھے بے اجل اس داغ نے مارا
کیونکر کوئی کوہِ غمِ جاں کاہ اٹھائے
یہ ذکر تھا جو خیمے میں آئے شہِ عالم
شہ نے کہا باقی کوئی مونس ہے نہ ہمدم
ہمشکلِ نبی بعد مرے تھامے گا گھر کو
ہے شادیِ اکبرؑ کا نہایت مجھے ارمان
نوشاہ بنے گا جو مرے بعد یہ ذی شان
جس وقت قدم مسندِ شاہی پہ دھریگا

حضرت پہ تصدق ہوں سب اور یہ فدا ہوں
رخصت مجھے دیجے کہ شریکِ شہدا ہوں
جب آپ نہ ہوں گھر میں تو کیا کام ہے گھر سے
میں آنکھوں سے دیکھا کروں تم برچھیاں کھاؤ
زینبؑ کو تو راضی کرو آنسو نہ بہاؤ
رخصت تمھیں دے کون کہ نازوں کے پلے ہو
ناموسِ رسولِ عربیؐ ہو گئے مضطر
بانو نے کہا خیر تو ہے ای مرے دلبر
ان آنکھوں سے ماں صدقے ہو کیوں تکتے ہو بیٹا
اب اٹھتا ہے سر پر سے مرے باپ کا سایا
کیں منتیں پر اذنِ وغا میں نے نہ پایا
بے مرضیِ مادر تجھے رخصت نہ ملے گی
پردے میں طلب کرتا ہے رخصت مرا پیارا
روکوں تو جدائی نہیں حضرت کی گوارا
ان دونوں سے پہلے مجھے اللہ اٹھائے
بس دوڑ کے قدموں پہ گری بانوئے پر غم
روکو نہ کہ اب جاتے ہیں مرنے کے لیئے ہم
میں چھوڑ چلا ہوں علی اکبر سے پسر کو
جاؤ جو وطن میں تو کرو بیاہ کا ساماں
ہوئیں گے نہ ہم روح مگر ہووے گی شاداں
اکبرؑ کو یقیں ہے کہ ہمیں یاد کریں گے

اس لال کی جس وقت دلھن بیاہ کے لانا
بانو یہ رہے یاد ہمیں بھول نہ جانا
میری بھی طرف سے اُسے چھاتی سے لگانا
پوتا ہو تو مرقد پہ ہمارے اسے لانا
جب ان کے وہ گھٹنوں تربت پہ چلے گا
ان چھوٹے سے تلووں سے حسینؑ آنکھیں ملے گا

یہ سُن کے جگر ہو گیا اکبرؔ کا دو پارا
مادر سے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو اشارا
رخصت مجھے بابا سے دلا دیجیے خدارا
ان باتوں کے سُننے کا مجھے اب نہیں یارا
جس طرح ہو اس کام میں کد کیجئے امّاں
فرزند کی مشکل میں مدد کیجئے امّاں

ماں کانپ گئی بی بیاں رونے لگیں ساری
اکبرؔ کے بھی زینبؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
بانو نے کہا تم سے یہ لونڈی گئی واری
اکبرؔ نہیں جینے کے جدائی میں تمہاری
رخصت انھیں کیوں دیتے نہیں سوچتے کیا ہو
کچھ ان کی ہے تقصیر کہ لونڈی سے خفا ہو

تم رہتے سلامت تو میں بیاہ ان کا رچاتی
اور باندھ کے سہرا انھیں نوشاہ بناتی
کس چاہ سے چھوٹی سی دُلھن بیاہ کے لاتی
واللہ اب اس ذکر سے شق ہوتی ہے چھاتی
وہ کیجیے جو ہے قصد مرے راحتِ جاں کا
جب آپ نہ ہوں کیسی خوشی بیاہ کہاں کا

اب تو یہ خوشی ہے کہ یہ کام آپ کے آئیں
حضرت کی حفاظت کریں اور برچھیاں کھائیں
صاحب کے پسینے پہ لہو اپنا گرائیں
لو بخش چکی دودھ بھی سر دینے کو جائیں
رو رو کے کئی بار مرے پاؤں پڑے تھے
یہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھے کھڑے تھے

یہ سنتے ہی قدموں پہ گرے اکبرؔ ذی جاہ
چھاتی سے لگا بیٹے کو فرمانے لگے شاہ
بابا پہ ہے دشوار جدائی تری واللہ
خیر اب یہی مرضی ہے تو میدان کی لو راہ
عرصہ نہیں کچھ زیست سے گھبراتے ہیں ہم بھی
تم آگے چلو پیچھے چلے آتے ہیں ہم بھی

یہ کہہ کے جو فرزند سے روئے شہِ مظلوم
خیمے میں جواں بیٹے کی رخصت کی ہوئی دھوم
کہنے لگے ہم شکلِ نبیؐ سُن کے قدم چوم
رکھیے گا دمِ نزع نہ دیدار سے محروم
ماں بولی ہمیں شکل دکھاؤ گے نہ اکبرؔ
صدقے گئی کیا گھر میں پھر آؤ گے نہ اکبرؔ

گھبرا کے کہا بیٹے کے دامن کو پکڑ کر
پھر آنے کا وعدہ تو کرو ای مرے دلبر
بانو سے یہ کہنے لگے رو کر علی اکبر
مہلت جو اجل دے تو پھر آجاویں گے مادر
دانستہ عزیزوں کو بھلاتا نہیں کوئی
واں جانا ہی جس جا سے پھر آتا نہیں کوئی

شہ روتے رہے بانو بھی کرتی رہی زاری
میدان میں پہونچی علی اکبر کی سواری
مقتل کی زمیں حسن سے روشن ہوئی ساری
اک نور جو چمکا متحیر ہوئے ناری
ثابت ہوا سب کو رخِ روشن کی چمک سے
خورشید زمیں پر اتر آیا ہی فلک سے

میدان میں یہ غل تھا کہ صدا شاہ کی آئی
اب دلبرِ زہرا کا بھتیجا ہی نہ بھائی
باقی تھا یہ بیٹا تو ہوئی اس سے جدائی
یارو مجھے دیتا نہیں آنکھوں سے دکھائی
ہمشکلِ پیمبر ہی یہ دلبند ہی میرا
اٹھارہ برس کا ہی فرزند ہی میرا

ای ظالمو یہ ہی مری پیری کا سہارا
مر جاؤں گا میں جیتے جی گر اس کو بھی مارا
بانو کا بھی پیارا ہی یہ میرا بھی ہی پیارا
تصویر ہی اس کی جو پیمبر ہی تمہارا
قدموں پہ گرو اس کے اگر پاسِ ادب ہی
احمد کی نشانی کا مٹانا تو غضب ہی

ہو صاحبِ اولاد تو تیرے نہ سنبھالو
زخمی مرا دل ہوتا ہی تیغیں نہ نکالو
بیٹوں کی قسم ہی تمہیں اے برچھیوں والو
اس داغ سے بابا کے کلیجے کو بچا لو
بیکس ہی تمہیں اور تو کیا دیوے گا شبیر
بچ جائے گا اکبر تو دعا دیوے گا شبیر

یہ ذکر تھا رن میں جو قیامت ہوئی برپا
ہر سمت سے اکبر پہ کیا فوج نے نرغا
تلواریں چمکنے لگیں مینہ تیروں کا برسا
اکبر نے بھی لے نامِ علی تیغ کو کھینچا
غل تھا کہ کبھی ایسی لڑائی نہیں دیکھی
یہ تیغ کی برش یہ صفائی نہیں دیکھی

لاکھوں میں عجب شان سے لڑتا تھا وہ صفدر
دو چار ہی حملوں میں صفیں ہو گئیں بے سر
گھوڑوں سے اتر لاشوں میں چھپتے تھے ستمگر
اک برق گری جس پہ پڑی ضربتِ اکبر
بیٹے کی صدا جس گھڑی سن پاتے تھے شبیر
سجدے کے لیے خاک پہ جھک جاتے تھے شبیر

تا دیر تو سنتے رہے تلواروں کی جھنکار
تکتے تھے پر اکبر نہ نظر آتا تھا زنہار
لشکر میں ستمگاروں کے یہ غل ہوا اک بار
برچھی علی اکبر کے کلیجے سے ہوئی پار
لو سیدِ مظلوم کے دلدار کو مارا
مارا اسے کیا احمدِ مختار کو مارا

یہ سنتے ہی گھبرا کے گرے خاک پہ شبیر
واں چھاتی پہ برچھی لگی یاں دل پہ لگا تیر
اُٹھے جو سنبھل کر تو یہ کرنے لگے تقریر
تقدیر میں تھا داغِ پسر واہ ری تقدیر
یاں لُٹ گئے آباد ہم آئے تھے وطن سے
بیٹے کو اسی واسطے لائے تھے وطن سے

تنہا ہوئے آخر نہ رہا کوئی ہمارا
فریاد کہ اکبر کو ستمگاروں نے مارا
پیری میں کیا جسم کی قوت نے کنارا
تھا جس کا سہارا وہی دنیا سے سدھارا
مشکل میں مدد باپ کی کرتا علی اکبر
ہم جیتے کوئی دن جو نہ مرتا علی اکبر

یہ کہتے ہوئے آئے عجب حال سے رن میں
لغزش جو قدم میں تھی تو رعشہ تھا بدن میں
آنکھوں میں بھرے اشک تھے ہاں خشک دہن میں
جوں شیر ترائی میں کبھی اور کبھی بن میں
پایا نہ کسی جا پہ جو اس رشکِ قمر کو
گھبرائے ہوئے ڈھونڈتے پھرتے تھے پسر کو

اتنے میں یہ پُردرد صدا دور سے آئی
اے قبلۂ کونین بڑی دیر لگائی
بیٹے نے ابھی برچھی کی چھاتی پہ ہے کھائی
دل لیجیے آ کر کہ ہے درپیش جدائی
غش طاری ہے آنکھوں کو بھی کھولا نہیں جاتا
یہ درد ہے سینے میں کہ بولا نہیں جاتا

آوازِ پسر سنتے ہی دوڑے شہِ ذیشاں
دیکھا کہ ہے فرزندِ جواں خون میں غلطاں
لاشے سے لپٹ کر کہا بابا ترے قرباں
کیا حال ہے کھایا ہے کہاں زخم مری جاں
رخ زرد ہے سر تا بقدم خوں میں بھرے ہو
مجھ سے تو کہو چھاتی پہ کیوں ہاتھ دھرے ہو

یہ سنتے ہی دم میں علی اکبر کے دم آیا
بابا کی طرف پیار سے ہاتھوں کو بڑھایا
مجروحِ سناں سینے کو بیٹے کے جو پایا
سر پیٹ کے چلائے کہ فریاد خدایا
دل بند محمد کے جگر بند کو مارا
اٹھارہ برس کے مرے فرزند کو مارا

اکبر نے کہا صبر کرو ای شہِ عالم
بندے کو تو کچھ مرگ جوانی کا نہیں غم
دشمن ہے ہر اک دشمنِ دیں آپ کی جاں کا
ہم آپ کی آغوش میں مہماں ہیں کوئی دم
افسوس کہ حضرت رہے بے مونس و ہمدم
تنہائی ہے اور سامنا دو لاکھ جواں کا

یہ کہتے ہی تیور علی اکبر نے پھرائے
سر پیٹ کے شبیر سخن لب پہ یہ لائے
کیا بولتے دُنیا سے سفر کر گئے اکبر
ہمراہ دمِ سرد کے آنسو نکل آئے
آغوش سے بابا کی چلے بانو کے جائے
سوکھی ہوئی دکھلا کے زباں مر گئے اکبر

اِس درد سے روتے تھے پسر کو شہِ والا
لکھا ہے کہ جب مر گیا وہ گیسوؤں والا
تھا نور سے چہرے کے گماں بنتِ نبی کا
افلاک کو جنبش تھی زمیں تھی تہ و بالا
تقدیر نے اک بی بی کو خیمے سے نکالا
رفتار میں انداز تھا رفتارِ علی کا

تھے بال تو بکھرے ہوئے اور جسم میں رعشا
چلاتی تھی پکڑے ہوئے ہاتھوں سے کلیجا
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے ماہ لقا کی
اشک آنکھوں میں اور صدموں سے فق چاند سا چہرا
مارا گیا اٹھارہ برس کا مرا بیٹا
میں لٹ گئی اس بن میں دہائی ہے خدا کی

ہے ہے مرے پیارے مرے جانی علی اکبرؑ
ہے ہے نہ میسر ہوا پانی علی اکبرؑ
بن بیاہے تم اس دارِ فنا سے گئے واری
ہے ہے مرے نانا کی نشانی علی اکبر
برباد ہوئی تیری جوانی علی اکبر
پانی نہ ملا خلق سے پیاسے گئے واری

زینبؑ کی صدا سُن کے اُٹھے سیدِ ابرار
خیمے میں اسے لے گئے با دیدۂ خونبار
یہ جائے خموشی ہے انیسِ جگر افگار
حق سے یہ دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
بر لا مری اُمید کو سرور کا تصدّق
اکبر کا تصدّق علی اصغر کا تصدق

مرثیہ (۱۵)

جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو تھے سوچ میں زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
صدمہ تھا عجب باوشہِ جن و بشر کو کہتے تھے کوئی لے گیا سینے سے جگر کو
اب مرگ کا طالب پسرِ شیرِ خدا ہے بیٹا ہی نہ ہو جب تو مزا زیست کا کیا ہے
کھویا اُسے اٹھارہ برس تک جسے پالا رشکِ قمر آنکھوں کی ضیا گھر کا اوجالا
دُنیا سے گیا ہائے مرا گیسوؤں والا مارا اُسے اعدا نے مجھے مار نہ ڈالا
مرنے کے نہ تھے دن کہ سفر کر گئے اکبرؑ ہیں پیر تو جیتا ہوں جواں مر گئے اکبر

افسوس برابر کا پسر باپ سے چھوٹا پردیس میں بیکس پہ فلکِ ظلم کا ٹوٹا
باقی نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا فریاد کہ اُمّت نے مرے باغ کو لوٹا
زخم اُن کو ملے داغِ جگر ہم کو ملے ہیں وہ پھول انھیں اور یہ ثمر ہم کو ملے ہیں
جو غنچہ دہن تھے چمنِ دہر میں نایاب مہتاب کی جن کے تنِ نازک کو نہ تھی تاب
بستانِ رسولِ عربی کے گلِ شاداب دو دن نہ اُنھیں فصلِ بہاری میں ملا آب
سب گل ستمِ تیغِ خزاں سہ گئے افسوس شبنم کی طرح رونے کو ہم رہ گئے افسوس

طاقت تو گئی قلب سے آنکھوں سے گیا نور تھے صاحبِ مقدور پر اب ہو گئے مجبور
ایک دل کئی داغ ایک جگر اور کئی ناسور حال اپنا دکھائیں کسے اکبر ہیں بہت دور
بے حلق کٹائے ہوئے ہم جا نہیں سکتے اور واں سے ہمارے ہیں کہ یاں آ نہیں سکتے
مشکل ہے عجب خیمے میں جائیں کہ نہ جائیں ڈر ہے کہ نہ سیدانیاں باہر نکل آئیں
فرزند کہاں ہے کہ جسے ڈھونڈھ کے لائیں ممکن نہیں اب کھوئے ہوئے لال کو پائیں
اکبر کی ملاقات سے ہے یاس پدر کو جیتا تھا جو یعقوب نے پایا تھا پسر کو

جو کر گیا دنیا سے سفر پھر نہیں آتا
آنکھوں سے چھپا جو وہ نظر پھر نہیں آتا
جنت میں جو پہونچا وہ ادھر پھر نہیں آتا
تڑپا کریں ماں باپ پسر پھر نہیں آتا
سہرے کے گلے سے علی اکبر کے ملیں گے
اس آس پہ جیتے ہیں کہ اب کے ملیں گے

بیٹا جو سفر میں ہو تو رہتا ہے یہی دھیان
ہوتا ہے کوئی دن میں ملاقات کا سامان
اور وصل کی امید نہ ہو جب کسی عنوان
پھر مرگ ہی ماں باپ کے ہے درد کا درمان
گھر ہو گیا برباد حسین ابنِ علی کا
فرزند جواں ہو کے نہ مر جائے کسی کا

یہ کہتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے سرور
دیکھا کہ حرم پیٹتے ہیں کھولے ہوئے سر
غش خاک پہ ہے ایک طرف زینبِ مضطر
چلاتی ہے بانو علی اکبر! علی اکبر!!
ماتم ہے بپا چاک گریبان کیے ہیں
شہزادیوں کو لونڈیاں حلقے میں لیے ہیں

رو کر کوئی زینب کو اٹھاتی ہے زمیں سے
سمجھاتی ہے لپٹی کوئی بانوئے حزیں سے
چلا کے سکینہؓ نے کہا یہ شہِ دیں سے
بابا مرے بھیا نہ پھرے لشکرِ کیں سے
دونوں غمِ اکبر میں نہ اک آن جئیں گی
اماں بھی جئیں گی نہ پھوپی جان جئیں گی

حضرت نے کہا کون پھرے وہ تو سدھارے
بی بی انھیں نیزے ستم ایجادوں نے مارے
عباسِ علی سوتے ہیں دریا کے کنارے
اب غیرِ اجل کوئی نہیں پاس ہمارے
دنیا سے سوئے خلد سفر ہے کوئی دم کو
اکبر کو تو سب رو چکے اب روئیں گے ہم کو

سب بی بیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر
تھرائی ہوئی غش سے اٹھی شاہ کی ہمشیر
ایک ایک کا منہ تکنے لگی بانوئے دلگیر
سب سے کہا کیوں صاحبو دیکھی مری تقدیر
میں سمجھی تھی پرسا مجھے دیویں گے پسر کا
ہے اور ہی کچھ قصد شہِ جن و بشر کا

اجڑی تھی مری کوکھ موا تھا مرا جایا
اس آنچ نے تھا دل بھی کلیجہ بھی جلایا
کہتی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایا
پیغام رنڈاپے کا بھی قسمت نے سنایا
رکھا ہے تباہی نے قدم گھر میں ہمارے
در در ابھی پھرنا ہے مقدر میں ہمارے

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبطِ پیمبرؐ   باتیں نہ کرو یاس کی اے بانوے مضطر
دنیا میں سدا جیتے ہیں فرزند نہ شوہر   کیوں روتی ہو اللہ کا سایہ تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار وہی ہے   مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

جس خالقِ اکبر پہ کیا بیٹے کو قرباں   مشکل بھی تمہاری وہی کر دیوے گا آساں
پردے میں رہو یا کہ پھرو با سرِ عریاں   حافظ وہی گھر کا وہی عزت کا نگہباں
جو چپ ہو اثر کرتی ہے فریاد اُسی کی   ایذائے اسیری میں رہے یاد اُسی کی

لوٹیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا   منصب ہو تمھیں نہ یہ زر و زر کس نے دیا تھا
یہ نخلِ تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا   ہمشکلِ محمدؐ سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی اُسی کی   بخشش تھی اُسی کی یہ عنایت تھی اُسی کی

گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار   بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبک بار
سب کچھ مجھے بخشا تھا مگر عاقبتِ کار   بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
جو اُس کی امانت ہے وہ سب دیکے چلے ہیں   کچھ لیکے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

ہاں ایک امانت ابھی باقی ہے مقرر   اُس سے بھی ادا مجھ کو کرے خالقِ اکبر
ہے قول کا صادق پسرِ فاتحِ خیبر   وہ دین ہے کیا دین کہ تن پر سے کٹے سر
منزل پہ پہونچ جاؤں جو طے راہِ رضا ہو   رستہ وہ ہے شمشیر پہ ہے دیکھیے کیا ہو

بانو سے یہ فرما چکے جب حضرتِ شبیر   حسرت سے نظر کی طرفِ زینبِ دلگیر
فرمایا کہ تم بھی ہمیں رخصت کرو ہمشیر   منزل ہے بہت دور مناسب نہیں تاخیر
دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے   شبیر سے مل لو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

تم فاطمہ زہرا کے طریقے سے ہو آگاہ   ہر شخص کو درپیش ہے اک روز یہی راہ
زینب نے کہا صدقے بہن اے شہِ ذی جاہ   بے آپ کے مرجاوے گی بنتِ اسداللہ
جو حکم ہو کچھ منہ سے نہ ہمشیر کہے گی   یہ کہنہ ردا بھی نہ مرے سر پہ رہے گی

مظلومیِ زینبؑ پہ دلِ شاہ بھر آیا
اشکوں کے عوض خونِ دل آنکھوں سے بھر آیا
چھاتی سے کئی بار سکینہ کو لگایا
خیمے سے چلا احمدِ مختار کا جایا
روتے ہوئے شبیر جو باہر نکل آئے
پیچھے حرمِ پاک کھلے سر نکل آئے

تنہائیِ شبیرؑ کا کیا حال کہوں آہ
بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی دوست تھا واللہ
یا اسپِ وفادار تھا یا سیدِ ذیجاہ
زینبؑ نے رکاب آکے جو تھامی تو چڑھے شاہ
کبرا قدمِ سیدِ ابرار سے لپٹی
بانوئے حزیں گردنِ رہوار سے لپٹی

مرکب کی بھی راکب کو بھی دے دے کے دعائیں
لیں چھوٹے سے ہاتھوں سے سکینہ کی بلائیں
شہ کہتے تھے اعدا نہ کہیں تیر لگائیں
تم خیمے میں اب جاؤ تو ہم مرنے کو جائیں
وہ کہتی تھی بابا مجھے تم پیار تو کر لو
میدان سے کب آؤ گے اقرار تو کر لو

جاتے ہو تو صدقے گئی جلدی سے پھر آنا
عمو کی طرح سے کہیں کوثر پہ نہ جانا
ہو جائے گا تیرہ مری آنکھوں میں زمانا
اچھے مرے بابا مجھے چھاتی پہ سلانا
جلد آؤ گے میداں سے تو رونے کی نہیں میں
دیکھو جو ہوئی دیر تو سونے کی نہیں میں

بیٹی سے کہا شہ نے بصد گریہ و زاری
صدقے میں ترے اے مرے عاشق مری پیاری
چھاتی پہ سلاویں گی پھوپھی جان تمہاری
کڑھیو نہ بہت گر نہ پھرے جلد سواری
تم کو بھی بلا لیں گے جہاں ہوئیں گے بیٹی
کچھ کام ہے ہم آج وہیں سوئیں گے بیٹی

وہ بولی نہ مانی ہے نہ مانوں گی یہ بات
اب آپ کے دامن سے نہ اٹھے گا مرا ہات
رو رو کے یہ فرمانے لگے شاہِ خوش اوقات
تنہائی کی پہلی علی اصغر کی ہے یہ رات
منھ لاشۂ معصوم سے موڑا نہیں جاتا
دے ساتھ جو اپنا اسے چھوڑا نہیں جاتا

مادر سے جدا ہو کے دیا ساتھ پدر کا
تنہائی پھر اس کی مجھے کیونکر ہو گوارا
کچھ اس میں نہ ہو جائے گا کم پیار تمہارا
پیاری ہو اگر تم تو ہے وہ بھی مجھے پیارا
یاں فرش ہے سونے کو وہاں گھر نہیں ہے
تم پاس تو سب ہیں کوئی اس پاس نہیں ہے

اِس قد کر پہ سر پیٹ کے بانو یہ پکاری
ہے ہے مرے اصغر تری تنہائی کے واری
آغوش میں لے کس کو یہ ماں روکی ماری
تم مر گئے ویران ہوئی گود ہماری
دل ہی میں مرے ارمان بھرے رہ گئے بیٹا
کرتے جو سیئے تھے وہ دھرے رہ گئے بیٹا

روتے ہوئے شبیر چلے جانبِ میداں
چلائے یہ ناموس کہ اللہ نگہباں
تھی تابشِ خورشید ہوا تھی شرر افشاں
اڑتے تھے رخِ پاک پہ گیسوئے پریشاں
قطروں کے پسینے کی یہ کثرت تھی جبیں پر
ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

مولا کی تھی یہ شان تھی یہ قدرتِ اللہ
تنہا تھے مگر ساتھ تھی فوجِ حشمِ شاہ
پیدل تھے ملک اسپِ فلک سیر کے ہمراہ
باندھے تھے صفیں لشکرِ جن تا صفِ جنگاہ
دونوں پہ چپ و راست شہِ دیں کی نظر تھی
مر جائیں گے تنہا یہ کسی کو نہ خبر تھی

نصرت کا یہ تھا قول کہ خاکِ کفِ پا ہوں
اقبال یہ کہتا تھا کہ میں بالِ ہما ہوں
تیغِ دو زباں کہتی تھی میں قہرِ خدا ہوں
فرماتے تھے شبیر کہ راضی برضا ہوں
گو سب ہیں پہ میں ہاتھ نہ قبضہ پہ دھروں گا
پیاسا ہوں کئی روز کا پیاسا ہی مروں گا

شبیر کے ہمراہ رسولانِ سلف تھے
جنات و ملائک کے پرے دونوں طرف تھے
شاہِ شہدا بیچ میں شمشیر بکف تھے
دل تھامے ہوئے ساتھ شہنشاہِ نجف تھے
ہے ہے مرے شبیر یہ چلاتی تھی زہرا
سر پیٹتی ہاتوں سے چلی جاتی تھی زہرا

بکھرے ہوئے تھے بال کلیجہ تھا دوپارا
تھامے ہوئے تھیں آسیہ و مریم و سارا
حورانِ بہشتی کو نہ تھا صبر کا یارا
چلاتی تھیں ہے ہے اسد اللہ کا پیارا
نہ تاب فلک کو نہ تحمل تھا زمیں کو
فریاد سے مردوں کی تزلزل تھا زمیں کو

کی عرض ملائک نے کہ یا سیدِ ابرار
ہم بھی ہیں تری راہ میں سر دینے کو تیار
اس طرح گہربار ہوئے لعلِ گہربار
بندہ ہوں میں جس کا وہی میرا ہے مددگار
کیا ابنِ علی صاحبِ مقدور نہیں ہے
امت کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے

پیارے ہیں مجھے گو کہ انھیں میں نہیں پیارا
بولا نہ جب اکبر سا جواں بیٹے کو مارا
عباسؑ سے بھائی کا کیا داغ گوارا
شش ماہہ پسر تیرِ ستم کھا کے سدھارا
مارا انھیں جس جس نے وہ ہر چند یہی ہیں
بھائی ہیں یہی اور مرے فرزند یہی ہیں

باقی ہو اب اک جانِ ستم دیدۂ شبیرؑ
اور حلق ہے مشتاقِ دمِ خنجر و شمشیر
یہ سینۂ بے کینہ ہو وقفِ تبر و تیر
جس طرح سے چاہیں مجھے بسمل کریں بے پیر
مظلوم کا فرزند ہوں مظلوم مروں گا
کاٹیں گے گلا بھی تو گلا میں نہ کروں گا

کی سارے رسولوں کی مرے باپ نے امداد
فریاد رسِ خلق کو کیا چاہیے فریاد
راضی ہوں میں گردن پہ چلے خنجرِ فولاد
گھر ہو مرا برباد پہ امت نہ ہو برباد
لازم ہے کرے صبر علی کا پسر ایسا
تم بھی کہو اب تک نہیں دیکھا بشر ایسا

جنّات نے پھر عرض یہ کی قدموں پہ گر کر
ہم خادمِ دیرینہ ہیں یا سبطِ پیمبر
فرما گئے تھے ہم سے یہی حیدرِ صفدر
کیجو مدد آفت میں پھنسے جب مرا دلبر
سر دے کے شریکِ شہدا ہوئیں گے مولا
ہم آپ کے قدموں پہ فدا ہوئیں گے مولا

فرمایا کہ تھا فوجِ ملک کو بھی یہی دھیان
ہم ہوں پسرِ صاحبِ لولاک پہ قربان
پر میں نے گوارا نہ کیا اُن کا بھی احسان
بے جان مجھے اب ہونے دو ای قومِ نبی جان
ہرگز تمھیں لڑنے کا اشارا نہ کروں گا
مر جاؤں گا امداد گوارا نہ کروں گا

فرما کے یہ جنّات سے گھوڑے کو بڑھایا
چالاکیِ توسن کو ہوا نے بھی نہ پایا
خورشید کا جلوہ رخِ روشن نے دکھایا
غل پڑ گیا آیا پسرِ فاطمہ آیا
ہشیار کہ اب تیغِ شرربار کھنچے گی
جو عرش سے اُتری ہے وہ تلوار کھنچے گی

نورِ رُخِ روشن میں عجب جلوہ گری ہے
یاں مہرِ جہاں تاب کا چہرہ نظری ہے
خورشید یہ ہے اور وہ چراغِ سحری ہے
راکب جو فرشتہ ہے تو مرکب بھی پری ہے
بجلی ہے جو اسوار اسے چمکا کے پھر آئے
یہ قاف سے تا قاف ابھی جا کے پھر آئے

ہے عام کو مرغوب بہت وصف سراپا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا
خورشید خجل رخ سے قمر اس کف پا سے
سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق اس میں سر مو

اس زلف کے ہمسر ہو یہ سنبل کا نہیں رو
کس طرح نہ عاجز دمِ تحریر قلم ہو
ہر مو ہے رگِ ابرِ کرم یا رگِ جاں ہے
یا سنبل پیچیدۂ گلزارِ جناں ہے

دیکھو تو ضیا رخِ چہرۂ شاہ شہدا کی
پیشانیِ نورانیِ فرزندِ پیمبر
آئینہ جو کہیے تو یہ روشن وہ مکدر
کہتا ہے یہ دل لطف تو حاصل نہیں ہوتا

ان ابروؤں کو کہیے جو شمشیر ہلالی
تشبیہ مہِ نو کی جو کاوش سے نکالی
ابرو فلکِ حسن پہ یکتا نظر آئے
نرگس سے جو تشبیہ ہو اس چشم کی منظور

آپس میں کریں اہلِ بصارت یہی مذکور
بینا ہو تو عابد یہ خطا کس کی طرف ہے
کس منہ سے بیاں کیجیے وصفِ لبِ شبیر
یاقوت کا کیا مرتبہ لال کی توقیر
ہر لب پہ ہے ذکر ان کی جو شیریں سخنی کا

حیراں ہے مگر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
جو شے ہے سراپا میں شہِ دیں کے سو یکتا
کس شے کو مقابل میں کروں نورِ خدا سے

سو پیچ ہیں کیا ہو صفتِ کاکل و گیسو
نے مشک میں نے عنبر و سارا میں یہ خوشبو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو تعریف رقم ہو

یا ہے یہ شبِ قدر کہ قدر اس کی عیاں ہے
یا آہ دلِ حسرتِ زہرا کا دھواں ہے
دو راتوں میں اک صبح یہ قدرت ہے خدا کی

ہے مطلعِ نور آیتِ نورِ اقدس و اطہر
دوں ماہ سے نسبت تو وہ داغی ہے سراسر
ناقص کبھی کامل کے مقابل نہیں ہوتا

کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضموں نہیں عالی
دیکھا تو یہ پہلو بھی ہے کچھ حسن سے خالی

آنکھوں سے بھی رتبے میں دوبالا نظر آئے
مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور

تقصیر تو اعلیٰ کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے
جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر

پتھر نے کہاں پائی یہ اعجاز کی تقریر
حیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

دانتوں کی ثنا اپنی زباں پر کوئی کیا لائے
الماس و گہر جن کی چمک دیکھ کے شرمائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سے چمک جائے
افلاک تو اس طرح سے اختر ہیں دکھائے
ہے فوق انھیں عقد ثریا سے گھنے ہیں
یہ فاطمہؓ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

جو دانت کہ تھے عرش معلےٰ کے ستارے
زہرا نے صدا دُرِّ یتیم جن پہ اتارے
افسوس یزید اُن پہ چھڑی بید کی مارے
دشمن کو نہ پیارے ہوں نبی کو تو ہیں پیارے
سمجھا نہ کہ دانت ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں میں
سب مارکے دھاڑیں انھیں روتے ہیں جہاں میں

تفسیر حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار
یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
اعجاز سے خالی نہیں حسنِ شہِ ابرار
دیکھو تو ادھر شام اُدھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو میں اُجالے نے لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

ہے گردنِ شہ مملکتِ حسن میں سردار
منھ جس پہ سدا ملتے رہے احمدِ مختار
اُس گردنِ نازک پہ چلا خنجرِ خونخوار
مقطع اسے سمجھے تھے کہ جو مطلعِ انوار
کیا اُس کے مقابل ہو بھلا طور کا شعلہ
وہ آگ کا شعلہ تھا یہ ہے نور کا شعلہ

آئینۂ مہتاب سے روشن ہے وہ سینہ
پر داغوں سے اولادوں کے گلشن ہے وہ سینہ
حق کے گہرِ راز کا معدن ہے وہ سینہ
قرآں کی طرح علم کا مخزن ہے وہ سینہ
رکھ لیتے ہیں سب سر پہ یہ مصحف کا ادب ہے
واں پاؤں رکھے شمر قیامت ہے غضب ہے

آئینے سے بھی صاف تنِ شاہِ زمن ہے
ماہیِ شکم ناف نہیں عکسِ ذقن ہے
خوشبو میں یہ از نافۂ آہوئے ختن ہے
اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
سر دینے کو میدانِ شہادت میں چلے ہیں
منھ فوج ملک نے انھیں قدموں پہ ملے ہیں

ناگاہ بجا طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
گرجا جو دہل گونج گیا گنبدِ دوّار
دس سو جو علمہائے سیہ کھل گئے یکبار
دن ہوگیا آنکھوں میں لعینوں کے شبِ تار
تلواروں سے واں برق بھی شرمائی ہوئی ہے
اُڑنے سے پھریروں کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

حضرت نے نظر کی جو سوئے قومِ ستمگر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہِ صفدر
دُنیا میں بدوں کو نہیں کچھ نیک کی خاطر
جوڑے ہوئے تیروں کو ہیں چلّوں میں کماندار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجرِ خونخوار
دستِ ستم و جور بڑھائیں گے کہاں تک

دم کر کے دعا سینے پہ اور طیش میں آکر
سب لڑنے جو آئے ہو اکیلا مجھے پاکر
تنہا ہوں مگر فوج کی کثرت پہ نہ پھولو
مجبور نہ سمجھو مجھے ای فرقۂ ناری
ہو جائے اشارے میں فنا فوج یہ ساری
کوسوں تلک اس بن میں کٹے سر نظر آئیں

کہدوں کہ سرک یاں سے تو دریا ابھی ہٹ جائے
یوں رعد بھی کڑکے کہ جگر شیر کا پھٹ جائے
برباد یہ سب خرمنِ ہستی نظر آئے
اُف کر دوں تو سب فوج کے نیزے ابھی جلجائیں
تلواریں تڑپ کر ابھی قبضوں سے نکل جائیں
پرواز کریں تیر پرندوں کی طرح سے

گھوڑا مرا ان گھوڑوں سے کرتے جو اشارے
نازاں ہو کہ راحت سے ہیں دریا کے کنارے
جلنے سے کلیجوں کو نہ راحت کوئی دم ہو
دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہ دریا ہے کہ لشکر
اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر

اک سینے کی خاطر یہ تردد تو ہے بے کار
پامالی تو ایک جسم کی اور اس قدر اسوار
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائیں گے یہاں تک
نعرہ کیا حضرت نے یہ گھوڑے کو بڑھا کر
دیکھوں تو بچا کون مری ضرب اُٹھا کر
مجھ سے نہ بر آؤ گے شجاعت پہ نہ پھولو

ہر چیز پہ عالم میں مرا حکم ہے جاری
چل جائیں تمھیں پر ابھی تلواریں تمھاری
خنجر جو کمر میں ہیں گلوں پر نظر آئیں
دوں حکم ہوا کو تو ابھی خاک سے پٹ جائے
یوں زلزلہ آئے کہ زمیں رن کی اُلٹ جائے
باراں کی طرح آگ برستی نظر آئے

پھل برچھیوں کے شمع کے مانند پگھل جائیں
اور تم کو نیام اژدہے بن بن کے نگل جائیں
پھنس جاؤ کمانوں میں کمندوں کی طرح سے
زینوں سے گرا دیں ابھی رہوار تمھارے
میں چاہوں تو مر جاؤ وہیں پیاس کے مارے
دریا کو بھی پی لو تو کبھی پیاس نہ کم ہو

سینہ مرا اسرارِ امامت سے بھرا ہے دل خالقِ اکبر کی محبت سے بھرا ہے
دامن مرا ایمان کی دولت سے بھرا ہے ہر عضوِ بدن زورِ شجاعت سے بھرا ہے
خاموش ہوں خاطر سے رسولِ عربی کی ہاتھ اس لیئے روکا ہے کہ امت ہے نبی کی
بابا ہے مرا شیرِ خدا ایسا شہ عادل دو ہو گئے تلوار سے جس کی حق و باطل
ہوتا نہ اگر صبر تو تھی دشمنی مشکل تم ظلم میں یکتا ہو تو ہیں صبر میں کامل
ہوتا نہ اگر صبر تو کچھ کام نہ ہوتا مظلوم زمانے میں مرا نام نہ ہوتا
آئے تھے ابھی میری مدد کو ملک و جن یاں عرض نہ مقبول ہوئی ایک کی لیکن
لے کس کا وہ احسان جو ہو خلق کا محسن دنیا میں بہت جی چکے مرنا بھی ہے اک دن
سمجھا کہ یہ سامان نہ مرے حق میں یوں ہو اک جان بچے اور کئی لاکھ کا خوں ہو
آئی یہ ندا چرخ سے اے شیر ہمارے بگڑے ہوئے جو کام تھے سب تم نے سنوارے
معشوق کے عاشق ہی سمجھتے ہیں اشارے پیارا جو ہمیں تو ہے تو ہم ہیں تجھے پیارے
ہمت ہو تو ایسی ہو مروت ہو تو ایسی بندہ ہو تو ایسا ہو جو طاعت ہو تو ایسی
ہم حکم تجھے دیتے ہیں یاں تیغ علم کر اور آیۂ نصرت کو دمِ تیغ پہ دم کر
لاکھوں سے لڑائی ہے ذرا رحم کو کم کر نیزہ کو علم کر سرِ اعدا کو قلم کر
جب تک کہ جہاں خلق سے آباد رہے گا یہ معرکہ بھی حشر تلک یاد رہے گا
یہ سنتے ہی شہ نے سرِ تسلیم جھکایا کی عرض کہ جو حکم ترا بارِ خدایا
تلوار جو کھینچی تو ہلا عرش کا پایا قدسی یہ پکارے غضب آیا غضب آیا
کاٹا ہے اسی نے پرِ جبرئیل امیں کو اللہ بچائے کمر گاوِ زمیں کو
چمکی جو علم ہو کے وہ شمشیرِ شرر بار اک برق سی آئینہ گردوں کے ہوئی پار
دریا میں تلاطم ہوا لرزاں ہوئے کہسار مچھلی گئی پانی میں تو دریا میں گرے مار
دہشت سے ہرن شیر کے مسکن میں چھپا تھا شہباز کبوتر کے نشیمن میں چھپا تھا

شیروں کو نیستاں سے نکلنے ہی بن آئی روباہوں نے چھپنے کی جگہ شیر کی پائی
جان اپنی درندوں نے فقط تھی نہ بچائی دیتے تھے پرندے بھی سلیماں کی دوہائی
پرواز کے مشتاق تھے پر بھول گئے تھے ہوش اڑ گئے تھے خوف سے گھر بھول گئے تھے

تھی فوج مخالف میں عجب طرح کی ہلچل ایک ایک سے کہتا تھا کہ لشکر سے نکل چل
آفت ہے یہ پیاری ہے اگر جان تو ٹل چل نادان ٹھہرنے کا نہیں ہے یہ محل چل
بجلی ہے یہ بجلی ہے جلا دینے کی خو ہے اک ضربتِ شمشیر ہے پھر میں ہوں نہ تو ہے

حملہ جو کیا شاہ نے لشکر ہوا ابتر رخ پھر گئے جب تاب ٹھہرنے کی کہاں پھر
بالائے زمیں تیغ سے کٹ کٹ کے گرے سر اک چشم زدن میں صفِ اول ہوئی آخر
یوں چل گئی اجسامِ مخالف کے وسط پر پھر جاتا ہے جس طرح قلم حرفِ غلط پر

اس صف سے جو نکلی نظر آئی صفِ ثانی اس میں بھی در آیا اسد اللہ کا جانی
اب دم شمشیر کی دیکھی جو روانی دہشت سے لعینوں کے جگر ہو گئے پانی
کٹ کٹ کے ابھی سر نہ گرے تھے بدنوں سے روحوں نے کنارا کیا پہلے ہی تنوں سے

افراط سے کشتوں کی لگا موت کا دربار غل تھا کہ عبث آئے تھے ہم چھوڑ کے گھر بار
بجلی سے بھی بالا ہے یہ شمشیر شرربار افلاک سے اک بار وہ گرتی ہے یہ ہر بار
قبضے میں اسی کے ہے جو کچھ کارِ اجل ہے دستِ ملک الموت ہے یا تیغ کا پھل ہے

وہ تیغ تھی کس گھاٹ کے پانی سے بجھائی اک موج تھی دریائے فنا کی جدھر آئی
دیکھے نہ یہ جوہر نہ یہ تیزی نہ صفائی کٹ جائے اگر منہ پہ چڑھے ساری خدائی
پہونچے نہ کبھی سیلِ فنا گھاٹ کو اس کے جبریل کے پر جانتے ہیں کاٹ کو اس کے

برہم جو صفیں ہو گئیں اک جا ہوئے اظلم اس تیغ نے واں بھی انھیں لینے نہ دیا دم
ہر سمت تھی عجب اور عجب طرح کا دم خم ہر شخص پہ بجلی کی طرح گرتی تھی پیہم
کیا جانے وہ پھل کون سے لوہے سے بنا تھا چلنے میں ہوا لگ گئی جس کے وہ فنا تھا

بے جاں تھا جو بڑھتے تھے قدم رن پہ کسی کے
لگتے ہی اڑا دیتی تھی سر تن سے کسی کے
ڈوکر کے نکل جاتی تھی توسن سے کسی کے
رکتی تھی نہ بکتر سے نہ جوشن سے کسی کے
چار آئنہ والے بھی تہِ تیغِ دودم تھے
ہر ہاتھ میں دستانے بھی یکدست قلم تھے

خوں میں صفِ دشمن کو ڈباتی ہوئی آئی
اعدا کو جھپک اپنی دکھاتی ہوئی آئی
شعلے کی طرح سب کو جلاتی ہوئی آئی
ہستی کے چراغوں کو بجھاتی ہوئی آئی
ہر سو دمِ اژدر کی طرح شعلہ فشاں تھی
مقراضِ اجل تھی کہ وہ تیغِ دو زباں تھی

اِک دم میں سواروں کے رسالوں کو بھی کاٹا
مانندِ قلم برچھیوں والوں کو بھی کاٹا
لشکر کے نشانوں کو بھی بھالوں کو بھی کاٹا
تلواریں بھی اڑی ہوئیں ڈھالوں کو بھی کاٹا
یارا نہ ٹھہرنے کا سمندوں میں رہا تھا
ثابت کوئی حلقہ نہ کمندوں میں رہا تھا

رہوار تھا تلوار سے چلنے میں یہ کچھ تیز
شمشیر جو بجلی تھی تو آندھی تھا وہ شبدیز
تھے حور کے گیسو کی طرح بال دل آویز
واقف ہی نہ تھا وہ کہ کسے کہتے ہیں مہمیز
عالم پرِ پرواز کا تھا دامنِ زیں پر
دریا پہ وہ تھا موج تو بجلی تھا زمیں پر

صرصر تھا کبھی گاہ نسیمِ سحری تھا
طاؤس فلک سیر دمِ جلوہ گری تھا
بن بن کے اُٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا
کاوے میں جو پر کا تو اُڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اُس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاہ کشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن
سُم بدر سے اور نعل مہِ نو سے بھی روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر سی چتون
ٹاپ اُس کی طمانچہ تھا اجل کا پئے دشمن
مستِ مئے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

جب بیس ہزار اہلِ شقاوت ہوئے بیدم
غل پڑ گیا فریاد ہے یا سیدِ عالم
حضرت کا غضب بھی غضبِ حق سے نہیں کم
احمد کی قسم لو جو کبھی تم سے لڑیں ہم
اب رحم کرو تیغِ شرربار کو روکو
پامال ہوئے جاتے ہیں رہوار کو روکو

ہر ہم شہِ والا کی جو تھی خاطرِ اقدس
شعلہ تھی وہ تیغِ دو زباں اہلِ ستم خس
نزدیک تھا ہل کے گرے چرخِ مقرنس
آئی یہ صدا عالمِ بالا سے کہ بس بس
ہے وقت شہادت کا شجاعت کا نہیں ہے
اب ہم بھی سمجھ لیں گے قیامت بھی قریں ہے

ہاں دی تھی ہمیں نے تجھے لڑنے کی اجازت
اب صبر دکھا اے پسرِ شاہِ ولایت
سب ہے ترے قبضے میں مرے ہاتھ کی طاقت
منظور تجھی کو ہے کہ اُمت نہ ہو غارت
غم میں ترے رو رو کے جو فریاد کریں گے
ہم بھی ترے شیعوں کو بہت یاد کریں گے

اللہ رے تسلیم و رضائے شہِ ابرار
آئی ادھر آواز اُدھر رُک گئی تلوار
گھوڑے سے اُتر کر یہ پکارے بدلِ زار
خولی ہے کدھر اور کہاں شمر ستمگار
اس حلق پہ منہ احمدِ مرسل نے ملا ہے
عرصہ نہ کریں ذبح میں حاضر یہ گلا ہے

ہے شوق کہ جاں اب رہِ معبود میں واریں
رگ رگ پہ مری پھیر دیں تلوار کی دھاریں
لو تیغ نہیں ہاتھ میں نیزے مجھے ماریں
چھاتی پہ چڑھیں سر کو بدن پر سے اُتاریں
میرا بھی اور اُمت کا بھی مطلب نکل آئے
جلدی کریں ایسا نہ ہو زینب نکل آئے

یہ سُنتے ہی بھاگے ہوئے پھر آئے جفاجو
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
تیغوں سے کٹے ابنِ یداللہ کے بازو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیرِ سہ پہلو
سب خوں سے محمد کی قبا لال ہوئی تھی
چھاتی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

جب ایک ہزار اور کئی سو زخم اُٹھائے
غش میں کئی ساعت رہے گردن کو جھکائے
چلّائی یہ زینب جو لعیں ذبح کو آئے
ہے ہے مرے ماں جائے کو اب کون بچائے
روتی تھی سکینہ پہ نہ جا سکتے تھے حضرت
ہر زخم میں خیمے کی طرف تکتے تھے حضرت

تیروں سے جو مجروح ہوا چاند سا سینہ
فرماتے تھے افسوس صد افسوس سکینہ
نزدیک اجل ہم سے ہے اور دور مدینہ
صغرا سے بھی ملنے کا نہیں کوئی قرینہ
واں تو وہ مسافر ہے یہاں اپنا سفر ہے
شبیر کے احوال کی کیا اُس کو خبر ہے

تھے غش میں شہِ دیں کہ گئی فرق پہ تلوار
تیورا کے سوئے قبلہ جھکے خاک پہ اک بار
رکھنے جو لگا حلق پہ خنجر کو ستمگار
ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکارے شہِ ابرار
حل کر اسے یارب کہ یہ مشکل کی گھڑی ہے
فریاد کو مادر مری سر ننگے کھڑی ہے

یا حیدرِ کرار مدد کا ہے یہ ہنگام
آپ آتے ہیں مشکل میں غریبوں کے بہت کام
قاتل جو گلا کاٹے تو تھرائے نہ اندام
سر صبر سے کٹوا کے کروں خاک پہ آرام
خنجر کے تلے حال نہ کچھ غیر ہو میرا
کیجیے یہ دُعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

قاتل جو مرے حلق پہ خنجر کو پھرائے
جز شکرِ خدا لب پہ کوئی حرف نہ آئے
یہ جانِ حزیں رنج اُٹھائے تو اُٹھائے
دولت نہ شہادت کی مگر ہاتھ سے جائے
اس رنج اُٹھانے کا صلہ پا کے مروں میں
خالق سے گنہگاروں کو بخشا کے مروں میں

مقبول ہوئی شہ کی دُعا چل گیا خنجر
اِک پھول کے مانند بدن پر سے کٹا سر
کونین میں اُس دن سے بپا ہو گیا محشر
تازہ ہے انیس آج تلک ماتمِ سرور
روئی کسے یوں خلق بتائے کوئی ہم کو
ہر سال اگر ہے تو ترقی اسی غم کو

رُباعی

عریاں سر خاتونِ زمن ہے اب تک
ناموس پہ ایذا و محن ہے اب تک
چہلم کے ہیں دن خاک اُڑا دو یارو
شبیر کی لاش بے کفن ہے اب تک

ایضاً

خیمہ لبِ نہر شہ کو کرنے نہ دیا
پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا
پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے
دریا پہ مسافر کو اُترنے نہ دیا

مرثیہ (۱۶)

جب رن میں حسین اصغرِ بے شیر کو لائے
لختِ جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے
جلادوں میں اُس صاحبِ توقیر کو لائے
ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اُٹھایا ہے قمر کو

معصوم کے رُخ پر ہے عجب حُسن عجب نور
آئینۂ افلاک تجلّی سے ہے معمور
اسپند ہے اس رُخ کے لیے خالِ رخِ حور
موسیٰ کے کفِ دست پہ ہے شمعِ سرِ طور
کیا صاحبِ اعجاز امامِ دوجہاں ہے
نورِ یدِ بیضا یہ سرِ دست عیاں ہے

حسنِ رُخِ اصغر سے خجل نیّرِ اکبر
خورشید تو ذرّہ ہے ستارہ مہِ انور
گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر
ہیں صانعِ قدرت نے جڑے چاند پہ اختر
بالوں کے تلے لوحِ جبیں نور فشاں ہے
ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے

ابرو کو دیا ہے یدِ قدرت نے عجب خم
بس دو مہِ نو صاف نظر آتے ہیں باہم
ہے نرگسی آنکھوں کا نقاہت سے یہ عالم
دُشوار ہے پلکوں کا جھپکنا جنھیں ہر دم
ہے خواب بھی اس چشمِ گہربار کو بھاری
جس طرح سے شب ہوتی ہے بیمار کو بھاری

آئینۂ مہ میں یہ کہاں جلوہ نمائی
روشن ہوا دل جس کو وہ صورت نظر آئی
دو دن سے جو اک بوند نہیں پانی کی پائی
زردی سی ہوا ان پھول سے رخساروں پہ چھائی
شہ روکتے ہیں دھوپ کو دامانِ عبا سے
ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن گرم ہوا سے

روشن وہ گلا شمعِ تجلی کی ہے تصویر
سو اُس پہ لگے تیر یہ قسمت کی ہے تحریر
دو روز سے پانی نہ مقدر میں ہے نہ شیر
اور کنٹھ جو بیٹھا ہے تو ہے موت گلوگیر
اب دودھ بھی اور طوق بھی منت کا بڑھے گا
فریاد ہے نیزے پہ یہ سر کٹ کے چڑھے گا

کیا دوش و بر و ساعد و بازو کا کہوں طول
سب نور کے سانچے میں ڈھلے ہیں جو کرو غور
ننھا سا وہ سینہ ہے کہ آئینۂ بلور
کس طرح اُٹھا ایسے پہ دستِ ستم و جور
اِن ہاتھوں پہ جو پنجتنی ہیں وہ فدا ہیں
گو مٹھیاں باندھے ہیں مگر عقدہ کشا ہیں

گو سن میں بہت کم ہیں پہ رتبہ ہے زیادہ
ہے موسمِ طفلی میں جوانوں کا ارادہ
کیوں ہو نہ اولوالعزم وہ عالم کا خوزادہ
زہراؑ سی تو دادی اسدؐ اللہ سا دادا
ہے عمر تو چھوٹی پہ بڑا کام کیا ہے
بے جنگ کیے خلق میں کیا نام کیا ہے

نازک ہے لبِ لعل جو برگِ گلِ تر سے
وہ پانی کو محتاج رہے دودھ کو ترسے
گہوارے میں دم توڑتے تھے چار پہر سے
لے آئے ہیں گھبرا کے شہِ دیں اُسے گھر سے
بچے کو اماں ظلم کے بانی نہیں دیتے
منہ کھولے ہے معصوم وہ پانی نہیں دیتے

وہ ننھے سے کرتے کے تلے چاند سا سینہ
جس میں نہ کدورت نہ حسد اور نہ کینہ
خوشبو میں بہ از عطر و گلاب اُس کا پسینہ
سینہ نہیں اک درِ نجف کا ہے نگینہ
اب خون میں وہ ڈوب کے یاقوت بنے گا
جس جھولے میں وہ پلتے ہیں تابوت بنے گا

اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اُس کا شہِ خوشخو
میداں میں تجلی ہے مہ و مہر کی ہر سو
جاری ہیں ہر اک صاحبِ اولاد کے آنسو
کھولے ہیں دہن مثلِ صدف اصغرِ مہ رو
پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیر
بچے کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیر

کچھ گھٹنیوں چلنے سے ابھی تک نہیں آگاہ
ہیں راہِ الٰہی میں مگر باپ کے ہمراہ
ہے عمر تو کوتاہ پہ ہمت نہیں کوتاہ
اِس سن میں عجب عزم ہے العظمۃ للہ
میدان میں مرنے کے لیے آئے ہیں گھر سے
پہلے ہی فردوس میں پہنچیں گے پدر سے

فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اے مرے پیارے
بتلاؤ مجھے کیا میں کہوں اہلِ جفا سے
گویا نہیں اس وقت زباں فرطِ حیا سے
کچھ میں نے جو مانگا ہے تو مانگا ہے خدا سے
بے پانی کے مانگے عرقِ شرم میں تر ہوں
مختار جو کوثر کا ہے میں اس کا پسر ہوں

مجھ پر تو ہے بچپن سے نوازش مرے رب کی
حاجت متعلق ہے مری ذات سے سب کی
منت کش ادنیٰ ہوں یہ جاگہ ہے عجب کی
ہیں نے تو کسی سے نہیں کچھ چیز طلب کی
ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے
اب صبر کرو نہر لبن دور نہیں ہے

مشکل ہیں مدد چاہتی ہے مجھ سے خدائی
ہر بند سے بندوں کو میں دیتا ہوں رہائی
شاہوں کے لیے فخر ہے اس در کی گدائی
جنات مرے نام کی دیتے ہیں دہائی
قرآن سے ظاہر ہیں شرف آل نبیؐ کے
احساں ہیں ملائک پہ حسین ابن علی کے

بخشے ابھی اللہ میں جس شے کا ہوں خواہاں
پانی کا جو لوں نام تو ہو بارش باراں
قطرے سے جو چاہوں تو اٹھے نوح کا طوفاں
پیدا ابھی اس خاک سے ہو چشمۂ حیواں
پر سب مجھے قدرت ہے پہ راضی برضا ہوں
مظلوم ہوں پیاسا ہوں غریب الغربا ہوں

چاہوں تو ابھی خاک ہوں جل جل کے یہ ناری
ظاہر کرے کوثر کو یہیں خالق باری
ہوں انگلیوں سے دودھ کی نہریں ابھی جاری
پر آج گوارا ہے مجھے پیاس تمہاری
بابا بھی رہ حق میں فدا تم بھی فدا ہو
ہم مرتے ہیں اس پر کہ رضامند خدا ہو

لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہے دشوار
دروازے پہ سر کھولے کھڑی ہے وہ دل افگار
میں نے بھی کیا ہے طلب آب کا اقرار
کرتا ہوں لعینوں سے تری پیاس کو اظہار
پر وہ نہیں دینے کے مرے دل کو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

یہ کہہ کے پکارا اسداللہ کا جانی
کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغر کی زبانی
اب اٹھ نہیں سکتی تعب تشنہ دہانی
کہتے ہیں کہ اک بوند پلا دو ہمیں پانی
سب خلق پہ احسان حسین ابن علی ہیں
تم لوگ مسلماں ہو تو ہم آل نبی ہیں

آئے ہیں وطن چھوڑ کے مہماں ہیں تمہارے
دو روز سے دم توڑتے ہیں پیاس کے مارے
ہم حیدر و زہرا و پیمبر کے ہیں پیارے
کام آئیں گے جب آؤ گے کوثر کے کنارے
دن آج تمہارا ہے تو کل ہوگا ہمارا
فردوس کی نہروں پہ عمل ہوگا ہمارا

اب چوکے تو بخشش کا کوئی طور نہیں ہے — کوثر پہ پہونچنے کی سبیل اور نہیں ہے
ہم پیاس سے مرتے ہیں تمھیں غور نہیں ہے — سوچو یہ مقام ستم و جور نہیں ہے
مسلم ہو طریق اسد اللہ پہ آؤ — بہکے ہوئے پھرتے ہو کدھر راہ پہ آؤ

جس دل میں نہیں نور محبت کا ہماری — قرآں سے ہے ثابت کہ وہ ناری ہے وہ ناری
بیکار ہے گو عمر عبادت میں گزاری — کچھ نفع نہ بخشے گی اُسے طاعت باری
عشق اسد اللہ کا داغ اُس میں نہیں ہے — بے نور ہے وہ گھر کہ چراغ اُس میں نہیں ہے

جو دوست ہمارے ہیں وہ ہوں گو کہ گنہگار — بخشائیں گے ہم اور اُنھیں بخشے گا غفار
پلے پہ علی ہوویں گے اور احمد مختار — ہو جائے گی میزان عمل آپ سبکبار
ہے دوستی آل اُنھیں روز ازل سے — پیارا ہے یہی ایک عمل لاکھ عمل سے

جو لوگ ہیں ثابت قدم الفت حیدر — بالائے صراط اُن کے نبی ہوویں گے رہبر
فرمائیں گی یہ فاطمہ اُن لوگوں سے آکر — لو تھام لو ہاتھوں سے مرا گوشۂ چادر
دم بھرتے رہے ہو سحر و شام علی کا — جب پاؤں کو لغزش ہو تو لو نام علی کا

تم لوگوں میں احمد نے امانت ہمیں چھوڑا — سو تم نے تو سر رشتۂ الفت ہی کو توڑا
قرآں سے بھی تم پھر گئے منھ ہم سے بھی موڑا — یہ بھی ہے بہت پانی اگر دو ہمیں تھوڑا
اولاد نبی قابل بیداد نہیں ہے — کیا آیۂ لا اسئلکم یاد نہیں ہے

ان پھول سے رخساروں کے کمھلانے کو دیکھو — گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو — غش آنے کو اور سانس اُلٹ جانے کو دیکھو
ناحق ہے عداوت انھیں نازوں کے پلے سے — پھر دوگے تو پانی بھی نہ اُترے گا گلے سے

سُنکر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے — خیر آنے نہ دینا ہمیں کوثر کے کنارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے — تم لوگوں کا حصّہ نہیں پانی میں ہمارے
ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی — بچّے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی

فرمانے لگے سبطِ نبی اشک بہا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغر کو لٹا کر
ہم پیاس بجھائیں گے تو کوثر ہی پہ جاکر
دریا سے تمھیں پانی پلادو اسے لا کر
اپنے لیئے سائل کبھی پانی کا نہ ہونگا
بچہ مرا بچ جائے میں پیاسا ہی رہونگا

وہ بولے کہ اکبر سے زیادہ نہیں اصغر
گو چھوٹے بڑے ہیں پہ ہیں اک بحر کے گوہر
شہ نے کہا رتبے میں تو دونوں ہیں برابر
وہ برجِ شرافت کا قمر ہی تو یہ اختر
اس کو جو کلیجہ تو مرا دل اسے سمجھو
قرآں اسے سمجھو تو حمائل اسے سمجھو

بڑھ کر بن کاہل نے کہا اے شہِ والا
دکھلاؤ تو اصغر کا مجھے چاند سا سہرا
اکبر کو تو دیکھا ہے میں نے نہیں دیکھا
سنتا ہوں کہ ہم صورتِ حیدر ہی یہ بچا
حاصل ہوئی اکبر سے پیمبر کی زیارت
باقی ہے مگر حیدرِ صفدر کی زیارت

شبیر نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اٹھایا
خم ہو کے اسے مثل کماں شہ نے بچایا
چلے سے کماندار نے واں تیر ملایا
مانندِ اجل ناوکِ ظلم و ستم آیا
شبیر چھپاتے رہے نازوں کے پلے کو
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو

حلقہ تو وہ دو ٹانک کا اور تیرِ سہ پہلو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو
دل سہم گیا چونک پڑے اصغرِ مہرو
منھ کھل گیا تھرانے لگے ننھے سے بازو
گلرنگ ہوا طوقِ گلو خون میں بھر کر
ریتی پہ گرے گر پڑے ہاتھوں سے اتر کر

فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا
دم آ کے رکا حلق میں اس تشنہ گلو کا
سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
خوں منھ سے اگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے

مچھلی سا جو ہاتھوں پہ تڑپتا تھا وہ بے شیر
جب خوں نہ ہوا بند گلے سے کسی تدبیر
بیتاب تھے بچے کو لیئے حضرتِ شبیر
چلو سے لگے پھینکنے سوئے فلکِ پیر
اس خوں کو ملک لے گئے افلاک کے اوپر
لکھا ہے کہ قطرہ نہ گرا خاک کے اوپر

قطرہ اگر اس خون کا گرتا بسرِ خاک   دانہ کبھی اگتا نہ زمیں پر تہِ افلاک
ہو جاتی گرفتارِ بلا امتِ سفّاک   اللہ رے صبرِ پسرِ سیدِ لولاک
فرماتے تھے راضی ہوں میں جو مجھ پہ غضب ہو   نازل مگر امت پہ نہ خالق کا غضب ہو

جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا   دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
چلّا کے عجب درد سے رونے شہِ والا   نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا
غل تھا کہ اب امت کا نگہبان علی ہے   فریاد کو زہرا طرفِ عرش چلی ہے

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے   ای بارِ خدا خلق سے اصغر بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے   کچھ اور پئے نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ہی پسرِ صاحبِ معراج کا ہدیہ   مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

گردوں سے صدا آئی کہ ای فخرِ خلایق   رتبہ ہے ترا صبر میں ایوب سے فایق
تھا تیرے سوا کوئی نہ اس کام کے لائق   ہے شوق ہمارا تجھے ہم ہیں ترے شایق
باقی فقط اک مرحلۂ خنجرِ کیں ہے   اب وصل کا معشوق کے ہنگام قریں ہے

سن کر یہ صدا گردنِ تسلیم جھکائی   تلوار سے کھودی لحد اور لاش لٹائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی   تعویذ پہ منہ رکھ دیا رقّت بہت آئی
چلاتے کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغرؑ   ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغر

فرمایا کہ ای خاک امانت سے خبردار   بانوئے دل افگار کی دولت سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ ولایت سے خبردار   اس بندۂ بیکس کی بضاعت سے خبردار
یہ گوہرِ نایاب ہے پاکیزہ صدف کا   سونپا ہے تجھے ہیں نے نگیں دُرِ نجف کا

فرما کے یہ گھوڑے پہ چڑھے سبطِ پیمبر   رو کر کہا اب خیمے میں جانا نہیں بہتر
کیا جا کے سناؤں خبرِ رحلتِ اصغر   پڑھتے رجز آئے صفِ اعدا کی برابر
سرخ آنکھیں تھیں اور ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے   کپڑے تنِ پرنور کے سب خوں سے بھرے تھے

افروختہ تھا صورتِ گل چہرۂ روشن / چار آئینہ میں عکس سے پھولا ہوا گلشن
مغفر تو سرِ پاک پہ اور جسم میں جوشن / گرداتے ہوئے جامۂ پرنور کا دامن
کرتا تنِ اطہر میں رسولِ عربی کا / زیبِ کمرِ پاک کمربند علیؑ کا

اُس دن تھا عمامہ سرِ اقدس پہ گلابی / تھا رتبے میں قرآں سے نہ کم لوئے کتابی
تفسیر تھا وہ حاشیۂ ریشِ خضابی / پر تین شب و روز سے تھی بیخور و خوابی
کہتے تھے ملک دین کے سرتاج کو دیکھو / شانِ پسرِ صاحبِ معراج کو دیکھو

اُڑتے تھے ہوا سے جو وہ گیسوئے معنبر / سارا وہ بیاباں تھا کئی کوس معطر
عالم کی ضیا بخش تھی پیشانیِ انور / ہم رتبۂ لوحِ ورقِ مصحفِ اکبر
سجدے کی جگہ پر جو ستارا سا عیاں تھا / وہ احمدِ مختار کے بوسے کا نشاں تھا

ابرو تھے کلیدِ درِ گنجینۂ اسرار / بالیدہ و سنجیدہ و پیوستہ و خمدار
اُس چشم پہ آنکھوں سے فدا ہیں اولوالابصار / گر خواب میں دیکھے تو زہے طالعِ بیدار
ابرو سا جہاں میں نہ کسی قوس کو دیکھا / دیکھا جو اُسے نرگسِ فردوس کو دیکھا

مژگانِ سیہ سبزۂ گردِ لبِ کوثر / اشکوں سے سدا خوفِ الٰہی میں رہی تر
اور شمعِ سرِ طور کی لو بینیِ انور / سوکھے ہوئے لبِ لعلِ بدخشاں سے تھے بہتر
دندانِ مبارک کو نہ کہیے کہ گہر ہیں / ہیرے کے نگینے ہیں کہ یاقوت کے گھر ہیں

کیا سینۂ و گردن کے کروں حسن کو تحریر / وہ شمعِ تجلی ہے تو یہ نور کی تصویر
سو اس پہ تو شمشیر چلی اس پہ چلے تیر / تیغ ایک پہ اور ایک پہ تھا ناوکِ بے پیر
تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی تن میں / سر کھولے ہوئے فاطمہؑ چلاتی تھی بن میں

شانوں کا وہ نور اور وہ بازو کی صفائی / کم زور تھے جس وقت سے مارا گیا بھائی
جن ہاتھوں نے سب خلق کی عقدہ کشائی / فریاد ہے جمال نے کاٹی وہ کلائی
اِک ظالمِ بے رحم نے یہ ظلم کیا تھا / اُنگلی کو انگوٹھی کے لیے کاٹ لیا تھا

اُن قدموں کا ہمسر کوئی دنیا میں نہیں ہے
کیا مرحلۂ عشقِ الٰہی کو کیا طے
حاصل تھی نہ اسبابِ تعلق سے کوئی شے
ہر آن ہے رونقِ اسلام کے درپے
بتلا گئے وہ راہِ رضا سب کو جہاں میں
پیرو ہیں جو اُن کے وہی پہنچیں گے جناں میں

لاکھوں سے لڑائی تھی پہ میلے نہ تھے تیور
جب شیر سے بڑھتے تھے تو ہٹتے تھے ستمگر
بجلی سا تہِ ران فرسِ خاصِ پیمبرؐ
حمزہؓ کی سپر تیغِ علیؑ نیزۂ جعفرؓ
غل تھا شہِ ابرار کے کاندھے پہ کماں ہے
یا شمسِ فلک قوس کے پہلو میں عیاں ہے

دن ڈھلتا تھا اور ہوتی تھی اعدا کی چڑھائی
تھی شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
ہمراہ کوئی دوست نہ فرزند نہ بھائی
تنہائی اِدھر اور اُدھر ساری خدائی
سر کاٹ لیں تھے واں کے سوار ان تگ و دو میں
یاں گھوڑے پہ تھے آپ شہادت تھی جلو میں

تھی دہنی طرف فاطمہ بکھرائے ہوئے بال
کہتی تھی میں صدقے تری غربت کے مرے لال
قربان گئی زخم کا بازو کے ہے کیا حال
گھوڑے سے جھکو تم تو یہاں باندھ دے رومال
ہے ایک تو صدمہ تمہیں تشنہ دہنی کا
اس زخم پہ پھر قصد ہے شمشیر زنی کا

فرماتے تھے یہ شیرِ خدا با دلِ غمناک
روحی بفداک اے پسرِ سیدِ لولاک
گرتے تھے کبھی فرطِ بکا سے بسرِ خاک
اُٹھتے تھے کبھی تھام کے رہوار کی فتراک
روتے تھے ملک گریۂ محبوبِ خدا سے
ہلتی تھی زمیں ہائے حسینا کی صدا سے

تھے سارے نبی احمدِ مرسل کو سنبھالے
اور نوح کی گردن میں وہ تھے ہاتھوں کو ڈالے
چلّاتے تھے ہے ہے مری آغوش کے پالے
صدقے ترے اے میری زباں چوسنے والے
اُمت کے لیے برچھیاں کھانے کو چلے ہو
دوزخ سے محبوں کے بچانے کو چلے ہو

جنات میں تھا سیدِ کونین کا ماتم
سب کہتے تھے موجود ہیں لٹنے کے لیے ہم
ڈر تھا کہ نہ دنیا ہو کہیں درہم و برہم
ہلتی تھی زمیں کانپتا تھا عرشِ معظم
مشتاق تھے سب جنگِ شہِ جن و ملک کے
کھولا تھا فرشتوں نے دریچوں کو فلک کے

ناگاہ ادھر چوب لگی طبلِ وغا پر
اور پڑنے لگے تیر امامِ دوسرا پر
طاری ہوا غصہ پسرِ شیرِ خدا پر
تلوار علم کر کے چلے اہلِ جفا پر
فرمایا کہ ہاں پہلے کدھر کھیت پڑے گا
لڑنے کو سب آتے ہو کہ ایک ایک لڑے گا

وہ بولے کہ یوں آپ سے سر بر کوئی کب ہے
فرمایا کہ معلوم ہوا ننگِ عرب ہو
کچھ غم نہیں تم ایک مرے سامنے سب ہو
کیا ڈر اُسے خود جس کو شہادت کی طلب ہو
لڑتا نہ کبھی تم کو اگر نیک سمجھتا
ہیں لاکھ کو اور ایک کو ہوں ایک سمجھتا

جوہر ہے جوانمردوں کا تلوار سے مرنا
جو گزرے سو گزرے کہ جہاں سے ہے گزرنا
ہے ننگ شجاعوں کے لیے موت سے ڈرنا
خلعت ہے شہادت کا ہمیں خون میں بھرنا
تلواریں لگیں نخلِ شہادت کے یہ پھل ہیں
مرنے پہ وہ مرتے ہیں جو مشتاقِ اجل ہیں

بلوہ یہ زیادہ نہیں صفین و جمل سے
ہاں ہے یہ نئی بات کہ پیاسا ہوں میں کل سے
تنہا ہی لڑے شیرِ خدا فوج کے دل سے
پھولا گلِ اسلام اِسی تیغ کے پھل سے
سب مل کے لڑو مجھ سے رضامند ہوں میں بھی
اے قوم اُسی شیر کا فرزند ہوں میں بھی

فرما کے یہ چمکائی جو تیغ شہِ مرداں
کفار پکارے کہ گری برقِ درخشاں
رہوار کو رانوں میں دبا کر جو کہا ہاں
ہاں منہ سے نہ نکلی تھی کہ یاں سے وہ گیا واں
پیوست جو تھے تیر وہ باہر نکل آئے
معلوم ہوا پہلوؤں سے پر نکل آئے

اُس کے لیے اِک گام تھا سو کوس کا دھاوا
تھنوں کو چباتا تھا یہ جوہر تھا علاوہ
اُڑنا کبھی مڑنا کبھی جست اور کبھی کاوا
کہتے تھے ستمگر یہ پری ہے کہ چھلاوا
کس گھات سے روکیں فرسِ تیز قدم کو
سایہ بھی تو اس کا نظر آتا نہیں ہم کو

غصے میں وہ تن تن کے دہانے کو چباتا
اور جوشِ شجاعت میں وہ کف منہ سے گراتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا
تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے تھلکتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اس صف میں جو بجلی تھا تو اس صف میں ہوا تھا

لڑتے تھے حسین ابن علی فوج ستم سے — سرگرم رہے تھے ضربت شمشیر دودم سے
ہر غول میں پھرتی تھی وہ کس کس چم و خم سے — پامال بدن ہوتے تھے گھوڑے کے قدم سے
رہوار نے واں خون کا چھڑکاؤ کیا تھا — تلوار نے سب فوج کا ستھراؤ کیا تھا

بجلی سی ہر اک صف میں چمکتی ہوئی آئی — شعلے کی طرح گاہ لپکتی ہوئی آئی
آئی وہ جدھر خوں میں ٹپکتی ہوئی آئی — واں چمکی تو یاں آگ بھڑکتی ہوئی آئی
اسواروں کو اُس برق کے واروں نے جلایا — شعلوں سے جو بھاگے تو شراروں نے جلایا

غل فوج میں تھا آج تو ہے آگ برستی — فریاد ہے اب خاک ہوا خرمن ہستی
کوفے کو لگی آگ جلی شام کی بستی — بس اب کوئی دم میں نہ بلندی ہے نہ پستی
یہ برق غضب کم نہیں کچھ قہر خدا سے — چنگاریاں آتش کی نکلتی ہیں ہوا سے

بجلی کی طرح لشکر سفّاک پہ چمکی — بے جاں ہوا جس کے سر ناپاک پہ چمکی
جب ہاتھ اُٹھا طارم افلاک پہ چمکی — چمکی کبھی گردوں پہ کبھی خاک پہ چمکی
ساتوں طبق ارض دہل جاتے تھے اُس سے — سکان سماوات بھی تھراتے تھے اُس سے

وار اُس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پہ — چمکی تو چھری چل گئی دشمن کے جگر پہ
گہہ فرق پہ گہہ سینے پہ اور گاہ کمر پہ — بس قطع یہ جامہ تھا اُسی تیغ دوسر پہ
جس پہ گئی بے دو کیے پھرتے نہیں دیکھا — بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا

ہر ضرب میں چو رنگ تھے سو سو ستم ایجاد — کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفر فولاد
چار آئینہ میں بھی نہ رہے امن سے جلاد — تھی سیل فنا خانۂ تن کر دیئے برباد
ضرب اُس کی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں — اُتری جو زرہ کٹ کے پھنسے دم اجل میں

تیروں سے قلم ہو کے جو گرتی تھیں سنانیں — رہ جاتے تھے سب داب کے دانتوں میں زبانیں
ثابت نہ رہے تیر نہ ترکش نہ کمانیں — جانے لگیں دوزخ کو جفاکاروں کی جانیں
ناوک جو ستم گاروں نے ترکش میں دھرے تھے — تیروں سے وہ خالی تھے مگر خوں سے بھرے تھے

شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی　　اک ہاتھ مع سر کے نہ دیتا تھا دکھائی
سیدھی جو پڑی سر پہ تو اللہ رے صفائی　　بس ہو گئی دشمن کے سر و تن میں جدائی
کھینچا اُسے دو کر کے جو شمشیرِ دو سر کو　　گھوڑے سے گرے ادھر نصف گرا نصف ادھر کو

نعرہ تھا لعینوں کا اُس کو بتاؤ　　ہاں اصغرِ معصوم کے قاتل کو بتاؤ
مرتد کو جفاکار کو جاہل کو بتاؤ　　ظالم کا نشاں سرورِ بیدل کو بتاؤ
کچھ سوچ کے اُس وقت اُسے چھوڑ دیا تھا　　اُس نے تو کلیجے کو مرے توڑ دیا تھا

تھرّاتے تھے سُن سُن کے یہ نعرے ستم آرا　　تھا ایک کو دہشت سے نکلنے کا نہ یارا
پھر فوج میں ڈوبا اسداللہ کا پیارا　　اس وقت یہ شمرِ ستم ایجاد پکارا
حضرت کو تو یاں قاتلِ اصغر کی طلب ہے　　واں بی بیاں خیمے سے نکل آئیں غضب ہے

مڑ کر شہِ والا نے جو دیکھا تو یہ دیکھا　　اک حشر مزارِ علی اصغر پہ ہے برپا
سر کھولے ہوئے پیٹتی ہے دُخترِ زہرا　　کہتی ہے سکینہ مرے بھیا مرے بھیا
بانوئے حزیں چاک گریباں کیے ہے　　چھاتی کے تلے ننھی سی تربت کو لیے ہے

چلاتی ہے اصغر مجھے آواز سناؤ　　تربت میں اندھیرا ہے مری گود میں آؤ
قربان گئی ننھے سے ہاتھوں کو اُٹھاؤ　　مر جائے گی ماں خاک سے منہ کو نہ چھپاؤ
تھا میں نے تو سبطِ شہِ لولاک کو سونپا　　شبیر نے ہاں لا کے تمہیں خاک کو سونپا

یہ حال جو دیکھا تو پکارے شہِ دلگیر　　قاتل ہے کہاں پھیرتے اب حلق پہ شمشیر
یہ سُنتے ہی سب ٹوٹ پڑا لشکرِ بے پیر　　سینے پہ لگے تیغ و سنان و تبر و تیر
ٹکڑے ہوا ہر عضوِ بدن تیغوں سے کٹ کر　　غش ہو گئے رہوار کی گردن سے لپٹ کر

خاتونِ قیامت کی صدا دشت سے آئی　　گرتا ہے مرا لال محمد کی دُہائی
چلاتی یہ زینب کہ سفر کرتے ہیں بھائی　　اب کیا کروں ہے ہے مری اماں کی کمائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی　　ہے ہے مرے سید کو بچاتا نہیں کوئی

وان نالۂ زہرا سے فلک تھا تہ و بالا　　یاں پہلوئے سرور پہ لگا ظلم کا بھالا
ہلنے لگا جو عرش فرشتوں نے سنبھالا　　چلاتی تھی وہ ہائے مری گود کا پالا
حیدر کے تو نالے گئے افلاک کے اوپر　　اور تاج سر عرش گرا خاک کے اوپر

غلطاں جو لہو میں نظر آیا اُسے اسوار　　سر خاک پہ جھک جھک کے پٹکنے لگا رہوار
دو تین گھڑی تک تو رہے غش شہ ابرار　　آنکھیں جو کھلیں حلق پہ تھا خنجر خونخوار
پہلو میں سر فاطمہ عریاں نظر آیا　　جلاد کے پنجے میں گریباں نظر آیا

خشکیدہ زباں شہ نے دکھائی کئی باری　　پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
خاموش انیس اب کہ غم و درد ہے طاری　　اس نظم کا بخشنے گا صلہ ایزد باری
محشر میں علی ساغر کوثر تجھے دیں گے　　گھر خلد میں رہنے کو پیمبر تجھے دیں گے

رُباعی

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے　　نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس　　دُر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

ایضاً

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدر　　ذاکر بھی ہیں مصروفِ بیانِ حیدر
ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا　　رونے کو ہیں جمع شیعیانِ حیدر

ایضاً

روتے ہیں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں　　کیا صبر امامِ دوسرا کرتے ہیں
اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بر میں　　اُس بیٹے کو اُمت پہ فدا کرتے ہیں

مرثیہ (۱۷)

جب آمدِ سردارِ دو عالم ہوئی رن میں
سب فوجِ عدو درہم و برہم ہوئی رن میں
اک جلوہ گری نور کی جس دم ہوئی رن میں
اک بار صفِ فوجِ ملک خم ہوئی رن میں
غل تھا کہ حسینؑ آج لڑائی پہ چڑھے ہیں
یا صاحبِ معراج لڑائی پہ چڑھے ہیں

کیا دبدبہ و رعب ہے العظمۃ للہ
شیر آنکھ چراتا ہے یہاں صورتِ روباہ
ہے ایک فقط فاطمہؑ کی روح تو ہمراہ
خادم بھی جلو میں نہیں اور یہ حشم و جاہ
حلقے میں ملک اسپِ صبا دم کو لیے ہیں
اور فرق پہ جبریلِ امیں سایہ کیے ہیں

بخشا ہے خدا نے انھیں اقبالِ محمدؐ
خال و خطِ رخسار خط و خالِ محمدؐ
شوکت جو علیؑ کی ہے تو اجلالِ محمدؐ
کیا مرتبہ ہے صلِ علیٰ آلِ محمدؐ
حق کے کرمِ نامتناہی سے بنے ہیں
یہ پانچ بشر نورِ الٰہی سے بنے ہیں

اعجازِ رسولانِ سلف ان میں ہے موجود
آہن کو ابھی موم کریں صورتِ داؤد
اُف کر دیں تو جل جائے یہ سب لشکرِ مردود
پر ہیں یہ طلبگارِ رضامندیِ معبود
صدقہ کیا اکبر سا پسر راہِ خدا میں
خوش ہو کے لٹاتے ہیں گھر راہِ خدا میں

دو ٹکڑے ہو تیغ ان کی اگر کوہ پہ چل جائے
فولاد بھی شمشیر کی آتش سے پگھل جائے
نعرہ جو کریں شیر کا دم تن سے نکل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ فوج سے ٹل جائے
خود شیر ہیں یہ اور خلفِ شیرِ خدا ہیں
ضرب ان کی رکے کیا کہ یہ شمشیرِ خدا ہیں

ہے قہرِ خدا غیظِ شہنشاہِ دو عالم
مجموعۂ عالم ہو ابھی درہم و برہم
پیری میں قیامت ہے جواں بیٹے کا ماتم
رونے کے عوض شکرِ خدا کرتے ہیں پیہم
صابر کوئی آفاق میں ایسا نہیں دیکھا
یہ دل نہیں دیکھا یہ کلیجا نہیں دیکھا

تنہائی میں دیکھو تو ذرا شانِ سواری
چالاکی توسن سے خجل بادِ بہاری
کیا شوکت و صولت ہے رخ ہے قدرتِ باری
رخ نورِ خدا کا ہے سوئے لشکرِ ناری
گھوڑے کو اڑاتے ہوئے یوں آتے ہیں رن میں
جس طرح کوئی سیر کو آتا ہے چمن میں

پیشانیِ روشن کی ضیا دور تلک ہے
میدانِ شہادت کی زمیں ہے کہ فلک ہے
اس نور کا پروانہ رخ حور و ملک ہے
یہ ذرے میں خورشیدِ درخشاں کی چمک ہے
نسبت ہے نہ خورشید کو نہ بدر کی ضو کو
شرماتے ہیں نقشِ سمِ توسن مہِ نو کو

کیا رتبۂ اعلیٰ ہے رخ ہے حشمت و اجلال
لاریب کہ ہے نورِ خدا فاطمہؑ کا لال
روشن ہے جبیں آئینۂ مہر کی تمثال
ہے سجدۂ خالق کا نشاں اخترِ اقبال
ہے جلوہ گری نور کی پیشانیِ شہ میں
عکسِ گلِ سوسن ہے یہ آئینۂ مہ میں

ابروئے جگر گوشۂ زہرا کی رخ ہے شان
یہ ہیں وہ کمانیں کہ علی جن پہ ہیں قربان
اور گوشۂ ابرو سے اشارہ ہے یہ ہر آن
نانا ہے مرا کعبۂ دیں قبلۂ ایماں
جبریل کو یارا نہ پہنچنے کا جہاں تھا
واں احمد و محمود میں فرقِ دو کماں تھا

گرد آنکھوں کے کس حسن سے پلکیں ہیں صف آرا
یاں مردمِ بد بیں کو نظر کا نہیں یارا
کرتی ہے ہر اک چشم کی پتلی یہ اشارا
یہ احمدِ مختار کی آنکھوں کا ہے تارا
قربان ہوا ان آنکھوں پہ اگر عین شرف ہے
ہر مردمِ حق بیں کی نظر ان کی طرف ہے

رخسارۂ روشن گلِ خورشید پہ وا ہے
اس جا گلِ تر بھی عرقِ شرم میں تر ہے
یہ ریشِ مطہر نہیں ہالے میں قمر ہے
ہے صاف ہویدا کہ یہ شب ہے وہ سحر ہے
پہلو میں شبِ قدر کو یاں بدر لئے ہے
اور بدر کو ہالے میں شبِ قدر لئے ہے

ہے آئینۂ نورِ خدا گردنِ انور
چوما تھا رسولِ عربی نے جسے اکثر
تھا تنگ گریبان تو روتے تھے پیمبر
واں شمرِ جفا جو نے رکھا حلق پہ خنجر
زہرا سے ڈرا وہ نہ علی سے نہ خدا سے
کاٹا اسی گردن کو ستمگر نے قفا سے

وہ دستِ زبردستِ شہنشاہِ فلک جاہ
ہاتھ آیا تھا حصّے میں جسے زورِ یداللہ
تھے دست نگر جس کے زمانہ کے شہنشاہ
اُس شاہ کے ہاتھوں کا میں کیا حال لکھوں آہ
خنجر سے گلا شمرِ بد افعال نے کاٹا
پہونچوں سے ہر اک ہاتھ کو جمّال نے کاٹا

وہ سینہ جو تھا مخزنِ اسرارِ امامت
سب جانتے ہیں جس کی بزرگی و کرامت
دیکھو تو ذرا شامیوں کی شومیٔ شامت
تیر اُس پہ لگائے نہ کیا خوفِ قیامت
مقتل میں جو وہ شمر کے زانو سے دبا تھا
محبوبِ الٰہی کا گریبان پھٹا تھا

پہنے ہیں زرہ حضرتِ داؤد کی بر میں
اور تیغِ یداللہ ہے مولا کی کمر میں
شیروں کو نہیں تاب ہے رعب نظر میں
اکبر کے جواں مرنے سے ہے درد جگر میں
یاد آتے ہیں عباس تو رک جاتے ہیں شبیرؑ
گھوڑے پہ کمر تھام کے جھک جاتے ہیں شبیرؑ

راہیں وہ ستونِ کعبۂ ایماں کی ہیں و طاق
گھٹتے ہیں سدا سجدۂ معبود کے مشتاق
فاقوں سے ہے گو طاقتِ اعضائے بدن طاق
مولا کی ہے ثابت قدمی شہرۂ آفاق
پروا نہیں کٹ جائے جو سر تیغِ جفا سے
بڑھکر نہیں ہٹتے ہیں قدم راہ رضا سے

اس شان سے میداں میں جو پہونچے شہِ ابرار
اک شور ہوا گھاٹ سے دریا کے خبردار
لشکر میں بجا طبل علم کھل گئے اک بار
اعدا کے پرے ہو گئے آمادہ پیکار
اک دل ہوئے سب قتلِ شہِ جن و بشر پر
فوجوں کی گھٹا چھا گئی زہرا کے قمر پر

حربوں کو میانوں سے ستمگاروں نے کھینچا
چلوں کو کمانوں سے کمانداروں نے کھینچا
تیغوں کو کمر سے جو سب اسواروں نے کھینچا
سر چرخ پہ جوں صاعقہ تلواروں نے کھینچا
پھل برچھیوں کے رن میں چمکتے نظر آئے
نیزے صفِ دشمن میں بچکتے نظر آئے

حضرت نے جو دیکھی یورشِ لشکرِ اظلم
خود نادِ علی پڑھ کے بڑھے قبلۂ عالم
فرمایا کہ تم لاکھوں ہو اور ایک مرا دم
پر لشکر و باہ سے ڈرتے نہیں ضیغم
جب کھینچی ہے تیغِ دوزباں کھیت پڑے ہیں
اکثر شہِ مرداں بھی اکیلے ہی لڑے ہیں

یہ جنگ نہیں غزوۂ خندق سے زیادہ
اسوار ہوں میں آج وہ اس دن تھے پیادہ
جس وقت کیا عمرو سے لڑنے کا ارادہ
کشتے تھے ہزاروں بسرِ خاک فتادہ
نصرت کے خبردار خبر لیکے پھرے تھے
اور شیرِ خدا عمرو کا سر لیکے پھرے تھے

سب خلق کو خیبر کی لڑائی کی خبر ہے
شبیرؑ اسی صاحبِ طاقت کا پسر ہے
اور دودھ کا زہرا کے بھی رگ رگ میں اثر ہے
میں سیفِ خدا ہوں مرے قبضے میں ظفر ہے
بچپن سے تنِ زار میں طاقت ہے نبیؐ کی
چوسی ہے زباں میں نے رسولِ عربی کی

بگڑوں تو ابھی نقشِ ثنا تم کو بنا دوں
جوں حرفِ غلط صفحۂ ہستی سے مٹا دوں
سب فوج کو شمشیر کی آتش سے جلا دوں
آجاتا ہے پر رحم کہ ایذا تمھیں کیا دوں
منظور ہے مجھ کو کہ رضا مندِ خدا ہو
میری تو ظفر یہ ہے کہ سر تن سے جدا ہو

لڑنا ہی جو ہوتا تجھے اے قومِ ستمگر
میں تم سے نہ لیتا عوضِ خونِ برادر
نیزے سے مرے سامنے مرتے علی اکبر
رہ جاتا میں ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر
واقف ہے خدا تم نے جو کچھ جبر کیا ہے
شبیرؑ نے مقدور پہ کیا صبر کیا ہے

دلسوز نہیں داغِ جگر کس کو دکھاؤں
یہ خشک لب اور دیدۂ تر کس کو دکھاؤں
منصف نہیں میں داغِ پسر کس کو دکھاؤں
ٹوٹی ہوئی پیری میں کمر کس کو دکھاؤں
دل جس سے قوی تھا وہ برادر بھی نہیں ہے
قاسم بھی نہیں ہے علی اکبر بھی نہیں ہے

اس عالمِ فانی سے بزرگ اٹھ گئے سارے
اب غیرِ خدا کوئی نہیں پاس ہمارے
جو عاشقِ صادق تھے وہ دنیا سے سدھارے
فرزندِ نبی ان کو کہاں جاکے پکارے
پھر جاتی ہے ایک ایک کی تصویر نظر میں
آنکھوں سے نہاں ہوگئے سب تین پہر میں

زد سے ہمیں تیروں کی بچاتا نہیں کوئی
اب چاند سی تصویر دکھاتا نہیں کوئی
میدان میں سر دینے کو جاتا نہیں کوئی
ہم مرنے کو آئے ہیں اور آتا نہیں کوئی
ہم وہ ہیں کہ سب کے تنِ صد پاش پہ روئے
اتنا نہیں کوئی کہ مری لاش پہ روئے

روئے ستم آرا کئی سن سن کے یہ تقریر
اس وقت یہ فرمانے لگے حضرتِ شبیرؑ
تقصیر تمہاری ہے مری کچھ نہیں تقصیر
باز آؤ مرے قتل سے اے فرقۂ بے پیر
گو اب بھی ہم اس صابر و شاکر کو اماں دو
مظلوم کو سیّد کو مسافر کو اماں دو

اک خیر ہے یہ بھی کہ مجھے شر سے بچا دو
مظلوم کو اس ظلم کے لشکر سے بچا دو
اس سینے کو زانوئے ستمگر سے بچا دو
یہ خشک گلا شمر کے خنجر سے بچا دو
یثرب میں نہ کوفے میں نہ بطحا میں ہوں گا
میں آج سے گھر چھوڑ کے صحرا میں ہوں گا

صحرا کے بسانے میں ضرر ہو جو تمہارا
بتلا دو پہاڑوں کی مجھے راہ خدارا
شبیر کو منظور ہے خود سب سے کنارا
پھر شہر سے کیا جب نہ رہا کوئی ہمارا
طوفِ حرمِ خالقِ اکبر کو بھی چھوڑا
لو گھر کو بھی اور قبرِ پیمبر کو بھی چھوڑا

سرحد میں تمہاری اگر آؤں تو قسم لو
صورت بھی کسی کو جو دکھاؤں تو قسم لو
گھر شہر میں رہنے کو بناؤں تو قسم لو
روضہ پہ محمدؐ کے جو جاؤں تو قسم لو
صحرا میں جگہ خاک پہ سونے کو بہت ہے
اور کوہ کا دامن مرے رونے کو بہت ہے

ہر حِس سے میں پاک ہوں طاہر مجھے سمجھو
عالم ہوں ہر اک علم کا ماہر مجھے سمجھو
روضہ کا محمدؐ کے مجاور مجھے سمجھو
حاجی ہوں میں کعبے کا مسافر مجھے سمجھو
میں یہ نہیں کہتا کہ نواسا ہوں نبی کا
زوّار تو ہوں قبرِ رسولِ عربی کا

محتاج ہوں گھر میں زر و زیور نہیں رکھتا
خوش ہو کے جسے لوٹو گے وہ گھر نہیں رکھتا
تکیے پہ بجز خاک کبھی سر نہیں رکھتا
میں قاقم و سنجاب کا بستر نہیں رکھتا
کپڑے بھی تکلف کے نہیں زیبِ بدن ہیں
ہے ایک عبا چھال کی اور رختِ کہن ہیں

ناموس مرے فاقہ کشی میں بھی ہیں خرسند
ایک ایک ہے زہرا کی طرح صبر کا پابند
راضی وہ خدا سے ہیں خدا ان سے رضامند
چادر کوئی ایسی نہیں جس میں نہ ہو پیوند
غش آتے ہیں پر حق کی عبادت نہیں جاتی
فاقوں میں بھی قرآں کی تلاوت نہیں جاتی

مختارِ دو عالم ہوں پہ کیا تم سے کہوں حال
دنیا کا طلبگار نہیں فاطمہؑ کا لال
واں ہوگا تہی دست جو یاں دے نہیں جاتا
مجھ سے بھی سخی ہیں حرمِ سیدِ عالی
چہرے پہ فقیری میں بھی رہتی ہے بحالی
کچھ کام انھیں لذتِ دنیا سے نہیں ہے

بہنیں مری زہراؑ سے بزرگی میں نہیں کم
بعد اپنے انھیں کی ہے تباہی کا مجھے غم
گھبرائی ہوئی خیمۂ ویراں میں پھریں گی
بولا یہ حصین ابنِ نمیرِ ستم آرا
پھر کس لیے ہے بیعتِ حاکم سے کنارا
شرمندہ ہوں گو احمدِ مختار کے آگے

اب یاں سے کہاں جاؤ گے راہیں تو ہیں مسدود
حضرت نے کہا دور ہو او ظالمِ مردود
عاقل کبھی فاسق کی اطاعت نہیں کرتے
کیا ہوگا اگر چار طرف بند ہیں راہیں
مفتاحِ درِ خلدِ بریں ہیں مری آہیں
اک دم میں سر اب تن سے جدا کرتا ہے شبیرؑ

بڑھ کر صفِ جنگاہ سے اک ظالمِ غدار
لہراتی ہے کیا نہر مثالِ شکمِ مار
دریا سے تو یہ شام کا لشکر نہ ہٹے گا

فاقے سے بھی سو رہتے ہیں اکثر مرے اطفال
صرفِ رہِ خالق ہے ملا کچھ جو زر و مال
اسبابِ جہاں ساتھ کوئی لے نہیں جاتا
سائل کبھی جاتا نہیں دروازے سے خالی
شکوے کی کبھی بات نہیں منہ سے نکالی
کہنہ تو ردائیں ہیں غذا نانِ جویں ہے

اک غیرتِ حوا ہے تو اک ثانیِ مریم
خنجر کے تلے نکلے گا مشکل سے مرا دم
سر پیٹتی لاشے پہ مرے آ کے گریں گی
زینبؑ کی تباہی جو نہیں تم کو گوارا
یہ عجز نہ مانا ہے نہ مانیں گے تمہارا
سر کاٹ کے لیجائیں گے سرورؑ کے آگے

اور گرد ہیں دو لاکھ جواں قتل پہ موجود
چاہوں تو اشارے میں یہ سب فوج ہو نابود
سر دیتے ہیں دیندار پہ بیعت نہیں کرتے
کھل جائیں درِ قصرِ فلک گر ابھی چاہیں
ہم وہ ہیں کہ جو منہ سے کہیں اس کو نباہیں
عاجز نہیں حجت کو ادا کرتا ہے شبیرؑ

چلایا کہ دیکھو تو ادھر یا شہِ ابرار
پر آپ کو قطرہ بھی نہیں ملنے کا زنہار
پیاسا ہی گلا آپ کا خنجر سے کٹے گا

حضرت نے کہا سوئے فلک ہاتھ اُٹھا کر
اس وقت سزا دے اسے اے خالقِ اکبر
فرما نہ چکے تھے یہ ابھی سبطِ پیمبر
ناگاہ اُدھر پیاس کا غلبہ ہوا اُس پر
پاس اُس کے ہر اک شخص لیئے جاتا تھا پانی
کم ہوتی نہ تھی پیاس پیئے جاتا تھا پانی

دی تھی جو دعا بدلے شاہ دوسرا نے
اک آگ کلیجے میں لگا دی تھی قضا نے
سقّوں کے پرے کھولے تھے مشکوں کے دہانے
جلتا ہوا گھر جاتے ہیں جس طرح بجھانے
چلاتا تھا وہ پیاس مری آہ بجھاؤ
اب خانۂ تن جلتا ہے للہ بجھاؤ

تھے پیاس کی گرمی سے زبس جان کے لالے
ساحل پہ گرا جا کے زباں منہ سے نکالے
غیرت سے کھڑے کانپتے تھے دیکھنے والے
جب پانی پیا حلق میں سو پڑ گئے چھالے
ہر موج کا خم اس کے لئے ناگ ہوا تھا
پانی کا بھی اس وقت مزاج آگ ہوا تھا

آنکھوں کو نکالے تھے حبابوں کا یہ تھا حال
موجوں کے طمانچوں سے ہوا جاتا تھا منہ لال
دریا اُسے بڑھ بڑھ کے دیئے دیتا تھا پامال
مچھلی سا تڑپتا تھا کنارے وہ بدافعال
جھکتا تھا جو پینے کو تو ہٹ جاتا تھا پانی
بڑھتا تھا وہ سفاک تو گھٹ جاتا تھا پانی

واں بھی نہ بجھی پیاس گرا نہر میں بے پیر
دریا میں ہوا شور یہ ہے دشمنِ شبیر
گرداب بنا طوق تو موجیں ہوئیں زنجیر
ناگاہ وہیں موت ہوئی آ کے گلوگیر
قطرہ بھی نہ اک حلقِ جفا کار میں پہونچا
پانی میں لعیں غرق ہوا نار میں پہونچا

دیکھا پسرِ سعد نے جس وقت یہ اعجاز
گھبرا کے جفا جو نے یہ دی فوج کو آواز
ہو آلِ رسولِ عربی سحر میں ممتاز
شبیر کا سر لاؤ جو ہونا ہے سرافراز
جب حلق سے شبیر کے شمشیر ملے گی
منصب تمھیں ہاتھ آئے گا جاگیر ملے گی

جس وقت سنی یہ پسرِ سعد کی تقریر
میداں سے بڑھے چند قدم حضرتِ شبیر
فرمایا کہ رکھ دوں گا گلا خود تہہِ شمشیر
دو باتیں ہیں سن لے انھیں او ظالمِ بے پیر
تو نے جو بلایا تو مدینے سے ہم آئے
تجھ سے نہیں ہوتا کہ ادھر دو قدم آئے

ٹھرا کے یہ بولا پسرِ سعدِ جفاکار
اس دم ہے جلال آپ کو یا سیدِ ابرار
پہلے جو اماں دیجے تو حاضر ہو گنہگار
حضرت نے کہا مکر نہیں ہم کو سزاوار
ہم سا تو کریم آج دو عالم میں نہیں ہے
ڈرنا ہے عبث عیب دغا ہم میں نہیں ہے

نکلا وہ لعیں چترِ زریں سر پہ لگائے
پاس اس کے حسین ابن علی دھوپ میں آئے
چپ تھا وہ شقی سر کو خجالت سے جھکائے
فرمایا کہ ہے کس لیے تو آنکھ چرائے
پانی کا نہ طالب ہوں نہ سائل ہوں اماں کا
غم ہے مجھے ناموسِ رسولِ دو جہاں کا

تو بھی ہے قریشی تجھے لازم ہے مرا پاس
تنہا ہوں نہ اکبر ہے نہ قاسم ہے نہ عباس
سر کٹنے کا اپنے مجھے مطلق نہیں وسواس
غم یہ ہے کہ ناموسِ نبی ہوتے ہیں بے آس
جب روتے ہیں وہ دل پہ چھری چلتی ہے غم کی
آیا ہوں ترے پاس سفارش کو حرم کی

یہ فوج تری بعد مرے گھر کو نہ لوٹے
رانڈوں کے سروں سے کوئی چادر کو نہ لوٹے
خولی سے یہ کہہ بانوئے بے پر کو نہ لوٹے
نادار ہے کوئی مری خواہر کو نہ لوٹے
دنیا نہیں رہنے کی اسے جب تعب آیا
چادر سرِ زینب سے چھنی اور غضب آیا

جب بعدِ ظفر شمرِ لعیں لوٹنے جائے
لازم ہے کہ تو چادرِ زینبؑ کو بچائے
عابد پہ کوئی دستِ تعدی نہ اٹھائے
کوئی مرے بچوں کو طمانچے نہ لگائے
ہو تجھ سے جو یہ امر تو احسان ہے تیرا
ورنہ مرا ہاتھ اور گریبان ہے تیرا

اور دو سرے کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
روویں گی مری لاش پہ سر پیٹ کے مادر
کہنہ سا جو پہنے ہوں میں ناموسِ پیمبرؐ
تن پر سے اتارے نہ اسے کوئی ستمگر
غارت شہِ لولاک کی پوشاک نہ کیجو
عریاں مرا لاشہ تہہِ افلاک نہ کیجو

حضرت کا سخن سن کے نہ بولا وہ جفاکار
اپنی صفِ لشکر میں گیا پھیر کے رہوار
اشک آنکھوں میں بھر کر یہ پکارے شہِ ابرار
سمجھا ترے مطلب کو میں اے ظالمِ غدار
تو دستِ تعدی کو نہ کوتاہ کرے گا
رانڈوں کی حمایت مرا اللہ کرے گا

بیکس کو مسافر کو کفن کچھ نہیں درکار — رونے کو نہ ہوں ماں نہ بہن کچھ نہیں درکار
ملبوس تو ہو رخت کہن کچھ نہیں درکار — مظلوم کو آرایش تن کچھ نہیں درکار
مردوں کو نہ رہتی ہے ہوس اور نہ طلب کچھ — جب جا کے ملے خاک میں پھر خاک ہے سب کچھ

اعدا سے یہ فرماتے تھے حضرت کہ چلے تیر — اور تول کے نیزوں کو بڑھے فوج سے بے پیر
کھینچی پسرِ شیرِ الٰہی نے جو شمشیر — گیتی کو تزلزل ہوا کانپا فلکِ پیر
حضرت نے تو اس برقِ مجسم کو سنبھالا — کروبیوں نے عرشِ معظم کو سنبھالا

سکانِ سماوات بھی گھبرا گئے سارے — تھرّانے لگی گاوِ زمیں خوف کے مارے
جبریلِ امیں نادِ علی پڑھ کے پکارے — کاٹا ہے اسی تیغ نے شہپر کو ہمارے
عالم کو دو عالم کا شہنشاہ بچائے — اس برقِ جہاں سوز سے اللہ بچائے

تھی آگ ہوا آتشِ شمشیر دو سر سے — طائر گرے گھبرا کے اِدھر بحر میں بر سے
پریوں کے اُڑے ہوش کہ آگ آئی کدھر سے — جنات پہاڑوں میں چھپے جان کے ڈر سے
غل تھا کہ نہ قلزم پہ یہ برقِ اجل آئے — ساحل سے اِدھر مردمِ آبی نکل آئے

اژدر سے چھٹا غار تو شیروں سے چھٹا بن — اور آہوؤں نے چھوڑ دیا کوہ کا دامن
مرغانِ ہوا بھول گئے اپنے نشیمن — دہشت سے چرندے بھی اُٹھانے لگے گردن
لرزاں و تپاں کون نہ تھا کون و مکاں میں — آثارِ قیامت نظر آتے تھے جہاں میں

تلوار کو چمکا کے پکارے شہِ عالم — ہیں رزم پہ آمادہ ہوں نکلے کوئی ظالم
سب مل کے گراتے ہو تو اس کا نہیں کچھ غم — لڑنے میں ہزاروں سے کبھی بند نہیں ہم
کھل جائے گا احوال دمِ جنگ تمہارا — اس میں بھی مرا نام ہے اور ننگ تمہارا

فرزندِ ید اللہ کئی بار پکارا — دو لاکھ میں بڑھنے کا نہ تھا ایک کو یارا
مردود کے سر پر اجل آئی جو قضا را — نکلا صفِ لشکر سے تمیمِ ستم آرا
کافر کو غرور اپنی شجاعت پہ بڑا تھا — اکثر صفِ لشکر میں اکیلا ہی لڑا تھا

پہنے ہوئے چار آئنہ و جوشن و بکتر
اور کہنیوں تک ہاتھوں میں دستانے برابر
اسپ دور کا یہ تہمتن دیو سا پیکر
سہراب سے پُرزور تو رستم سے قوی تر
ہونٹوں کو چباتا تھا یہ غصے میں بھرا تھا
پیچھے ستم آرا کے سواروں کا پرا تھا

نیزہ وہ جسے دیکھ کے کانپے فلکِ پیر
اور کوہ سے لنگر نہ اُٹھے جس کا وہ شمشیر
گھر موت کا تھی قوس تو پیغامِ اجل تیر
وہ واں سے چلا یاں سے بڑھے حضرتِ شبیر
تھرائی زمیں چوب لگی طبل و غا پر
حملہ کیا نامردنے شاہِ شہدا پر

کجباز نے سیدھا جو کیا نیزۂ خونخوار
تلوار سے دو کر دیا شہ نے اسے اک بار
چلّا یا کماں لے کے وہ بدکیش و خطاکار
لو اب یہ پیامِ اجل آتا ہے خبردار
سایہ جو پڑا شاہ کی تیغ دوزباں کا
ترکش تھا نہ چلّہ تھا نہ حلقہ تھا کماں کا

جس وقت کہ ترکش میں نہ سرکش کے رہے تیر
تھرایا جگر سہم گیا خوف سے بے پیر
قبضہ میں جفا جو نے لیا قبضۂ شمشیر
فرما کے خبردار بڑھے حضرتِ شبیر
اک جست میں سر پر فرسِ تیز قدم تھا
کھینچنے بھی نہ پائی تھی کہ بس ہاتھ قلم تھا

پھر سر پہ چمک کر جو وہ برقِ اجل آئی
مثلِ غضبِ خالقِ عزوجل آئی
گردن سے جو ترچھی گئی زیرِ بغل آئی
کھینچا جو بغل سے تو کمر سے نکل آئی
پہلے تو سلامت ستم آرا نظر آیا
گھوڑے سے گرا جب تو دوپارا نظر آیا

زینبؑ نے درِ خیمہ سے دیکھا جو یہ ساماں
چلائی کہ بھیا بہن اس ضرب کے قرباں
یہ پیاس کئی دن کی یہ دھوپ اور یہ میداں
جلد آؤ کہ اب تن سے نکلتی ہے مری جاں
بچہ جو چھٹے باپ سے پالا نہیں جاتا
اب مجھ سے سکینہ کو سنبھالا نہیں جاتا

خود پردے کے پاس آکے سکینہ یہ پکاری
اے سبطِ نبی ابنِ علی عاشقِ باری
لڑنے کے فدا آپ کی تنہائی کے واری
نزدیک تو آؤ کہ بلائیں لوں تمہاری
اماں کا مری غم سے عجب حال ہے بابا
یہ ہاتھوں سے پیٹی ہیں کہ منہ لال ہے بابا

تکیے علی اصغر کے کلیجے سے لگائے — چلاتی ہیں کیا ہو گئے ہے ہے مرے جائے
نزدیک ہے بابا کہ اب اماں کو غش آئے — میداں سے تم اب تک مرے بھیا کو نہ لائے
گودی میں دو یا کس کو کدھر کھو گئے اصغر — دریا کی ہوا کھاتے ہی کیا سو گئے اصغر

میداں میں سنی شہ نے سکینہ کی جو زاری — صابر تھے مگر آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
بیٹی کو پکارے کہ نہ رو اے مری پیاری — اب ہو گی قیامت میں ملاقات ہماری
فرزند یہیں ہیں یہیں مر جائیں گے بی بی — اصغر نہ جئیں گے نہ ہم اب آئیں گے بی بی

یہ سن کے لگی پیٹنے سر زینبؑ مضطر — واں شہ پہ جھکا چار صفیں باندھ کے لشکر
تیروں کی ہوئی مار چلے نیزہ و خنجر — یا شیرِ خدا کہہ کے دھنسے فوج میں سرور
ٹاپوں سے پیادوں کو کچل جاتا تھا گھوڑا — بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا

اک صف سے گئے دوسری صف سے نکل آئے — وہنے سے گئے بائیں طرف سے نکل آئے
لڑ بھڑ کے ہر اک تیغ بکف سے نکل آئے — گھر کر مددِ شاہ نجف سے نکل آئے
اک برق گری اڑ کے جدھر آ گیا گھوڑا — جب باگ ہلی برچھیوں پہ آ گیا گھوڑا

جس رخ کو سواروں کا رسالا نظر آیا — دم میں وہیں اسپ شہِ والا نظر آیا
برچھی بھی نظر آئی نہ بھالا نظر آیا — سب شام کا لشکر تہ و بالا نظر آیا
گھوڑے تو الف ہو کے سواروں پہ گرے تھے — اسوار پیادوں کی قطاروں پہ گرے تھے

صفدر نے سواروں کے رسالوں کو نہ چھوڑا — ثابت صفِ جنگاہ میں بھالوں کو نہ چھوڑا
بے قتل کیے برچھیوں والوں کو نہ چھوڑا — بے دو کیے تلوار نے ڈھالوں کو نہ چھوڑا
کس کا یہ کلیجا تھا کہ جو ٹوک کے لڑتا — کیا منہ تھا جو اک وار کوئی روک کے لڑتا

رن میں قدمِ لشکرِ کفار نہ ٹھہرے — دم میں صفِ ہیجا میں ستمگار نہ ٹھہرے
بھاگے صفتِ تیر کماندار نہ ٹھہرے — پیدل کا تو کیا ذکر ہے اسوار نہ ٹھہرے
زندوں کو بھی مردوں میں قلم بند کیا تھا — اک تیغ نے دو لاکھ کا دم بند کیا تھا

ہٹ ہٹ کے جماتے تھے ستمگار صفوں کو
پامال کیے دیتا تھا رہوار صفوں کو
دم لینے نہ دیتی تھی وہ تلوار صفوں کو
دو حملوں میں چورنگ کیا چار صفوں کو
ہر سو تنِ بے سر سرِ بے تن نظر آئے
میداں میں نہ اسوار نہ توسن نظر آئے

جب ضربتِ سرور کی لعیں لا نہ سکے تاب
چلائے کہ اے باغِ نبیؐ کے گلِ شاداب
ناداں تھے جنھوں نے نہ کیا آپ کا آداب
لے آتے ہیں ہم نہر سے مشکیزۂ پر آب
جینا یہ نہ چھوڑے گی کسی پیر و جواں کو
للہ بس اب روکیے تیغِ دو زباں کو

حضرت سے بر آئے گی نہیں ساری خدائی
فریاد علیؑ کی ہے محمدؐ کی دہائی
ناگاہ صدا شیرِ الٰہی کی یہ آئی
شبیرؑ بس اعدا نے سزا ظلم کی پائی
امت کو نہ برباد مری جان کرو تم
اب روح محمدؐ کی طرف دھیان کرو تم

تم قول کے صادق ہو نہیں غیظ کا ہنگام
صدقے ترے اے فاطمہؑ زہرا کے گل اندام
اپنی بھی رکھی بات ہمارا بھی کیا نام
بس ختم ہوئی جنگ رکھو ہاتھ سے صمصام
یہ چاند سی گردن تہِ خنجر بھی دکھا دو
اللہ کو اب صبر کے جوہر بھی دکھا دو

بیٹوں کو نہ روؤ کہیں مرے بھی جیے ہیں
محبوبِ خدا چاک گریباں کیے ہیں
در ہائے فلک قدسیوں نے کھول دیے ہیں
جبرئیلِ امیں قتل کے محضر کو لیے ہیں
سر نذر کرو صادق الاقرار ہو تم تو
امت کی شفاعت کے طلبگار ہو تم تو

آواز یہ سنتے ہی رہوار کو روکا
پھر بڑھ کے نہ پیدل کو نہ اسوار کو روکا
کفار پہ چلتی ہوئی تلوار کو روکا
روکا اسے کیا برق شرر بار کو روکا
فرمایا اب اٹھے گا نہ ہاتھ اہلِ جفا پر
موقوف رکھا ہم نے یہ انصاف خدا پر

تلواریں لگانے لگے پاس آ کے جفا جو
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
تیغوں سے کٹے ابنِ یداللہ کے بازو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیر سہ پہلو
سب خوں میں محمدؐ کی قبا لال ہوئی تھی
چھاتی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

خاتونِ قیامت کی صدا دشت سے آئی　　گرتا ہے مرا لال دوہائی ہے دوہائی
چلائی یہ زینبؑ کہ سفر کرتے ہیں بھائی　　اب کیا کروں ہے ہے مری امّاں کی کمائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی　　ہے ہے مرے سیّد کو بچاتا نہیں کوئی

یاں ضعف سے ہرنے پہ جھکے جاتے تھے سرور　　لگتا تھا بدن پر کبھی نیزہ کبھی خنجر
تیروں سے مشبّک تھا وہ سب سینۂ انور　　تھے ایک ہزار اور کئی سو زخم بدن پر
شہ کھاتے تھے تلواریں ہوئی جاتی تھی زینبؑ　　ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینبؑ

چلاتی تھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو　　شبیر کے بدلے مرا سر تن سے اُتارو
للہ مجھے فاطمہؑ کے لال پہ وارو　　شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے　　اوجھل مجھے ہو لینے دو زینبؑ کی نظر سے

صف باندھ لو یا کرلو تمھیں خیمے کا پردا　　یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لبِ دریا
واں ذبح کرو ہے جہاں عباس کا لاشا　　تا دیکھے نہ سر کٹتے مرا دخترِ زہرا
صدمہ نہیں دُنیا میں جدائی کے برابر　　شبیرؑ کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

کہتے تھے یہ حضرت کہ لگا پشت پہ بھالا　　قربوس پہ غش کھا کے گرے سیّد والا
جبریل نے قدموں سے رکابوں کو نکالا　　چلائے نبی ہائے مری گود کا پالا
غش ہوگیا طاری جو شہِ عرش نشیں پر　　بس ٹیک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر

مرکب سے جدا ہو کے جو تڑپے شہِ ابرار　　گردِ شہِ دیں ہو کے لگا پھرنے وہ رہوار
فرمایا کہ منزل پہ یہ پہونچا ترا اسوار　　رخصت ہو کہ سر اُترے تو ہم بھی ہوں سبکبار
اب تیغ لیئے ذبح کو جلاد بڑھے گا　　قاتل تری اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا

نیزے کی سواری ہے اب اور فاطمہ کا لال　　اُلفت ہے تجھے دیکھ سکے گا نہ مرا حال
ٹاپوں کے تلے لاش مری ہووے گی پامال　　زینب نکل آئے نہ کہیں کھولے ہوئے بال
سجاد کو آگاہ مرے حال سے کردے　　جا بانوی بیکس کو رنڈاپے کی خبر دے

گھوڑے کو شہِ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خیمے کو چلا سر کو پٹکتا ہوا مرکب
خالی اسے دیکھا تو لگی پیٹنے زینبؑ
یاں قبلۂ عالم پہ لعیں ٹوٹ پڑے سب
زخمی نہ ہوا ایسی نہ کوئی تن پہ جگہ تھی
ہاں خنجرِ خونخوار کی گردن پہ جگہ تھی

شمرِ ستم آرا نے جو خنجر کو نکالا
سجدے میں جھکا فاطمہؑ کی گود کا پالا
ہاتھوں سے کلیجے کو محمدؐ نے سنبھالا
زہرا نے کہا ہائے مرا گیسوؤں والا
قاتل کو تو کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے حیدر
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتے تھے حیدر

قرآن پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستمگار
تھرائی زمیں کانپ گیا گنبدِ دوّار
بحروں میں تلاطم ہوا ٹکرا گئے کہسار
مجروح تھے سر تا بقدم سیدِ ابرار
سینہ جو دبا نیزوں کی سریاں نکل آئیں
سر کھولے ہوئے قاف سے پریاں نکل آئیں

گردن پہ جو خنجر کو ستمگار نے رکھا
حضرت نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
بے رحمی سے جلاد نے پوچھا سبب اس کا
فرمانے لگے رو کے شہِ بیکس و تنہا
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلے پر
اماں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر

سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکمِ پیمبر
حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کے برابر
ہاں در پہ کھڑی پیٹتی تھی زینبِ مضطر
دکھلا کے اسے شمر نے کاٹا سرِ سرور
شہ ذبح ہوئے زینبِ دلگیر کے آگے
بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

یہ وقت دعا کا ہے انیسؔ اب نہ ہو غافل
یا رازق و یا حافظ و یا خالق و عادل
عالم میں حشمت رہے یہ بانیِ محفل
سب مطلبِ دل ہوں تری درگاہ سے حاصل
ہر لحظہ فزوں دولت و اقبال و حشم ہو
غم ہو تو فقط فاطمہ کے لال کا غم ہو

مرثیہ (۱۸)

جب خیمے میں رخصت کو شہِ بحر و بر آئے
چلائی سکینہؑ مرے بیکس پدر آئے
حضرت کو جو ناموسِ پیمبر نظر آئے
رو کر کہا ہم قبر میں صغرؑ کو دھر آئے
لو بی بیو شبیرؑ جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہؑ کا لال چراغِ سحری ہے

تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں
قاسم ہیں کہ عمو کے عوض خوں میں نہائیں
عباس ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنے کٹائیں
اکبر ہیں جو بابا کے عوض برچھیاں کھائیں
یاور کوئی جز بیکسی واں نہیں ہے
اصغر بھی موئے اب تو کوئی پاس نہیں ہے

تقدیر میں جو داغ اُٹھانے تھے اُٹھائے
اِن آنکھوں سے فرزندوں کے لاشے نظر آئے
اکبر سا پسر مر گیا ہم مرنے نہ پائے
خالق مجھے اُس قافلے سے جلد ملائے
کس سے کہوں جو ہجرِ عزیزاں کا قلق ہے
دل ٹکڑے ہے سینے میں کلیجہ مرا شق ہے

تم سب کو کیا خالق اکبر کے حوالے
زہرا کے حوالے کیا حیدر کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابدِ مضطر کے حوالے
ہے میری سکینہؑ مری خواہر کے حوالے
ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی
بہلائیو جس دم وہ مجھے یاد کرے گی

اصغر کو لیے گود میں پھرتی تھی وہ دن بھر
بہلائے گی دل کس سے کہ مارے گئے اصغر
اب اور یتیمی کی بلا آتی ہے سر پر
غم ہے کہ یہ کس طرح جیے گی مری دختر
کون اُس کے بھلا ناز اُٹھائے گا مرے بعد
چھاتی پہ اُسے کون سلائے گا مرے بعد

افسوس مری پیاری پہ اب ہوئے گی بیداد
دُرّے کے لیے ماریں گے طمانچے ستم ایجاد
چلائے گی لے لے کے مرا نام وہ ناشاد
مر کر بھی غم و رنج سے ہم ہوں گے نہ آزاد
ہیہات گلا باندھے گا جب شمر رسن میں
لاشہ مرا صدمے سے تڑپ جائے گا رن میں

کہکر یہ سخن رونے لگے سیدِ اکرم
ناموسِ محمدؐ میں بپا ہو گیا ماتم
سر پیٹ کے زینبؑ نے کہا اے شہِ عالم
کس سے سخنِ یاس یہ فرماتے ہو اس دم
کچھ میری بھی ہے فکر جو سر دیتے ہو بھائی
ہے ہے مجھے مرنے کی خبر دیتے ہو بھائی

جاتے ہو تو ہمراہ بہن کو بھی لیئے جاؤ
میں تیرِ ستم کھاؤں گی تم برچھیاں کھاؤ
جب غش میں سرِ پاک کو ہرنے پہ جھکاؤ
میں تھام لوں تا خاک پہ تم گرنے نہ پاؤ
تنہا تمہیں شمشیر و تبر کھانے نہ دونگی
مرجاؤں گی پر آپ کو میں جانے نہ دونگی

بابا نہیں اماں نہیں بیٹے بھی نہیں پاس
پردیس میں ہے کون بجز بیکسی و یاس
اس خواہرِ غمگیں کو فقط آپ کی ہے آس
بعد آپ کے کوئی نہیں کرنے کا مرا پاس
ہر شہر میں سر ننگے میں دل خستہ پھرونگی
صدقے گئی در در میں رسن بستہ پھرونگی

رونے لگے زینبؑ سے یہ سُن کر شہِ ابرار
چھاتی سے لگایا اُسے با دیدۂ خونبار
فرمایا کہ دے صبر تجھے ایزدِ غفّار
واللہ بہن بھائی ہے اس امر میں ناچار
کس طرح نہ مرنے کا ارادہ کرے زینبؑ
ہے مرضیِ خالق یہی تو کیا کرے زینبؑ

جانے دو بہن خالقِ اکبر کی قسم ہے
روکو نہ ہمیں تم کو پیمبرؐ کی قسم ہے
زہراؑ کی تمہیں روحِ مطہر کی قسم ہے
بس صبر کرو تم کو مرے سر کی قسم ہے
تنہائی سے دم سینے میں گھبراتا ہے بہنا
اب ٹھہروں تو وعدہ میں خلل آتا ہے بہنا

یہ سُن کے گری زینبِؑ دلگیر زمیں پر
چلائی کہ دُنیا سے چلے ہائے برادر
پھر شہ نے کہا دیکھ کے بانوؑ کو کھلے سر
صاحب کہو کیا حال ہے کیوں پھینک دی چادر
لب پر کبھی نالے ہیں کبھی سینہ زنی ہے
ہم تو ابھی جیتے ہیں یہ کیا شکل بنی ہے

رو کر کہا بانو نے کہ یا سبطِ پیمبر
کچھ ہوش نہیں جب سے موئے ہیں علی اکبر
کس طرح میں چھاتی کو نہ پیٹوں مرے سرور
اکبر ہی کو روتی تھی کہ مارے گئے اصغر
جینے کی نہیں دل پہ بڑا رنج و تعب ہے
آقا نے بھی لونڈی کو جو چھوڑا تو غضب ہے

شہ نے کہا بانو یہی قسمت میں لکھا ہے
تقدیر سے کچھ زور نہیں صبر کی جا ہے
آیا ہے جو دنیا میں وہ اک روز فنا ہے
گھبراؤ نہ ہر دکھ میں مددگار خدا ہے
دو بیٹے فدا کر چکی ہو راہِ خدا میں
شوہر کو بھی قربان کرو راہِ خدا میں

پیغام رنڈاپے کا سنا شاہ سے جس دم
یہ روئی کہ بے ہوش ہوئی بانوئے پرغم
عابد کے سرہانے گئے رونے شہِ عالم
بازو کو ہلا کر کہا با دیدۂ پرنم
کیا غش میں ہو رخصت کو پدر آیا ہے بیٹا
اٹھو کہ وصیت کو پدر آیا ہے بیٹا

بابا کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
اٹھا نہ گیا سر قدمِ شہ پہ جھکایا
شہ بیٹھ گئے اور اسے آہستہ اٹھایا
منہ دیکھ کے حضرت کا یہ عابد نے سنایا
روشن ہوئیں آنکھیں شہِ والا نظر آئے
بس اب ہوئی صحت کہ مسیحا نظر آئے

شہ نے کہا دے تجھ کو شفا ایزدِ غفار
جاتا ہے پدر مرنے کو اے عابدِ بیمار
خیمے کے جلانے کو اب آئیں گے جفاکار
رہنا حرمِ پاک سے بلوے میں خبردار
اس گھر کے بس اب مالک و مختار تمھیں ہو
بے وارثی رانڈوں کے مددگار تمھیں ہو

سمجھاتا ہوں جو کچھ وہی کرنا مرے دلدار
رسی بندھے گردن میں تو مت کیجیو تکرار
نہوڑائیو سر دیکھتے ہی طوقِ گراں بار
رکھ دیجو قدم بیڑیاں لائیں جو ستمگار
فرزند ہو تم ابنِ شہِ عقدہ کشا کے
پابند رہو سلسلۂ صبر و رضا کے

اور اک یہ وصیت ہے یاد اے مرے جانی
کیجو نہ فراموش مری تشنہ دہانی
چوبیس پہر گزرے ہیں پایا نہیں پانی
دیں پانی اگر بعد مرے ظلم کے بانی
تم فاتحہ بابا کی دلا دیجیو بیٹا
اور پیاسی سکینہ کو پلا دیجیو بیٹا

اور سوئے وطن جائیو جب قید سے چھٹ کر
صغرا سے یہ کہیو مری جانب سے مقرر
بی بی تجھے بھولا نہیں میں بیکس و مضطر
تھی یاد تری دل میں گلا تھا تہِ خنجر
تقدیر نے زندہ ہمیں پھیرا نہ سفر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

سجاد نے حضرت سے کہا تھام کے رقت — کیا بندے کو مرنے کی نہ دیجے گا اجازت
اس قید مصیبت سے تو بہتر ہے شہادت — بن آپ کے ہے زیست مری حق میں قیامت
یہ شدت تپ اور یہ تنہائی ہماری — گر آپ نے چھوڑا تو اجل آئی ہماری

شہ نے کہا صدقے تری مظلومی کے شبیر — اے عابد بیکس ہے یہی خواہش تقدیر
کس طرح سے تو حلق دھرے گا تہ شمشیر — پیارے ترے حصے میں تو ہے طوق گلوگیر
تا زیست تجھے باپ کے ماتم میں ہے رونا — چالیس برس تجھ کو مرے غم میں ہے رونا

ہر چند کہ ہے تم پہ فراق پدری جبر — جب تم نہ ہوئے کون بنائے گا مری قبر
آجائے گا غش روؤ نہ بیٹا صفت ابر — اب گھر میں نہ ہم آئیں گے بابا کو کرو صبر
ناموس رسول دوسرا کو تمھیں سونپا — سونپا تمھیں گھر اور خدا کو تمھیں سونپا

غش ہو گئے سجاد حزیں سن کے یہ تقریر — روتے ہوئے میداں کو چلے حضرت شبیر
صدمے سے ہوا زرد رخ زینب دلگیر — چلا کے کہا بانو نے ہے ہے مری تقدیر
اٹھتا ہے مرے شاہ کا سایہ مرے سر سے — لوگو میں چھٹی جاتی ہوں زہرا کے پسر سے

سمجھاتے تھے ایک ایک کو شہ بادل ناشاد — اے بی بیو بے فائدہ ہے نالہ و فریاد
بھولو ہمیں اب خالق اکبر کو کرو یاد — شاکر رہو ہر دکھ میں کہ حق کا ہے یہ ارشاد
یہ سن کے ہر اک تکتی تھی ہمشیر کی صورت — شہ دیکھتے تھے رو رو کے ہمشیر کی صورت

خیمے سے برآمد ہوئے آخر شہ صفدر — سب بیبیاں ڈیوڑھی پہ ہیں کھولے ہوئے سر
کیا کہیے بیاں بیکسی سبط پیمبر — بیٹا نہ بھتیجا نہ علمدار نہ لشکر
تھامے جو رکاب آپ کی تنہا نہ کوئی تھا — رہوار تھا یا راکب دوش نبوی تھا

کس یاس سے ہر چار طرف تکتے تھے سرور — دکھلائی نہ دیتا تھا کوئی مونس و یاور
رو کر کبھی چلاتے تھے او علی اکبر — دل تھام کے کہتے تھے کبھی ہائے برادر
لو جلد خبر بیکس و بے یار ہوں عباسؑ — تم تھامو رکاب آ کے تو اسوار ہوں عباسؑ

رو رو کے یہ کہتے تھے شہنشاہ دوعالم
مظلومی شبیر پہ تھا خیمے میں ماتم
ہرگز دل زینب کو قرار آیا نہ اس دم
چلائی ہوئی ڈیوڑھی سے نکلی وہ بصد غم
ای بھائی دکھاؤں کسے تنہائی تمہاری
تھامے کی رکاب آج یہ ماں جائی تمہاری

شہ نے کہا زینب تری الفت کے میں قربان
بھائی کے لیئے پردے کا تم کو نہ رہا دھیان
پھر گھوڑے کے نزدیک گئے سرور ذیشان
رو رو کے کہا لو بہن اللہ نگہبان
زینبؑ نے رکھا ہاتھ رکاب شہ دیں پر
شبیر ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر

میداں کو چلی سید بیکس کی سواری
زینبؑ گئی خیمے میں بصد گریہ و زاری
جنگاہ میں پہونچا اسد ایزد باری
اس غیظ سے دیکھا کہ لگے کانپنے ناری
کیا رعب تھا کیا دبدبہ تھا ابن علی کا
قبضے کی طرف ہاتھ نہ بڑھتا تھا کسی کا

بچپن کا تھا مرکب تہہ ران برق کی تمثال
ہر مرتبہ چمکارتا تھا فاطمہ کا لال
کہتے تھے ستمگار نہ ہے حشمت و اجلال
دیکھو تو ذرا شوکت شبیر خوش اقبال
لب تشنہ کئی دن شہ مظلوم رہے ہیں
پر شیر سے میداں میں کھڑے جھوم رہے ہیں

دن ہوگیا جلوے سے رخ پاک کے مہتاب
ابرو ہیں حریم حرم پاک کے محراب
ہیں نرگسی آنکھیں تو ہے چہرہ گل شاداب
لب غیرت یاقوت ہیں دندان در خوشاب
آئینہ ہے گردن تو صراحی سا گلا ہے
حضرت کا بدن نور کے سانچے میں ڈھلا ہے

للکارتے ہیں بڑھ کے رجز خواں شہ صفدر
پہچانو مرے رتبے کو ای قوم ستمگر
نانا ہے پیمبر مری ماں بنت پیمبر
بھائی حسن سبز قبا عاشق داور
میں سرو روان چمن شیر خدا ہوں
واللہ ڈرو مجھ سے میں شمشیر خدا ہوں

تم وہ ہو کہ لکھ لکھ کے خط شوق بلایا
میں وہ ہوں کہ گھر چھوڑ کے اس گرمی میں آیا
تم وہ ہو کہ بے جرم و خطا مجھ کو ستایا
میں وہ ہوں کہ شکوے کا سخن لب پہ نہ لایا
تم وہ ہو کہ تصویر پیمبر کی مٹا دی
میں وہ ہوں کہ جس نے تمھیں بخشش کی دعا دی

بے جاں کیے تم نے مرے یاور مرے پیارے
ہیں رہ گیا سب جانبِ فردوس سدھارے
تم صبح و مسا بستے ہو دریا کے کنارے
بچے موئے جاتے ہیں مرے پیاس کے مارے
مہماں کو بھی ایذا کبھی دنیا میں ملی ہے
پانی نہیں دیتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے

کچھ بولے نہ حضرت کے سخن سن کے ستم گار
اک بار بجے طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
کی سبطِ پیمبر نے علم تیغِ شرربار
بجلی کی طرح جا ہی پڑا فوج میں رہوار
دم بند ہوئے تیغ سے بیداد گروں کے
ہر چار طرف چھا گئے بادل سپروں کے

کس سے ہو بیاں تیزیِ تیغِ شہِ عالم
ہنگامِ رقم حرف کٹے جاتے ہیں باہم
کہیے اسے برقِ غضبِ خالقِ اکرم
خوں ریز و جفاکار و سرانداز و شرر دم
جس غول پہ بجلی سی وہ جا پڑتی تھی تھم کے
سر گرتے تھے مانند تگرگ اہلِ ستم کے

میداں میں زبس خون کے دریا کا ہوا جوش
مچھلی کی طرح لوٹتے پھرتے تھے زرہ پوش
نامی جو بہادر تھے نہ تھا ان میں ذرا ہوش
تھا شور کہ بس شمعِ حیات اب ہوئی خاموش
کیا جانے بھلا سبطِ پیمبر کے برابر
اک برق نکل جاتی ہے دو کر کے برابر

کیا تیغ تھی کیا ضرب تھی العظمۃ للہ
ہاں کوہ جو ہووے تو کٹے مثلِ پرِ کاہ
دم لینے نہ دیتے تھے کسی کو شہِ ذی جاہ
دوزخ کی طرف رن سے چلے جاتے تھے گمراہ
سو جان سے فدا ضربتِ دستِ شہِ دیں پر
کتنے ہی تڑپتے نظر آتے تھے زمیں پر

کرتا ہے علم سیفِ زباں راوی پُر غم
لڑتے ہوئے دریا پہ جو پہنچے شہِ عالم
تھے گھاٹ جو روکے ہوئے واں سیکڑوں ظالم
اک حملے میں ان سب کو کیا درہم و برہم
آئی جو ہوا اسپِ شہِ تشنہ دہاں کو
لٹکا دیا پانی پہ نظر کر کے دہاں کو

حضرت نے جو دیکھا کہ بہت تشنہ ہے رہوار
ٹھکرا کے منہ سے ڈال دیا نہر میں اک بار
فرمایا کہ سیراب ہو اے اسپِ وفادار
پر چھا ہے ابھی گھیر نہ لیں پھر کہیں کفار
اور میں تو کبھی پانی سے لب تر نہ کروں گا
پیاسے مرے عباس ہیں پیاسا ہی مروں گا

بے جاں ہوئے پانی سے تڑپ کر علی اکبر　　ہاتھوں پہ مرے تشنہ دہن مر گئے اصغر
دم توڑتی ہے خیمے میں پیاسی مری دُختر　　اے گھوڑے تو منصف ہے میں پانی پیوں کیونکر
اب دل کو مرے ساغرِ کوثر کی ہوس ہے　　اور حلق کو آبِ دمِ خنجر کی ہوس ہے

راکب کی جو تقریر سُنی گھوڑے نے ساری　　اک ندی ہوئی آنسوؤں کی چشموں سے جاری
رو رو کے یہ کی عرض کہ اے عاشقِ باری　　سیراب ہوں میں اور نہ سمجھے پیاس تمھاری
حضرت کی طرح آپ سے بیزار ہوں آقا　　میں بھی نہ پیوں گا کہ وفادار ہوں آقا

رونے لگے یہ سُن کے شہِ بیکس و بے پر　　پھر سوچ کے کچھ پانی بھرا چلو کے اندر
چاہا جو ہیں شہ نے کہ لب خشک کریں تر　　چلا کے یہ تب کہنے لگا ایک ستمگر
پانی سے ابھی حلق نہ تر کیجیے حضرت　　گھر لٹتا ہے ہاں جلد خبر لیجیے حضرت

تاراج ہوا اہلِ حرم کا زر و زیور　　سیدانیاں خیمے سے نکل آئی ہیں باہر
یہ سُنتے ہی شاہِ دو جہاں ہو گئے مضطر　　اُس پانی کو بس پھینک دیا نہر کے اندر
لے تیغِ دو دم ہاتھ میں گھوڑے پہ سنبھل کر　　خیمے کو لگے دیکھنے دریا سے نکل کر

گھر سیدِ مظلوم کا سالم نظر آیا　　مطلق اثر اُس شامی کی باتوں کا نہ پایا
عباس کے لاشے کو جو دیکھا تو سُنایا　　اے بھائی خبر لو ہمیں اعدا نے ستایا
گھر ہو گیا ویراں علی اکبر گئے مارے　　اُٹھ کر ہمیں پُرسا دو کہ اصغر گئے مارے

رو رو کے ابھی کہتے تھے یہ سبطِ پیمبر　　جو گھیر لیا فوج ستمگار نے آ کر
تیر ایسے پڑے چھن گیا سارا تنِ انور　　سینے پہ پڑیں برچھیاں اور پہلو پہ خنجر
ٹکڑے ہوا تیغوں سے عمامہ شہِ دیں کا　　آلودہ خوں ہو گیا جامہ شہِ دیں کا

زخمی جو بہ شدت ہوا زہرا کا وہ جانی　　طاقت تو گھٹی اور بڑھی تشنہ دہانی
تلواریں لگاتے تھے کھڑے ظلم کے بانی　　ہونٹوں پہ زباں پھیر کے شہ کہتے تھے پانی
کرتا تھا کوئی رحم نہ اُس تشنہ دہن پر　　پانی کے عوض تیر برستے تھے بدن پر

فرماتے تھے افسوس نہ رتبہ مرا جانا — اے ظالمو اچھا نہیں زہرا کا ستانا
سمجھے ہو کہ نہ پیاسے کو پانی کا پلانا — ملبوسِ نبی کرتے ہو تیروں کا نشانا
تلواریں یہ سب چلتی ہیں حیدر کے جگر پر — پڑتے ہیں یہ سب تیر پیمبر کے جگر پر

سنتے تھے نہ مظلوم کی فریاد ستمگر — اک پیاسے پہ ٹوٹا ہوا تھا شام کا لشکر
بہہ بہہ کے لہو زخموں سے گرتا تھا زمیں پر — رہوار بھی مجروح تھا تیغوں سے برابر
لگتے تھے جو پیکانِ ستم چہرے پہ آکر — ہر مرتبہ خوں جھاڑتا تھا سر کو پھرا کر

اتنے میں چھدا تیر سے حلقِ شہِ ابرار — پیکانِ ستم گردنِ انور سے ہوا پار
حلقوم سے کھینچا جو ہیں وہ ناوکِ خونخوار — فوارے کے مانند چھٹی خون کی اک دھار
صدمہ تھا عجب دوشِ محمدؐ کے مکیں پر — گرتا تھا گریباں سے لہو دامنِ زیں پر

پیشانی پہ اک تیر لگا اور بھی کاری — آلودۂ خوں ریشِ مبارک ہوئی ساری
مل مل کے لہو چہرے پہ وہ عاشقِ باری — کہتا تھا کچھ امت نے نہ کی قدر ہماری
فردوس میں جا کر یونہیں بابا سے ملوں گا — جنت میں اسی طرح سے نانا سے ملوں گا

ناگاہ بنِ وہب نے اک برچھی لگائی — تھی زہر میں ظالم نے سناں اس کی بجھائی
وہ دلبرِ زہرا کے کلیجے میں در آئی — گردن شہِ مظلوم نے ہرنے پہ جھکائی
سنبھلا نہ گیا دوشِ محمدؐ کے مکیں سے — یا شبیر خدا کہہ کے گرے خانۂ زیں سے

سب زخمِ بدن پھٹ گئے گرتے ہی زمیں پر — بسمل کی طرح خوں میں تڑپنے لگے سرور
آلودہ ہوئے خاک سے گیسوئے معنبر — تلواریں لگانے لگے گرد آ کے ستمگر
تھی خشک زباں بول نہ کچھ سکتے تھے حضرت — مظلومی سے ایک ایک کا منہ تکتے تھے حضرت

چلاتی تھی ڈیوڑھی پہ کھڑی خواہرِ شبیر — اس بیکسی مظلومی کے صدقے ہو یہ ہمشیر
دم توڑتے ہو پانی پلاتے نہیں بے پیر — اب ان میں نکل آتی ہوں میں بیکس و دلگیر
تلواریں پڑیں گی تو نہ گھبراؤں گی بھائی — میں آپ کو خیمے میں اٹھا لاؤں گی بھائی

ریتی پہ پڑے ہو تمھیں کون اٹھائے
ہے ہے کسے بھیجوں جو لعینوں سے بچائے
ہے ہے کہوں کس سے کہ تمھیں پانی پلائے
ہے ہے کسے ماں جائی ترا حال دکھائے
یا حیدرِ صفدر تمھیں امداد کو پہونچو
بھائی کا گلا کٹتا ہے فریاد کو پہونچو

فریاد سنی زینبِ ناشاد کی جس دم
خیمے کی طرف تکنے لگے سیدِ اکرم
دیکھا کہ یہ ہے خواہرِ غم دیدہ کا عالم
سر پیٹتی ہے ہاتھوں سے اور کرتی ہے ماتم
تھامے ہیں کئی بیبیاں اس خستہ جگر کو
اس صدمے سے غش آگیا زہرا کے پسر کو

لشکر سے بڑھا شمر لعیں کھینچ کے خنجر
فریاد ہے چھاتی پہ چڑھا شہ کے ستمگر
زانو سے دبا سینۂ زخمی جو سراسر
اس وقت لہو منہ سے اگلنے لگے سرور
خنجر کو رکھا شہ کے گلے پر جو لعیں نے
تکبیر کہی کھول کے آنکھیں شہِ دیں نے

ظالم کو زباں سوکھی دکھائی کئی باری
پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
جب تک کہ نہ گردن کی رگیں کٹ چکیں ساری
تکبیر رہی شہ کے لبِ خشک پہ جاری
جس وقت جدا ہو گیا سر تیغ سے کٹ کر
خم ہو گیا قبلے کی طرف جسم الٹ کر

غل پڑ گیا بے سر ہوا سردارِ دو عالم
خنجر سے دل و جانِ نبی ہو گیا بیدم
خاموش انیس اب کہ پڑا بزم میں ماتم
اب خالقِ اکبر سے دعا مانگ یہ اس دم
غیر از غمِ شبیر کوئی غم نہ دکھا دے
یارب مجھے تو قیدِ تفکر سے چھڑا دے

رباعی

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے
گویا کہ زباں کلیدِ گنجینہ ہے

مرثیہ (۱۹)

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے
یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب
ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں پُر آب
تیغ سے دیتے ہیں ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف میں جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سیکڑوں تیرِ ستم تن سے گزر جاتے ہیں

گیسو آلودۂ خوں لپٹے ہیں رخساروں سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہیں تلواروں سے
تیر پیوست ہیں خوں بہتا ہے سوفاروں سے
لاکھ آفت میں ہے اک جان دل آزاروں سے
فکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی
وار سے تیغوں کے فرصت نہیں دم لینے کی

خوں میں تر پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے
ہے جبیں چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیوں سے تا بہ کمر زخمی ہے
تیرِ بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بیکار ہیں بازو دونو
ظلم کے تیروں سے مجروح ہیں پہلو دونو

برچھی آ کر کوئی پہلو میں لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آ جاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھیں ہیں سر اک جھکا جاتا ہے
گردِ زہراؑ و علیؑ گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امامِ دو جہاں گرتے ہیں

گرتے ہیں قطرۂ خوں زخمِ جبیں سے پیہم
دستِ مجروح سے کھینچ سکتے نہیں تیرِ ستم
فکر ہے بخششِ امت کی کچھ اپنا نہیں غم
کرتے ہیں شکرِ خدا خشک زباں سے ہر دم
ہے عبا تیروں سے غربال قبا گلگوں ہے
ہونٹھ یاقوت سے زخمی ہیں دہن پر خوں ہے

زیں سے ہوتا ہے جدا دوشِ محمدؐ کا مکیں
برچھیاں گرد ہیں اور بیچ میں ہیں سرورِ دیں
پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں
چمنِ فاطمہ کا سرو ہے مائل بہ زمیں
ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگیں
یا علیؑ کہتی ہے زینب تو سنبھل جاتے ہیں

لاکھ تلواریں ہیں اور ایک تنِ اطہر ہے
سیکڑوں خنجرِ فولاد ہیں اور اک سر ہے
باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہیں
ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
سامنے اہلِ حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں

کوئی سید کا نہیں آہ بچانے والا
پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
حربے لاکھوں ہیں اور اک زخم اُٹھانے والا
سنبھلے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
مارے گرمی کے زباں خشک ہے لو چلتی ہے

کہیں دم لینے کو سایہ نہیں ہے وقتِ زوال
کبھی زینب کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
مثلِ خورشید بدن ضعف سے تھرّاتا ہے
اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس کی شدت ہے کمال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال
نیرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر
اہلِ کیں کہتے ہیں یہ تیغِ ستم چمکا کر
پنجتنؑ سن کے بھی غصہ نہیں فرماتے ہیں
بہرِ حق پانی کا ایک جام پلا دو لاکر
آبِ شمشیر پیو برچھیوں کے پھل کھا کر
پاس سے سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہیں

عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے ربِ غفور
کرتے ہیں یہ مجھے بے جرم و خطا تیغوں سے چور
جانتے ہیں کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور
ہاتھ اُمت پہ اُٹھانا نہیں مجھ کو منظور
پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں

تو نے بچپن سے مرے ناز اُٹھائے یارب
تیرا محبوب بنا عید کو میرا مرکب
بھوک میں خلد کا کھانا مجھے امداد کیا
وہ عنایت کیا جو تجھ سے کیا میں نے طلب
روزہ رکھا تو چھپا مہر نمایاں ہوئی شب
بھیج کر ہرنی کا بچا مرا دل شاد کیا

اب اگر ہی یہ تری مصلحت ای ربِّ قدیر
میرے مولا بسر و چشم ہی حاضر شبیرؔ
جلد گردن پہ رواں خنجرِ بُرّاں ہووے

غم نہیں کچھ مجھے گو بیکس و بے یار ہوں میں
تو مددگار ہی مختار ہی لاچار ہوں میں
تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جاوے

سختیاں مرگ کی کر اپنے کرم سے آساں
دل میں ہو یاد تری بند ہو جس وقت زباں
بعد جہلم جو مجھے قبر میسر ہووے

رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں ای بارِ خدا
خوفِ محشر سے بدن کا نپتا ہی سر تا پا
کوئی تحفہ ترے لایق نہیں پاتا ہی حسینؑ

تقویت دل کو کرم سے ہی ترے یا رحماں
مشکلیں بندوں کی کر دیتا ہی دم میں آساں
عاصیوں سے بھی محبت نہیں کم کرتا ہی

میں تری راہ میں مظلومی سے ہوتا ہوں فدا
چاہتا ہوں میں یہی اپنی شہادت کا صلہ
ہی گوارا مجھے جو کچھ کہ اذیت ہووے

عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہ بندہ نواز
ای مرے شبّر کے فرزند نبی کے دمساز
مرد ہی عاشق کامل ہی وفادار ہی تو

ہو رواں حلق پہ اس پیاسے کے آبِ شمشیر
حکم حاکم ہیں یہ طاقت ہی کروں میں تاخیر
ای خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہووے

زیرِ شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں
وقتِ مشکل ہی عنایت کا طلبگار ہوں میں
عہدِ طفلی کا جو وعدہ ہی وفا ہو جاوے

لب پہ تکبیر ہو جب حلق پہ خنجر ہو رواں
دم بھروں تیرا ہی تن سے جو نکلنے لگے جاں
زخمی تن پر نہ فشار اس مرے اور ہووے

بندگی کا ترے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
ہوگی اعمال کی پرسش تو کہونگا میں کیا
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہی حسینؑ

نہیں مایوس کہ رحمت ہی تری بے پایاں
شکرِ الطاف و عنایات میں قاصر ہی زباں
جرم وہ کرتے ہیں تو لطف و کرم کرتا ہی

تو ہی آگاہ کہ دو دن کا ہوں بھوکا پیاسا
مغفرت امّتِ عاصی کی ہو ای بارِ خدا
اُن کو دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی راحت ہووے

یک بیک عالمِ بالا سے یہ آئی آواز
تجھ سے ہم خوش ہیں پسند آیا ہی ترا عجز و نیاز
جو کہا وہ ہی کیا صادق الاقرار ہی تو

تو بھی مقبول ہے اور تیری عبادت بھی قبول
یہ اطاعت بھی ہے مقبول یہ طاعت بھی قبول
عاجزی بھی تری مقبول شہادت بھی قبول
تیری خاطر سے ہمیں بخششِ اُمت بھی قبول
ہم نے خیلِ شہدا کا تجھے سردار کیا
اُمتِ احمدِ مختار کا مختار کیا

دوست داروں کا ترے گلشنِ جنت ہے مقام
تا ابد سایۂ طوبیٰ میں کریں گے آرام
ہوں گے محشور ترے ساتھ عزادار تمام
تجھ کو جو روئیں گے آنچ اُن پہ ہے دوزخ کی حرام
غم نہ کھا اہلِ جہاں تیرے محب سارے ہیں
تو ہے پیارا ترے پیارے بھی ہمیں پیارے ہیں

ہوں گے ہر رنج سے محفوظ ترے تعزیہ دار
سختیِ مرگ نہ اُن کو ہے نہ ایذائے فشار
دمِ مردن نظر آوے گا علی کا دیدار
قبر سے گلشنِ فردوس کی دیکھیں گے بہار
دارِ دنیا ہی میں ہیں جو سو انھیں ایذا ہے
آنکھیں جب بند ہوئیں پھر درِ جنت وا ہے

تجھ سا عابد نہ ہوا ہے نہ کوئی ہووے گا
تیر کھا کھا کے کسی نے بھی ہے یوں شکر کیا
طاعتِ خلق سے اک سجدہ ہے افضل تیرا
عرشِ اعظم پہ ملایک تری کرتے ہیں ثنا
سارا گھر میری محبت میں فنا تو نے کیا
بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا

حشر تک رووے گا مظلومی پہ تیری عالم
تیرا ماتم نہیں ہووے گا جہاں میں کبھی کم
روضۂ پاک کو تیرے یہ شرف بخشیں گے ہم
آئیں گے جس کی زیارت کو ملک ہو کے بہم
یہ زمیں عرش سے رتبے میں سوا ہووے گی
خاک تربت کی تری خاکِ شفا ہووے گی

یہ صدا سُن کے ہوئے شاد شہِ ہر دو سرا
آگئی از سرِ نو جسم میں طاقت گویا
جھک کے سجدے کی طرف عجز سے رو کر یہ کہا
میرے مولا میں تری بندہ نوازی کے فدا
کیوں نہ ممتاز ہو وہ تو جسے رتبہ بخشے
اس کفِ خاک کو کیا رتبۂ اعلیٰ بخشے

ابھی مولا نے سرِ عجز اُٹھایا نہ تھا آہ
نیزہ ایک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امامِ ذی جاہ
آئی خاتونِ قیامت کی صدا بسم اللہ
تھامنے آئے علی خلد سے گھبرائے ہوئے
دوڑے محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

اک جفاکیش نے پھر پہلو پہ نیزہ مارا
چھد گیا توڑ کے چھاتی کو کلیجہ سارا
پشت تازی پہ سنبھلنے کا نہ پایا یارا
گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
گرد آلود قبائے شہ پرنور ہوئی
ریت زخموں کے لیے مرہم کافور ہوئی

خاک و خوں میں جو تڑپتے تھے شہنشاہ زمن
گل کے مانند کھلے جاتے تھے سب زخم بدن
طالب آب ہیں کھولے ہوئے تھے خشک دہن
گرد کھینچے ہوئے تلواریں کھڑے تھے دشمن
غم ناموس بھی تھا پیاس کی بھی شدت تھی
پھر سکینہ کو نہ دیکھ آئے یہی حسرت تھی

کان میں آتی تھی زینب کی صدا گاہ بگاہ
دل تڑپ جاتا تھا کرتے تھے عجب درد سے آہ
راہ روکے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ
نیم وا چشم سے کرتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
تن زخمی پہ جو پیکان ستم گڑتے تھے
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے

کہتا تھا فوج میں سب سے عمر بد اختر
کھینچے کیوں تیغوں کو ہاتھوں میں کھڑے ہو ششدر
ریگ تفتیدہ پہ ہے غش میں علی کا دلبر
جاؤ کیا دیر ہے کاٹو شہ مظلوم کا سر
تیغ سے فاطمہ زہرا کا گلا چاک کرو
جلد ہاں خاتمہ پنجتن پاک کرو

ایسے مظلوم کا سر کاٹنا کیا ہے دشوار
جس کا کوئی بھی مددگار نہ ہمدرد نہ یار
عورتیں ہیں کئی خیمے میں غریب و ناچار
مر چکے پہلے ہی جو خون کے تھے دعویدار
خوں بہا بھی نہ کوئی مانگنے کو آوے گا
اک پسر ہے سو وہ بیمار ہے مر جاوے گا

کانپ کر کہتے تھے سب ہم سے نہ ہوگا یہ ستم
ذبح فرزند محمدؐ کو نہیں کرنے کے ہم
ایسے مظلوم کی چھاتی پہ جو رکھے گا قدم
پاؤں جل جائے گا تھرائے گا عرش اعظم
پیٹتے قبر سے محبوب خدا آویں گے
بخدا فاطمہؓ کی آہ سے جل جاویں گے

کون بیکس کو بھلا ذبح کرے بے تقصیر
پھیرتا ہے کوئی پیاسے کے گلے پر شمشیر
گو کہ بیکس ہے پہ آساں نہیں قتل شبیر
حشر میں ہوئیں گے محبوب خدا دامنگیر
تو سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی خوں خواہ نہیں
بنت احمد نہیں حیدر نہیں اللہ نہیں

تھا جو دمساز عمر ابن نمیر ظالم
بڑھ کے تیغ اس نے سر شاہ پہ ماری اس دم
تا جبیں ہو گیا مجروح سر شاہ امم
تھام کر سر کو پکارے یہ امام عالم
نہ میسر تجھے اس ہاتھ سے کھانا ہووے
تو ہی دست جہنم کو روانہ ہووے

چاہا ظالم نے کہ پھر شہ پہ کرے تیغ کا وار
دیکھا انگشت بدنداں ہیں رسول مختار
خشک اس وقت ہوئے دست ستمگر یکبار
ہاتھ سے تیغ گری خوف سے بھاگا خونخوار
یاں سر پاک سے حضرت کے لہو جاری تھا
خم سوئے قبلہ تھے بند آنکھیں تھیں غش طاری تھا

جب تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی سرور کو
غل ہوا یہ کہ غش آیا خلف حیدر کو
فوج سے شمر بڑھا کھینچے ہوئے خنجر کو
سب سے کہتا تھا کہ اب کاٹو سر سرور کو
خلف احمد مختار کا قاتل ہوں میں
کام میرا ہے اسی کام کے قابل ہوں میں

مجھ کو حیدر سے غرض ہے نہ محمد سے ہے کام
روویں محبوب خدا ہووے خوشی حاکم شام
دولت فاطمہ لے جاؤں میں پاؤں انعام
روح حیدر کی ہو بے چین مجھے ہو آرام
منھ نہ میں دولت دنیا سے کبھی پھیروں گا
آج زہرا کے کلیجے پہ چھری پھیروں گا

تیز کرتا ہوا خنجر کو گیا شہ کے قریں
آسماں ہل گیا تھرا گئی مقتل کی زمیں
رو رو چلانے لگی زینب ناشاد حزیں
غش میں بھی گھیرے ہیں ہے ہے مرے بھائی کو لعیں
رحم زہرا کے پسر پر نہیں کھاتا کوئی
خاک سے بھی نہیں زخمی کو اٹھاتا کوئی

کس سے فریاد کروں جا کے میں دکھیا ہے ہے
نہ محمد ہیں نہ حیدر ہیں نہ زہرا ہے ہے
لاکھ دشمن ہیں مرا بھائی ہے تنہا ہے ہے
تیغوں سے کٹتا ہے زہرا کا کلیجہ ہے ہے
سرو گلزار رسالت کو قلم کرتے ہیں
ہائے سید پہ مسافر پہ ستم کرتے ہیں

گرد زینب کے تھا ناموس پیمبر کا ہجوم
بانو روتی تھی کھڑی پیٹتی تھی سر کلثوم
کہتی تھی دیکھ کے میداں کو سکینہ معصوم
ای پھوپھی نرغۂ اعدا میں ہیں شاہ مظلوم
جاؤں گی اب میں ٹھہرنے کی نہیں آپ کے پاس
شمر خنجر لیے جاتا ہے مرے باپ کے پاس

باپ کے پاس سے جاکر اُسے سرکاؤنگی
اپنے بابا کی میں چھاتی سے لپٹ جاؤنگی
بھوکے پیاسے مرے بابا کو نہ مارے کوئی
کتنا روکا اُسے بانونے پہ ہرگز نہ رُکی
پیچھے سرکھولے ہوئے خیمے سے زینبؑ نکلی

اولعیں حیدرِ کرار کی پوتی ہوں میں
دیکھ غربت کو مری کر مرے بچپن پہ نظر
سر پہ آوے گی یتیمی تو میں جاؤنگی کدھر
باپ بن ایک دم آرام نہ آویگا مجھے
ہنسلیاں اپنی گلے سے تجھے دیتی ہوں اُتار
ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں ترے آگے ناچار
گھر میں جو کچھ زر و زیور ہے وہ لادونگی میں
بھیڑ میں مجھ کو نظر آتے نہیں بابا جاں
گرد پھر پھر کے میں ہوں اپنے پدر کے قرباں
دمِ آخر تو بھلا کام میں آؤں اُن کے
کتنا کہتی رہی وہ بنتِ شہِ عرش جناب
پیٹ کر سر کہا زینب نے کہ او خانہ خراب
ظلم مت کر اسداللہ کی جائی ہوں میں
میری اماں کا ہے مشہور جہاں میں پردہ
اُس کی بیٹی ہوں ترے ظلم سے یہ وقت پڑا
منہ کو اللہ و پیمبر سے چھپاتا ہے تو

جوڑکر ہاتھوں کو منت سے میں سمجھاؤنگی
خیمے تک اُن کو سنبھالے ہوئے لے آؤنگی
اُن کے بدلے مرا سر تن سے اتارے کوئی
چھوٹے سے ہاتھوں کو سر پیٹتی میداں کو چلی
پہونچی رن میں تو سکینہ یہ عمر سے بولی
رحم کر مجھ پہ کہ بن باپ کی ہوتی ہوں میں
باپ مارا گیا میرا تو جیوں گی کیونکر
میں تو ہوں باپ کی شیدا مرا عاشق ہے پدر
کون پھر رات کو چھاتی پہ سلا ویگا مجھے
لے مرے کان کا دُر پر مرے بابا کو نہ مار
منع کر دے کوئی بیکس کو نہ مارے تلوار
جان بابا کی بچے گی تو دُعا دونگی میں
اتنا کہدے کہ سرک جائیں سب اہلِ ایماں
جاکے دیکھونگی بدن پر ہیں لگے زخم کہاں
اپنے کرتے سے لہو منہ کا چھڑاؤں اُن کے
اُس ستم گر نے دیا کچھ نہ سکینہ کو جواب
تجھ کو آتا نہیں کچھ روحِ پیمبر سے حجاب
ننگے سر پردے سے باہر نکل آئی ہوں میں
بعدِ رحلت بھی جنازہ نہ کسی نے دیکھا
برہنہ تن ہوں گریباں ہے پھٹا سر ہے کھلا
میں تو فریادی ہوں اور آنکھ چراتا ہے تو

مارا جاتا ہی ترے سامنے زہرا کا پسر
دیکھتا ہی تو یہ تلواریں ہیں پڑتی کس پر
تیر کس کو لگے غربال ہوا کس کا جگر
ذبح کرنے کو کسے کھینچے ہیں ظالم خنجر
دلِ زہرا جگرِ شیرِ خدا کٹتا ہی
ظلم سے تیرے محمدؐ کا گلا کٹتا ہی

قتل مظلوم کو کیوں کرتا ہی بے جرم و گناہ
اب تلک میں نے بہت صبر کیا ہی واللہ
دل جلی ہوں ابھی سینہ سے کھینچوں گر آہ
تو بھی جل جائے تری فوج بھی ہو خاک سیاہ
بد دعاؤں میں تو نازل ابھی آفت ہووے
سر کے بالوں کو جو کھولوں تو قیامت ہووے

غش میں حضرت نے سُنے جبکہ یہ زینبؑ کے سخن
کھول کر دیدۂ پُرخوں کو اُٹھائی گردن
دیکھا سر ننگے کھڑی روتی ہی مقتل میں بہن
بنتِ زہرا کو پکارے یہ شہنشاہِ زمن
کیا کیا تم نے کہ پردے سے کھُلے سر نکلیں
جیتے جی میرے سرا پردے سے باہر نکلیں

کس کو سمجھاتی ہو کوئی نہ سُنے گا فریاد
باز آئے گا نہیں قتل سے میرے جلّاد
جتنا تم پیٹتی ہو اور لعیں ہوتے ہیں شاد
حشر کے روز خدا دیوے گا اس خون کی داد
شوق مرنے کا ہی سر تن سے جدا ہونے دو
جاؤ گھر میں مجھے امت پہ فدا ہونے دو

گود میں میری سکینہ کو اُٹھاؤ ہمشیر!
کوئی اصغر کی طرح مار نہ بیٹھے اسے تیر
پھر یہ بیٹی کو پکارے ترے صدقے شبیرؑ
تو بھی جا ساتھ پھوپھی جان کے اب اے دلگیر
وقتِ طاعت ہی ذرا یادِ خدا کر لیویں
ہم بھی اب آتے ہیں سجدے کو ادا کر لیویں

کہہ کے یہ غش ہوئے پھر رن میں شہنشاہِ امم
شمرِ ظالم نے رکھا سینۂ اقدس پہ قدم
جگرِ فاطمہ زہرا پہ چلی تیغ دو دم
آگے زینبؑ کے ہوئے ذبح حسینؑ آہ ستم
پیٹ کر بنتِ شہنشاہِ زمن رونے لگی
باپ کو بیٹی برادر کو بہن رونے لگی

فتح کا فوجِ مخالف میں بجا نقارہ
غل ہوا قتل ہوا شیرِ خدا کا پیارا
بس انیسؔ اب نہیں گویائی کا مجھ کو یارا
غم سے خوں ہو گیا سینہ میں کلیجہ سارا
کس سے اس دردِ مصیبت کا بیاں ہوتا ہی
آنکھیں روتی ہیں قلم روتا ہی دل روتا ہی

مرثیہ (۲۰)

جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں
کوئی نہ رہا شہ کے عزیز و رفقا میں
غل آمدِ سرمد کا ہوا اہلِ جفا میں
بڑھنے لگیں لشکر کی صفیں دشتِ وغا میں
تھا حکم کہ کھولے نہ کوئی تیغ کمر سے
لڑنا ہے ابھی فاتحِ خیبر کے پسر سے

اب معرکہ آرائے وغا ہوئے گا وہ شیر
قبضے میں ہے جس کے اسداللہ کی شمشیر
عالم کے زبردستوں کو کردے گا وہی زیر
ہشیار خبردار کہ آنے میں نہیں دیر
تنہا نہ سمجھنا خلفِ شاہِ نجف کو
ہووے گا جو برہم تو الٹ دے گا وہ صف کو

غیظِ پسرِ فاطمہؑ ہے قہرِ الٰہی
صابر کو جلال آیا تو پھر آئی تباہی
آج اپنی شہادت جو نہ اس غازی نے چاہی
اک حملے میں بے سر ہیں یہ دو لاکھ سپاہی
بربادی امت اُسے منظور نہیں ہے
مختارِ دو عالم ہے وہ مجبور نہیں ہے

فرزند وہ اس کا ہے جو تھا قاتلِ کفار
خیبر میں چلی لاکھوں پہ جس شیر کی تلوار
شبیر بھی اقلیمِ شجاعت کا ہے مختار
ہے زور وہی اور وہی تیغِ شرربار
دُنیا میں کوئی اُس پہ ظفر پا نہیں سکتا
ہو سارا جہاں ایک تو بر آ نہیں سکتا

گو تین شب و روز سے لب تشنہ ہے شبیر
دکھلائے گا پر فاطمہ کے دودھ کی تاثیر
اک بولا کہ مظلوم ہے وہ بیکس و دلگیر
طاقت ہے کہاں اتنی کہ اب کھینچ سکے شمشیر
بازو تو شکستہ ہے برادر کے الم میں
ٹکڑے ہے کلیجہ علی اکبر کے الم میں

فرزند کو جس وقت سے برچھی لگی کاری
اُس وقت سے اک ضعف ہے شبیر پہ طاری
جب ڈھونڈھتے تھے لاش کو باگریہ و زاری
دیکھا تھا کہ رستے میں گرے تھے کئی باری
احوال یہ تھا ضعف سے فرزندِ علی کا
لاشہ نہ اُٹھا یا گیا ہمشکلِ نبی کا

جب تیر لگا تھا علی اصغر کے گلے پر
جوں بید کھڑے کانپتے تھے ضعف سے سرور
کمزور تھا ایسا پسرِ فاتحِ خیبر
ہاتھوں سے گری پڑتی تھی لاشِ علی اصغر
اُس وقت عجب حال سے تھراتے تھے شبیر
ہر کام پہ تیورا کے ٹھہر جاتے تھے شبیر

قتلِ پسرِ فاطمہ اب کچھ نہیں دشوار
ہمراہ نہ اکبر ہے نہ عباسِ علمدار
کیا لاکھوں سے بر آئے گا وہ بیکس و ناچار
جس کا نہ کوئی یار نہ مونس نہ مددگار
زخمی ہے جگر سبطِ رسولِ مدنی کا
اب بازوؤں میں زور کہاں تیغ زنی کا

ہاں تیروں کو چلّوں سے کمانوں کے ملا دو
اور چوکیاں دریا پہ سواروں کی بٹھا دو
باقی ہے لڑائی یہی اب جان لڑا دو
دُنیا سے محمد کی نشانی کو مٹا دو
سب ٹوٹ پڑو ول کے اگر طالبِ زر ہو
شبیر ہو بے سر تو مہم جنگ کی سر ہو

اب جنگ میں کوشش کرو جانیں نہ چھپاؤ
شبیر کی آمد ہے پرے جلد جماؤ
مقتل میں لہو سبطِ پیمبر کا بہاؤ
حاکم کی خوشی کے لیے زہرا کو رُلاؤ
شمشیر سے کاٹو سرِ فرزندِ نبی کو
گُل کر دو چراغِ لحدِ مرتضوی کو

یہ ذکر تھا جو لایا خبر پیکِ صبادم
خیمے سے برآمد ہوئے شاہنشہِ عالم
پوچھا عمر سعد نے کیا شور ہے اس دم
وہ بولا کہ ڈیوڑھی پہ ہے اک حشر کا ماتم
سمجھاتے ہیں شہ گھر میں نہیں جاتی ہیں رانڈیں
سر کھولے ہوئے پیچھے چلی آتی ہیں رانڈیں

گھوڑے کی طرف بڑھتے ہیں جب سبطِ پیمبر
سیدانیاں قدموں سے لپٹ جاتی ہیں آکر
اور چھوٹی سی اک لڑکی ہے پہنے ہوئے گوہر
ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی وہ دامنِ سرور
بہلاتے ہیں گودی میں بھی لیتے ہیں شبیر
پر جب وہ مچلتی ہے تو رو دیتے ہیں شبیر

شہ کہتے تھے ماں واری ہو ہم بھی ہیں آتے
تم پیاسی ہو ہم پانی کے لینے کو ہیں جاتے
وہ کہتی ہے جی ڈرتا ہے اب پانی منگاتے
پانی ہی اگر لاتے تو عباسؑ نہ لاتے
بس اب نہ رُلاؤ میں بہت رو چکی بابا
عمو کو تو پانی کے لیے کھو چکی بابا

بہلا کے اُسے گھوڑے پہ جب چڑھنے لگے شاہ کوئی نہ تھا جو تھامے رکابِ شہِ ذیجاہ
حسرت سے اِدھر اور اُدھر دیکھ کے کی آہ خیمے سے عیاں ایک ضعیفہ ہوئی ناگاہ
زہرا سے نہ کچھ شانِ بزرگی میں وہ کم تھی پر بال پریشاں تھے کمر ضعف سے خم تھی
چلاتی تھی اس طرح وہ گردوں کی ستائی ٹھہرو کہ میں لینے کو رکاب آتی ہوں بھائی
افسوس ہے کس وقت میں ہوتی ہے جدائی مرنے کو چلے آپ مجھے موت نہ آئی
صدمہ عجب اس دم ہے شہِ جن و بشر کو رہوار بھی روتا ہے جھکائے ہوئے سر کو

اُس بی بی نے جب پکڑی رکابِ شہِ ابرار تب فاطمہ کا لال ہوا گھوڑے پہ اسوار
لپٹی ہوئی گردن سے وہ کہتی تھی یہ ناچار اے گھوڑے محمدؐ کے نواسے سے خبردار
ہے وقتِ رفاقت یہ مصیبت کی گھڑی ہے اسوار ترا راکبِ دوشِ نبوی ہے
جاسوس نے جس وقت کہا ماجرا سارا ہونے لگے میداں میں صف آرا ستم آرا
یک بار نکل کر یہ لعینوں نے پکارا ہشیار کہ آیا اسد اللہ کا پیارا
ہے آج محمدؐ کے نواسے سے لڑائی دریا سے نہ ہٹنا کہ ہے پیاسے سے لڑائی

ناگاہ ہوئے سرورِ ذیجاہ نمودار گویا کہ ہوئی قدرتِ اللہ نمودار
اک نورِ الٰہی تھا سرِ راہ نمودار سب کہتے تھے ہوتا نہیں یوں ماہ نمودار
کس دبدبے سے شام کے لشکر پہ چلے تھے گویا کہ علی غزوۂ خیبر پہ چلے تھے
تھی فتح و ظفر پکڑے رکابِ شہِ ابرار آنکھوں سے لگاتے تھے ملائک سمِ رہوار
اقبال جو خادم تھا تو نصرت تھی نمودار اور فاطمہ کی روح تھی بیٹے کی جلودار
پہلو میں نواسے کے نبی خاک بسر تھے پر کھولے ہوئے حضرتِ جبریل سپر تھے

چہرے سے ہویدا تھا جمالِ اسد اللہ رحمت تھی نبی کی تو جلالِ اسد اللہ
بے مثل تھے عالم میں مثالِ اسد اللہ موجود تھے سب وصفِ کمالِ اسد اللہ
غربت بھی سخاوت بھی مروت بھی ادب بھی صولت بھی شجاعت بھی تھی حلم بھی غضب بھی

پیشانیِ روشن سے خجل نورِ رخِ بدر
رخ تھا سحرِ عید تو گیسو تھے شبِ قدر
تھا مصدرِ الہامِ خدائے دوجہاں صدر
سو اُس پہ چلے تیر یہ اُمت نے کیا غدر
زخمی کیا وہ سینہ ہر اک دشمنِ دیں نے
تیر اک طرف پاؤں دھرا شمرِ لعیں نے

ابرو کی کمانوں کی زہے قدر زہے شان
ہر گوشہ پہ جن کے ہو دلِ فاطمہ قرباں
محرابِ عبادت ہیں پئے صاحبِ ایماں
کافر کے لیے تیغِ ہلالی سرِ میداں
جوہر سا ہر اک موئے سیہ پیشِ نگہ ہے
تلوار کی آنکھوں پہ شجاعوں کی جگہ ہے

وہ دیدۂ حق بیں مئے وحدت سے ہیں سرشار
دن رات جو طاعت میں خدا کی رہے بیدار
ہے عینِ خطا کہیے اگر نرگسِ بیمار
آنکھوں کو چراتے ہیں وہاں آہوئے تاتار
وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں شام و سحر میں
دُنیا کی سپیدی و سیاہی ہے نظر میں

وہ ریشِ مطہر وہ رخِ حضرتِ شبیر
تھی سورۂ واللیل پہ والفجر کی تفسیر
وہ مصحفِ رخسار تھے صرفِ تبر و تیر
جدول کے عوض اُس پہ کھچے تھے خطِ شمشیر
سی پارہ تھا ہر جزو یہ احوال تھا تن کا
شیرازہ کھلا جاتا تھا اجزائے بدن کا

وہ لب کہ جو شیرینی میں تھے قند سے بہتر
چوما تھا جنھیں احمدِ مرسل نے مکرر
یاقوت کا کیا ذکر جو ہو اُن سے برابر
خاتونِ قیامت کا یہ لعل اور وہ پتھر
وہ حمدِ الٰہی کا سزاوار کہاں ہے
ہو سرخ پہ شیرینیِ گفتار کہاں ہے

یہ لب لبِ کوثر ہے لبِ نہرِ لبن ہے
یاں کب دہنِ نطق کو یارائے سخن ہے
دانتوں کو کہوں گر کہ ہر اک دُرِّ عدن ہے
کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضمونِ کہن ہے
نہ پارۂ الماس نہ گوہر انھیں کہیے
شہ کو فلکِ حسن تو اختر انھیں کہیے

اوصاف بیاں ہو نہیں سکتا ہے زباں سے
ہو کام اُسے حمدِ خدائے دوجہاں سے
اعجاز ہے عیسیٰ کا عیاں اُس کے بیاں سے
برگِ گلِ تر لائے نزاکت یہ کہاں سے
بے آبی سے جو حال بہت تنگ ہوا ہے
کانٹے ہیں پڑے پیاس سے یہ رنگ ہوا ہے

بازو ہیں کہ شاخِ شجرِ حسن و صفا ہیں ساعد نہیں آئینۂ انوارِ خدا ہیں
دونوں جو کفِ دست ہیں دریائے عطا ہیں اور انگلیاں مانندِ علی عقدہ کشا ہیں
شرمندگی ہے بدر کو ناخن کی یہ ضو ہے اک اس کا تراشا ہوا ناخن مہِ نو ہے

کیا لوح کا سینے کے قلم لکھ سکے اوصاف مہتاب سے روشن ہے تو آئینہ سے شفاف
کینے سے صدا صاف کدورت سے صدا صاف ہے خانۂ عدل و کرم و بخشش و الطاف
گنجینۂ اسرارِ خدا اس میں دھرا ہے قرآں کی طرح علمِ الٰہی سے بھرا ہے

فاقوں میں بھی شکوے کا زباں پر نہیں مذکور کھانے سے شکم خالی ہے اور خیر سے معمور
سنگِ ستم و جور سے ہے شیشۂ دل چور زخمِ دلِ اکبر سے کلیجے میں ہے ناسور
نے جانِ علی اکبر جو ہوا تیرِ ستم سے مانندِ کماں خم ہے کمر بارِ الم سے

کیا وصفِ ثباتِ قدمِ پاک کروں سر ہو کوہ نہ ثابت قدمی میں کبھی ہمسر
ٹلتے نہیں جوں شمع اگر تن سے کٹے سر ہو جاتے ہیں سرکش یہاں پامال سراسر
گر چرخ پہ نقشِ قدمِ سرورِ دیں ہو گردوں ابھی ساکن صفتِ روئے زمیں ہو

خود نور ہیں اور نور کی ہے جسم میں پوشاک عمامہ ید اللہ کا ہے زیبِ سرِ پاک
ہے جسم میں کیا ٹھیک قبائے شہِ لولاک ہے گوشۂ فردوسِ بریں جس کا ہر اک چاک
جیسا ہے بدن ویسی ہی پاکیزہ قبا ہے یہ جامہ اسی تن کے لیے قطع ہوا ہے

ہے سایۂ حق خود سرِ سرورِ عالی اور شوقِ شہادت سے ہے رخساروں پہ لالی
یہ سوچ کے مولا نے زرہ تن پہ نہ ڈالی زخمِ تبر و تیر کی جاگہ رہے خالی
اک برق سی شمشیر فقط زیبِ کمر ہے ہے دستِ علی پشت کے اوپر یہ سپر ہے

وہ وقتِ زوال اور وہ میدانِ تپ و تاب سایہ نہ ٹھہرنے کو نہ پینے کو کہیں آب
منہ خشک حرارت سے جگر سینے میں بیتاب نہ یار نہ ہمدرد نہ غمخوار نہ احباب
حسرت سے جدھر دیکھا ستمگر نظر آئے نیزے کہیں چمکے کہیں خنجر نظر آئے

صدقے تھی غریبی تو فدا بیکسی و یاس
سب دور تھے اس وقت جو رہتے تھے سدا پاس
قاسم کہیں اکبر تھے کہیں اور کہیں عباس
وہ دھوپ وہ بھوک اور کئی روز کی وہ پیاس
پر جانب دریا نہ نظر کرتے تھے شبیر
خشکیدہ زباں شکر سے تر کرتے تھے شبیر

روتے تھے کبھی دیکھ کے لاش علی اکبر
تکتے تھے بصد یاس کبھی لاشۂ اصغر
جب دیکھتے تھے لاشۂ عباس دلاور
کہتے تھے کمر تھام کے تب ہائے برادر
سب باغ تو پامال ہوا تین پہر میں
اب آپ ہیں اور داغ بہتر ہیں جگر میں

سینے میں تڑپتا ہے جو دل صورت بسمل
فرماتے ہیں یہ صبر کا ہنگام ہے اے دل
دشواری سے کٹتی ہے ذرا عشق کی منزل
گھبرا نہ کہ آساں ہوئی جاتی ہے یہ مشکل
گو یار و مددگار ہر اک تجھ سے جدا ہے
لیکن نہ ہراساں ہو کہ بیکس کا خدا ہے

کوئی نہیں ہوتا ہے برے وقت میں یاور
عباس کہاں اب ہیں کہاں ہیں علی اکبر
جز سایۂ الطاف خدا کون ہے سر پر
سب چھوڑ گئے ساتھ ہے لیکن مرا داور
جب حلق تہہ تیغ جفا ہووے گا میرا
اس دم بھی مرے سر پہ خدا ہووے گا میرا

بس لتے میں حضرت پہ ہوا نرغۂ کفار
تیروں کی تن پاک پہ پڑنے لگی بوچھار
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہ ابرار
بتلاؤ کہ میں کون ہوں اے قوم جفا کار
تم خوں میں جسے بھرتے ہو جامہ یہ کس کا
تلوار یہ کس کی ہے عمامہ ہے یہ کس کا

اعدا نے کہا ہم تمھیں پہچانتے ہیں خوب
ہو اس کے نواسے کہ خدا کا ہے جو محبوب
ہے آج مگر قتل تمہارا ہمیں مطلوب
بچنے کے نہیں تم کسی صورت کسی اسلوب
کچھ فاطمہ کے رشتے کا وسواس نہیں ہے
ملبوس نبی کا ہمیں کچھ پاس نہیں ہے

حضرت نے کہا حق کے غضب سے نہیں ڈرتے
وہ بولے کہ ہاں خوف خدا بھی نہیں کرتے
شہ نے کہا مہمانوں پہ صدمے ہیں گزرتے
پانی دو کہ بچے ہیں مرے پیاس سے مرتے
سب نے کہا پانی سے نہ سیراب کریں گے
معصوم اگر تشنہ علی اصغر سے مریں گے

فرمانے لگے رو کے یہ ملعونوں سے حضرت
منظور نہیں آج ہے گر میری شہادت
سید ہوں نبی زادہ ہوں دو اتنی اجازت
ناموس کو میں لے کے مدینہ کروں رخصت
عزت رہے ناموسِ رسولِ عربی کی
برباد نہ ہوں بیٹیاں زہرا و علی کی

گر ہوں تو میں حاکم کا تمہارے ہوں گنہگار
وہ بیکس و مجبور ہیں کیا ان سے سروکار
زہرا سے نہیں رتبے میں کم زینبِ ناچار
واللہ وہ کرتی ہے مجھے ماں کی طرح پیار
دیکھا نہیں جائے گا مرا قتل بہن سے
وہ نکلی تو زہرا نکل آئے گی کفن سے

اعدا نے کہا واہ یہ بالعکس ہے گفتار
لوٹیں کسے پھر جائے اگر عترتِ اطہار
سر ننگے پھرائیں گے حرم کو سرِ بازار
چادر سرِ زینب پہ نہ ہم چھوڑیں گے زنہار
کیا پائیں گے سر آپ کا گر ہاتھ لگے گا
ناموس کو لوٹیں گے تو زر ہاتھ لگے گا

سن کر یہ سخن شہ کے جبیں پر عرق آیا
تھرانے لگا حیدرِ کرار کا جایا
منہ کر کے سوئے عالمِ بالا یہ سنایا
باقی کوئی حجت نہ رہی بارِ خدایا
مجبور سمجھتے ہیں یہ فرزندِ نبی کو
اب میں بھی علم کرتا ہوں شمشیرِ علی کو

فرما کے یہ کی شہ نے علم تیغِ شرر ریز
ہیبت سے لرزنے لگا میدانِ بلاخیز
غیظِ شہِ عالم ہوا رہوار کو مہمیز
چالاک تھا صرصر سے تو بجلی سے کہیں تیز
غل تھا کوئی کیا روکے گا اس تیغِ دو سر کو
سر کو کہ جلال آیا محمد کے پسر کو

بڑھ کر ہوئے اس طرح رجز خواں شہِ ذی قدر
اس تیغ سے کاٹوں گا ہزاروں کے سر و صدر
بابا ہے مرا فاتحِ جنگِ احد و بدر
نانا ہے وہ انگشت سے شق جس نے کیا بدر
میں بھی اسدِ حق کی طرح قلعہ کشا ہوں
جوہر مرے دیکھو کہ میں شمشیرِ خدا ہوں

ہر چند کہ تم لاکھوں ہو اور میں تنِ تنہا
اور تین شب و روز کا بھوکا ہوں پیاسا
کیا لطف ہے اک پیاسے کو گر تیروں سے مارا
نکلے جسے تم سب میں شجاعت کا ہو دعوےٰ
جرأت کو بھی ہمت کو بھی ضربت کو بھی دیکھو
اور فاطمہ کے دودھ کی طاقت کو بھی دیکھو

لکھا ہے اُدھر تھا بنِ قطبہ کوئی سردار
مرحب کی طرح سرکش و زور آور و جرار
اور چار ہزار اہلِ ستم کا تھا وہ سالار
شمشیر بھی اُس کی دمِ اژدر دمِ پیکار
کینہ تھا اُسے سبطِ رسولِ عربی سے
مارا گیا تھا اُس کا پدر دستِ علی سے

کس غیظ سے آیا سرِ میداں وہ ستمگر
ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے جوہر
سرخ آنکھیں بھرا منہ میں لہو دیو سا خود سر
فولادی سپر دوش پہ چار آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

اسپِ ور کا بہ بھی قوی ہیکل و چالاک
نیزوں کو دھرے دوش پہ مرکب کے غضبناک
زنجیروں سے باندھے کمر نحس کو سفاک
ابرو پہ تکبر سے گرہ خود سر و بیباک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کے جلو میں
اور بیکسی تھی سبطِ پیمبر کے جلو میں

گھوڑے سے یہ بولا پسرِ شاہِ ولایت
فاقے پہ تو فاقہ ہے یہ ہے وقتِ رفاقت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت
قدموں سے کہا بڑھ کے نہ ہٹنا کسی صورت
ہم ہوں گے نہ دُنیا میں پہ انصاف رہے گا
اس جنگ کا غل قاف سے تا قاف رہے گا

گھوڑے نے کہا جان ہے جب تک تو ہوں ہمراہ
طاقت ہے کہ تو پشت پہ ہے اے شہِ ذی جاہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہ کے ماہ
ہم قوتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

اتنے میں وہ نزدیک شہِ بحر و بر آیا
اُس وقت تو غصّے میں علی کا پسر آیا
اللہ کا دریائے غضب جوش پہ آیا
رہوار بھی اک برقِ مجسم نظر آیا
شمشیرِ علی میان سے باہر نکل آئی
اعجاز سے خود تیغِ دو پیکر نکل آئی

نعرہ جو کیا شہ نے ہلا گنبدِ دوّار
طبقوں کو ارضی کے تزلزل ہوا اک بار
ہیبت سے ہوئے شیر گریزاں تہِ کہسار
فرمایا کہ ہاں وار کر او ظالمِ غدّار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کروں گا کہ میں حیدر کا پسر ہوں

یہ سنتے ہی بس تول کے نیزے کو وہ گمراہ — اس طنطنہ سے آیا کہ العظمۃ للہ
پہونچی تھی سناں متصلِ سینہ کہ ناگاہ — ترچھی چلی جوں صاعقہ شمشیرِ ید اللہ
اُس سیف کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی — ایک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی

قبضے میں کماں لیکے بڑھا تب وہ جفاکار — چلّے سے بہ تعجیل ملایا لبِ سوفار
تاکا تھا نشانہ کہ پکارے شہِ ابرار — ہاں ہیں بھی جگر گوشۂ حیدر ہوں خبردار
یہ کہتے ہی چھیڑا فرسِ گرم عناں کو — نیزے سے اُڑا لے گئے جوں تیر کماں کو

شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری — حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
اُس عاشقِ باری پہ یہ غصہ ہوا طاری — فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
اس پھرتی سے اُس ظالمِ پُرکید پہ آئے — جس طرح کہ شہبازِ اجل صید پہ آئے

وہیں طرف اُس شامی نے گھوڑے کو اُڑایا — حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
تیغ دوزباں کو شہِ عالم نے اُٹھایا — سر تک وہ سپر ہاتھ سے لانے بھی نہ پایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرقِ لعیں پر — سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر

سر پر جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن — گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
جوشن سے جو اُتری تو لیا زین کا دامن — دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں — اور تا سرِ دنبالہ در آئی وہ زمیں میں

فرزندِ محمد نے کیا نعرۂ تکبیر — تھرّانے لگا خوف سے سب لشکرِ بے پیر
تھا شور کہ زہرا کے یہ ہے دودھ کی تاثیر — دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
قبضے میں اسی تیغِ دو پیکر کے قضا ہے — اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے

لشکر کے نمودار کو حضرت نے جو مارا — لاکھوں میں نکلنے کا نہ تھا ایک کو یارا
اعدا پہ چلا خود اسد اللہ کا پیارا — کرنے لگیں روحیں قفسِ تن سے کنارا
ہر وار میں دونی تھی برش تیغِ دو دم میں — جس صف پہ جھکے شاہ فنا ہو گئی دم میں

کامل تھی زبس بحرِ شجاعت میں وہ تلوار
مثلِ الفِ وصل گرے جاتے تھے کفار
جو کوئی قریب آیا رجز خواں دمِ پیکار
سالم تھا تو بے فاصلہ کٹ اُس کے ہوئے چار
کیا لڑتے کہ سکتہ تھا ہر اک اہلِ حسد کو
تقطیع کیا تیغ نے ہر مصرعِ قد کو

ہر چند ردیف ایک کی تھا ایک ستمگر
جوں قافیہ پیچھے تھی مگر تیغِ دو پیکر
تھے رو بقفا وقتِ دغا سب وہ بد اختر
ہو سکتا نہ تھا تیغِ اجل سے کوئی باہر
تن جس کا جلا نائرۂ[۱] تیغِ دو سر سے
وصل اُس کا رہا تا بہ ابد نارِ سقر سے

بجلی کی طرح کوندتا تھا فوج میں رہوار
قطراتِ عرق جسم پہ تھے اخترِ سیار
پَے کرنے کی کیا کیا تگ و دو کرتے تھے کفار
اُس تک نہ پہنچ سکتا تھا پر وہمِ خطاکار
مانندِ تصوّر کبھی یاں تھا کبھی واں تھا
آنکھوں میں تو پھرتا تھا پر نظروں سے نہاں تھا

باغی روشِ سبزہ ہوئے جاتے تھے پامال
سر گر رہے تھے برگِ خزاں دیدہ کی تمثال
رُخ زرد تھے ڈر سے یہ سیہ کاروں کا تھا حال
تھا شور کہ سرسبز ہوا فاطمہؓ کا لال
شمشیر کے پھل سے ثمرِ تازہ ملے تھے
اعدا پہ خزاں تھی پہ گلِ زخم کھلے تھے

گرتی تھی چمک کر جو حسامِ شہِ ذی شاں
تھی گاو زمیں زیرِ زمیں خوف سے لرزاں
سکان سماوات بھی تھے ششدر و حیراں
جنات میں غل تھا کہ نہیں بچنے کی اب جاں
اللہ بچائے طبقِ ارض و سما کو
آج آیا ہی غصہ پسرِ شیرِ خدا کو

دیتے تھے محمد کی دوہائی جو ستمگار
کیا رحم ہی تھم جاتے تھے اس دم شہِ ابرار
آئی یہ صدا احمدِ مختار کی ایک بار
میں تیری شجاعت کے فدا ای مرے دلدار
جاں باز کوئی تجھ سا زمانے میں کہاں ہی
خود آج ثنا خواں ترا ربِّ دو جہاں ہی

اب روک لے شمشیر کو ای میرے گل اندام
لازم ہی ترحم کہ یہ لیتے ہیں مرا نام
پیاسے ہو کئی دن سے شہادت کا پیو جام
تا ہووے گنہگاروں کی بخشش کا سرانجام
بیٹھو تہِ شمشیر یہ مرضیِ خدا ہی
ای عاشقِ صادق دمِ تسلیم و رضا ہی

۱ نائرہ :- لپٹ

سن کر یہ صدا شہ نے رکھی میان میں تلوار
کی عرض کہ امت پہ فدا ہے مرا گھر بار
بندے کو ہے خوشنودیٔ مولا سے سروکار
کرتا ہوں وفا منہ سے کیا تھا جو کچھ اقرار
امید ہے جب حلق تہِ تیغِ جفا ہو
پیشانی تو سجدے میں ہو اور لب پہ دعا ہو

زینبؑ درِ خیمہ پہ یہ اس وقت پکاری
کیوں روک لی تلوار بہن ہو گئی واری
وقفہ نہ کرو بھاگ چلی فوج تو ساری
پھر آکے کہیں گھیر نہ لے لشکرِ ناری
عرصہ نہیں ہے فتح لڑائی کوئی دم کو
صدقے گئی دم لینے نہ دو فوجِ ستم کو

گو فاقہ سے ہو اور کئی دن کے ہو پیاسے
پر ارثِ شجاعت ہے تمھیں شیرِ خدا سے
ماں کیسی پدر کیسا ہے کس کے ہو نواسے
لو خونِ عزیزاں کا عوض اہلِ جفا سے
جن لوگوں نے اکبر کو مرے قتل کیا ہے
تم کرتے ہو رحم ان پہ تعجب کی یہ جا ہے

یہ وہ ہیں کہ برباد کیا فاطمہؑ کا گھر
یہ وہ ہیں کہ دولہ کو جنھوں نے کیا بے سر
عباس کو پانی کے لیے خوں میں کیا تر
مجروح کیا تیر سے حلقِ علی اصغر
برچھی مرے اکبر کو لگائی ہے انھیں نے
تصویرِ محمد کی مٹائی ہے انھیں نے

فرمانے لگے روکے بہن سے شہِ ابرار
دیتے ہیں محمد کی دہائی یہ ستمگار
اک حملہ میں چاہوں تو فنا ہوں یہ خطاکار
نانا کا مگر پاس ہے اے خواہرِ غمخوار
زورِ یداللہ دکھایا نہیں جاتا
اب ہاتھ تو امت پہ اٹھایا نہیں جاتا

حیدر کی شجاعت تو بہن میں نے دکھائی
زندوں کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
غربت بھی تو میراث میں حیدر کی ہے پائی
مظلومی بھی حق کو تو دکھائے یہ فدائی
غل حوروں کے رونے کا ہے میدانِ ستم میں
سر کھولے ہوئے آتی ہیں اماں کوئی دم میں

اعدا نے سنی جب شہِ والا کی یہ تقریر
ثابت ہوا اب جنگ نہیں کرنے کے شبیر
پھر آنکے تنہا سے مقابل ہوئے بے پیر
بے خوف لگانے لگے تیغ و تبر و تیر
شہ کھاتے تھے تلواریں ہوئی جاتی تھی زینب
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینب

چلائی بھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو — شبیر کے بدلے مرا سر تن سے اتارو
للہ مجھے فاطمہؓ کے لال پہ وارو — شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہو مری یارو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے — اوجھل مجھے ہو لینے دو زینبؑ کی نظر سے

صف باندھ کے یا گھیر لو تم خیمے کا پردا — یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لبِ دریا
واں ذبح کرو ہے جہاں عباس کا لاشا — تا دیکھے نہ سر کٹتے ہوئے دخترِ زہرا
صدمہ نہیں دنیا میں جدائی کے برابر — شبیر کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

حضرت کی کوئی بات نہ سنتے تھے وہ ظالم — حربے تنِ اقدس پہ لگے جاتے تھے پیہم
سر ضعف سے ہرنے پہ جھکا جاتا تھا اس دم — نیلے تھے لبِ لعل یہ تھا پیاس کا عالم
زخمی بھی سراپا ہیں حرارت بھی غضب ہے — ہر وار پہ ملعونوں سے پانی کی طلب ہے

وہ گرم ہوا جیٹھ کی وہ تشنہ دہانی — کچھ کہتے تھے اور منھ سے نکل جاتا تھا پانی
حلقہ کیے شمشیر بکف ظلم کے بانی — ہر ایک دل آزار ہر اک دشمنِ جانی
طاری تھا جو غش دوشِ محمدؐ کے مکیں پر — جھک جھک کے سنبھل بیٹھتے تھے خانۂ زیں پر

لکھا ہے کہ جس روز تھا یہ سانحہ درپیش — وارد ہوا اس دشتِ بلا میں کوئی درویش
کیا دیکھتا ہے آنکھ اٹھا کر وہ جگر ریش — اک زخمی کو گھیرے ہوئے ہیں لاکھ جفا کیش
بیکس پہ ہیں شمشیر پہ شمشیر لگاتے — یہ کہتا ہے پانی دو وہ ہیں تیر لگاتے

بے ساختہ رو رو کے لگا کہنے وہ بیدار — کس دکھ میں ہے یہ بندہ ہے ترا اے مرے غفار
اس طرح کا ہوگا نہ کوئی بیکس و ناچار — پانی بھی پلاتے نہیں ایسا ہے گنہگار
پر ظلم و ستم کون سے مذہب میں روا ہے — کیوں قتل اسے کرتے ہیں کیا اس کی خطا ہے

کافر کو بھی پانی تو پلاتے ہیں مسلماں — یہ تو ترا بندہ ہے کوئی صاحبِ ایماں
بیکس ہے یہ چہرے سے شرافت ہے نمایاں — ہیں سوکھے ہوئے ہونٹ ترے ذکر میں خنداں
زخمی اسے کرتے ہیں عدو تیغ و سناں سے — جز شکر نکلتا نہیں کچھ اس کی زباں سے

کیا صبر ہی اس طرح کا صابر نہیں دیکھا
کیا شکر ہی اس طرح کا شاکر نہیں دیکھا
ثابت قدم ایسا دمِ آخر نہیں دیکھا
آوارہ وطن ایسا مسافر نہیں دیکھا
کیا ظلم نہیں کونسی بیداد نہیں ہی
کچھ اس کو ترے نام سوا یاد نہیں ہی

ایسے بھی ترے بندۂ مقبول ہیں مولا
گھر لٹنے کا غم جس کو نہ سر کٹنے کا دھڑکا
جب تیغِ ستم آتی ہی سر دیتے ہیں تھوڑا
اُف کرتے نہیں سینے پہ جب لگتا ہی نیزا
چہرے پہ بشاشت ہی کہ ہنگامِ اجل ہی
نیزے کو سمجھتے ہیں کہ یہ زیست کا پھل ہی

یہ کہہ کے بعد درد بہت رو یا وہ غمگیں
اور مشک سے سیراب کیا کاسۂ چوبیں
ساغر لیے ہاتھوں پہ گیا پیشِ شہِ دیں
کی عرض اسے پی لو کہ تا دل کو ہو تسکیں
یہ دُکھ نہیں پڑتا کسی محتاج و غنی پر
دل ہوتا ہی ٹکڑے تری تشنہ دہنی پر

ای بندۂ بیکس ترا کیا جرم ہی بتلا
بے وجہ کوئی قتل کسی کو نہیں کرتا
کیا تو نے عزیزوں کو ہی اِن لوگوں کے مارا
کُشتے یہ وہی ہیں جو پڑے ہیں لبِ دریا
مارا جو انھیں تو نے تو افسوس کی جا ہی
مہرو ہی کوئی ان میں کوئی ماہ لقا ہی

دریا کی ترائی میں جو سوتا ہی یہ مہرو
کرتا ہی قلم ایسے جری کے کوئی بازو
یہ تازہ جواں خوں میں بھرے جس کے ہیں گیسو
مارا اسے کیا صاحبِ اولاد نہ تھا تو
دولھا جو سناں کھائے یہ سوتا ہی زمیں پر
کچھ رحم نہ آیا تجھے اس ماہ جبیں پر

پھر دیکھ کے وہ لاشۂ اصغر یہ پکارا
وہ سب تو لڑے ہوں گے جو تو نے اسے مارا
اک بچے کا کس طرح ہوا قتل گوارا
کیا ہووے گا حال اس کا یہ جس ماں کا ہی پیارا
جس وقت یہ دنیا سے سفر کر گیا ہوگا
جیتا رہا ہوگا کہ پدر مر گیا ہوگا

درویش کے سن کر یہ سخن رونے لگے شاہ
مقتل کی زمیں ہل گئی اس درد سے کی آہ
فرمایا کہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ
کیا اپنی مصیبت کہوں ای بندۂ اللہ
سب میرے یگانے ہیں یہ جن کا تجھے غم ہی
یہ باغ مرا ہی کہ جو تیغوں سے قلم ہی

بیدست ہی جو نہر پہ وہ ہی مرا بھائی　　ٹوٹی ہی کمر اس سے ہوئی جب سے جدائی
یہ شیر کہ سینے پہ سناں جس نے ہی کھائی　　مجھ باپ کی اٹھارہ برس کی ہی کمائی
وہ طفل جو ریتی پہ ستارا سا پڑا ہی　　چھوٹا ہی یہ بیٹا پہ الم اس کا بڑا ہی

ناحق مرے پیاروں پہ چلی ظلم کی شمشیر　　سب قتل ہوئے باقی ہوں میں بیکس و دلگیر
بے جرم مرے قتل پہ آمادہ ہیں بے پیر　　کرتا ہوں ہدایت انھیں یہ ہی مری تقصیر
مہماں پہ کسی نے ستم ایسا بھی کیا ہی　　دو روز سے پانی نہیں پینے کو دیا ہی

ای شخص تجھے رحم مرے حال پہ آیا　　اس وقت میں پانی تو مرے واسطے لایا
اجر اس کا خدا دے کہ بڑا رنج اٹھایا　　پانی مرے بچوں میں کسی نے نہیں پایا
اب خاک ہیں سو چشمے جو پانی سے بھرے ہوں　　کیونکر وہ پیے جس کے پسر پیاسے مرے ہوں

دنیا میں مجھے پانی کے پینے سے ہی انکار　　واللہ میں ہوں کوثر و تسنیم کا مختار
جنت کے لیئے پانی کا ان سے ہوں طلبگار　　احساں ہمیں منظور کسی کا نہیں زنہار
حیدر کی طرح تارک دنیائے دنی ہیں　　ظاہر میں ہیں محتاج مگر دل کے غنی ہیں

مشکل کوئی تجھ پر ہو تو آساں ابھی کر دیں　　اس جام کو لے کہہ تو زر و مال سے بھر دیں
ہیں دل کے غنی سر کے جو سائل ہوں تو سر دیں　　ہم وہ ہیں کہ قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیں
حق میں کوئی دشمن کے دعا بد نہیں کرتے　　فاقوں میں سوال فقرا رد نہیں کرتے

درویش سے یہ کہہ کے لیا پانی کا ساغر　　تکنے لگے حسرت سے سوئے لاشۂ اصغر
دل پیاسی سکینہ کے لیئے ہو گیا مضطر　　دیکھا طرف خیمہ کئی مرتبہ مڑ کر
آنکھوں سے بہے اشک رخ سرور دیں پر　　اس پانی کو بس پھینک دیا رو کے زمیں پر

پھر دست گدا میں وہ دیا کاسۂ خالی　　اور خاک اٹھا تھوڑی سی اس جام میں ڈالی
اللہ رے اعجاز کف سرور عالی　　لبریز تھے اس کاسے میں یاقوت و لآلی
حیرت ہوئی درویش کو اس لطف و کرم پر　　بس گر پڑا وہ دوڑ کے حضرت کے قدم پر

کہتا تھا یہ آنکھوں سے لگا کر قدم شاہ
مولا مجھے نام اپنا بتا دیجیے للہ
ہیں آپ وصی یا کہ ہیں پیغمبر ذی جاہ
کیا قوم ہے کس جا ہے وطن کیجیے آگاہ
بندے نے کسی میں یہ کرامت نہیں دیکھی
واللہ یہ ہمت یہ سخاوت نہیں دیکھی

حضرت نے کہا نام سے میرے تجھے کیا کام
مظلوم مرا نام ہے سید ہے مرا نام
بیکس ہوں مسافر ہوں نہ راحت ہے نہ آرام
دُنیا سے کوئی دم میں سفر کا ہے سرانجام
غربت کی جگہ منزلِ دُنیائے دنی ہے
گھر قبر کا گوشہ ہے وطن بے وطنی ہے

کیا پوچھتا ہے قوم نبی کا ہوں نواسا
اور مولد و مسکن ہے مرا یثرب و بطحا
مادر وہ ہے کہتے ہیں جسے حضرتِ زہرا
بیٹا ہوں میں حیدر سے شہ عقدہ کشا کا
ان میں سے ہر اک گلشنِ جنت کا مکیں ہے
مظلوم ہوں اب سر پہ مرے کوئی نہیں ہے

کہنے لگا سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ دیندار
ہیں آپ حسین ابنِ علی یا شہِ ابرار
آقا تمھیں بندے نے نہ پہچانا تھا زنہار
شہزادۂ کونین اور اس دُکھ میں گرفتار
تلوار مجھے دیجیے کہ جنگ ان سے کروں میں
حضرت کے عوض تیغ و سناں کھا کے مروں میں

رو رو کے یہ فرمانے لگے سرورِ ذی جاہ
ہم اُس پہ فدا ہیں جو ہمارا ہے ہوا خواہ
تو قتل ہو منظور نہیں ہے مجھے واللہ
لے راہِ وطن جلد کہ ہم بھی ہیں سرِ راہ
ہرگز نہ فراموش یہ احسان کریں گے
ہم قبر میں مشکل تری آسان کریں گے

راضی ہو خدا تجھ سے کہ ہم تجھ سے ہوئے شاد
تربت میں کریں گے شبِ اوّل تری امداد
پر بھولیو مت پیاس ہماری یہ رہے یاد
کیجو مری غربت پہ صدا نالہ و فریاد
روئے گا مری پیاس پہ جو بزمِ عزا میں
لکھے گا اُسے خالقِ اکبر شہدا میں

فرمانے سے حضرت کے وہ رخصت ہوا ناچار
میداں سے نہ نکلا تھا کہ پھر غل ہوا اک بار
دیکھا کہ تڑپتا ہے تنِ سیدِ ابرار
اور کاٹے لیے جاتا ہے سر شمرِ ستمگار
مارا مرے بھائی کو یہ چلاتی ہے زینب
سر پیٹتی خیمے سے چلی آتی ہے زینب

زہرا کی صدا ہے کہ لٹی میری کمائی
پانی کی مرے لال نے اک بوند نہ پائی
دنیا مرے شبیر سے خالی ہوئی ہے ہے
ہے وقتِ دعا حق سے انیسؔ اب تو دعا کر
ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف و عطا کر
محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے

مارا گیا شبیر محمد کی دہائی
ہے ہے ہوئی بن بھائی کی زینب مری جائی
بانو مری بے وارث و والی ہوئی ہے ہے
جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں اُن کو روا کر
مقروض جو مومن ہوں تو قرض اُن کا ادا کر
اور حشر میں ہوں ساتھ حسین ابنِ علی کے

سلام

آکے جو بزمِ عزا میں رو گئے
مجرئی وہ فردِ عصیاں دھو گئے

یاد آیا دامنِ مادر کا چین
پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے

اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر
سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے

موت آئی ہے محبّو الفراق
آج وعدے سب برابر ہو گئے

ہاتھ سے جاتا رہا نقدِ حیات
جان لیکر آئے بے جاں ہو گئے

عالمِ فانی میں کیا تم کو ملا
اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے

راحت آبادِ عدم ہے خوب جا
پھر نہ آئے وہ جہاں سے جو گئے

ہتکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر
دست و پا عابد کے ٹھنڈے ہو گئے

ق چھد گیا مثلِ گہر ناوک سے حلق
لعل سی جاں اپنی اصغر کھو گئے

خون گردن سے جو نکلا گرم گرم
بھر کے آہ سرد ٹھنڈے ہو گئے

آکے تربت پر پکارے شاہِ دیں
ہائے آج اصغر اکیلے ہو گئے

عالمِ پیری میں یہ غفلت نہیں
رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

مرثیہ (۲۱)

ہے زیورِ عروسِ سخن پنجتن کی مدح — زینت کلام کی ہے رسولِ زمن کی مدح
ہے لذتِ زباں شہِ خیبر شکن کی مدح — آرام جان و دل ہے حسین و حسن کی مدح
ہردم یہ ذکر باعثِ عیش و سرور ہے — دل کی جو روشنی ہے تو آنکھوں کا نور ہے

دریائے نور کا دُرِ یکتا حسین ہے — رنگین گلِ حدیقۂ زہرا حسین ہے
مظلوم کربلائے معلا حسین ہے — سارا جہاں غلام ہے آقا حسین ہے
رُتبہ علی ہے سب پہ امامِ جلیل کا — خدمت ہے جس کے گھر کی شرف جبرئیل کا

مصباحِ بزمِ حیدرِ صفدر حسین ہے — گلگوں قبائے عرصۂ محشر حسین ہے
بے سر ہے پر زمانے کا سرور حسین ہے — روشن ہے جس سے عرش وہ گوہر حسین ہے
عالم میں کیوں ضیا نہ ہو اس کے ظہور سے — اللہ خود بنائے جسے اپنے نور سے

محبوبِ ذوالجلال کا پیارا حسین ہے — مہرِ عرب کی آنکھوں کا تارا حسین ہے
بعد از حسن امام ہمارا حسین ہے — بخشش کا عاصیوں کی سہارا حسین ہے
سب کو اسی کی حشر کے دن احتیاج ہے — حقا کہ اس کے سر پہ شفاعت کا تاج ہے

مہرِ سپہرِ ابہّت و حشمت و جلال — جس کو کبھی ازل سے ابد تک نہیں زوال
نزدیک تھا کہ گلشنِ ایماں ہو پائمال — سرسبز کر گیا ہے اسدِ کبریا کا لال
کیا فیض ہے کہ سایۂ طوبیٰ میں گھر ملا — اُمت نہال ہو گئی ایسا ثمر ملا

پہلے تو زنگِ کفر کیا شیرِ حق نے دور — سرکش جو تھے قتل ہوئے سب وہ پُرغرور
ظاہر ہوئے حسین تو حق نے کیا ظہور — وہ بھی خدا کے نور تھے یہ بھی خدا کے نور
حُبِّ علی کے ساتھ جب ان کی ولا ہوئی — ایماں کے آئینہ کو دوبارا جلا ہوئی

حامی ہو ایک تن بھی تو آفت کی ہے سپر — یاں پنجتن ہیں پھر ہمیں کیا خوف کیا خطر
ششدر ہوں کس لئے جو سقر کے ہیں سات در — آٹھوں بہشت شاہ کے ہیں دوستوں کے گھر
نہ آسماں سے بھی کہیں درجے رفیع ہیں — چودہ خدا کے دوست ہمارے شفیع ہیں

کردیں گے سرد گرمیِ بازارِ آفتاب — ہوئے گا ابرِ رحمتِ حق دامنِ جناب
شبیوں کی فرد فرد کو کرلیں گے انتخاب — ہم پاک ہیں ہمارے گناہوں کا کیا حساب
کہدیں گے ہم کہ شاہ کے لشکر کے ساتھ ہیں — چہرے ہمارے مالکِ دفتر کے ساتھ ہیں

ہے جن کو شیرِ حق کے گھرانے سے ارتباط — قدموں سے ہے لگی ہوئی اُن کے رہِ صراط
جب تھام لیں گے چادرِ زہرا با حتیاط — اُس پل کو طے کریں گے بصد فرح و انبساط
شبیر ہیں علی ہیں رسولِ کریم ہیں — کیا ڈر ہمیں صراط سے دل مستقیم ہیں

جنّاتِ عدن و گلشنِ فردوس و روئے حور — وہ گوہر و زبرجد و یاقوت کے قصور
آسائشِ بہشتِ بریں راحت و سرور — طوبیٰ و کوثر و ارم و حلہ ہائے نور
اس باغ میں جگہ نہیں خاروں کے واسطے — یہ سب ہیں شہ کے تعزیہ داروں کے واسطے

رونے کا غم میں شاہ کے اللہ رے صلا — دل کو سرور آئنۂ چشم کو جلا
مردم پہ کیوں نہ واجبِ عینی ہو یہ ولا — جو حق سے ان کے نام پہ مانگا وہی ملا
رولئے تو جرم دفترِ عصیاں سے دھو گئے — دامن نہ تر ہوا تھا کہ لو پاک ہو گئے

رونے میں صرف ہو تو نہیں عمر کا حساب — ان آنسوؤں سے ہے رُخِ ایماں کی آب و تاب
مردم کی آبرو کا سبب ہیں دُرِ آب — حاصل ہر اک نفس میں ہے تسبیح کا ثواب
جو کچھ ہے اجر تذکرۂ لا الٰہ میں — حاصل ہے یاں وہ سب حسنات ایک آہ میں

ذکرِ حسینِ حق کی عبادت سے کم نہیں — رونے کا اجر اجرِ شہادت سے کم نہیں
نالہ ہر اک اذان و اقامت سے کم نہیں — ہر صف کشی نمازِ جماعت سے کم نہیں
سمجھے سے اوج پست ہے کیا اس مقام کا — وہ گھر خدا کا ہے تو یہ گھر ہے امام کا

رفعت کروں میں تعزیہ خانے کی کیا رقم
ہے جلوہ گاہِ روحِ رسولِ فلک حشم
ایک ایک در ہے رشکِ درِ گلشنِ ارم
آتی ہے بوئے خلد صبا کے دم بدم
سونگھے اگر فتیلۂ عنبر سرشت کو
رضواں بھی بھول جائے شمیمِ بہشت کو

حقا کہ رکنِ کعبۂ ایماں ہے یہ مقام
میکال و جبرئیل ہیں مصروفِ اہتمام
قدسی طواف کرتے ہیں یاں آکے صبح و شام
کوئی تو بھیجتا ہے درود اور کوئی سلام
ہے آسماں کا قول کہ میں خاکِ راہ ہوں
کہتا ہے عرش فرشِ درِ بارگاہ ہوں

ہے کہکشاں کو شوق کہ میں رہ گزر بنوں
خورشید کو ہوس ہے کہ قندیلِ در بنوں
زُہرہ کو آرزو ہے کہ رشکِ قمر بنوں
ہے لو لگی ہوئی کہ چراغ آن کر بنوں
کہتے ہیں نجم اخترِ طالع بلند ہوں
مجمر بنے جو مہر تو ہم بھی سپند ہوں

ہر اک سبیل کا ہے چشمۂ حیات
صدقے ہیں ایک جام پہ سو کوزۂ نبات
آتی ہے یاد تشنگیِ شاہِ کائنات
مردے ہیں اس کی حشر کی گرمی سے ہے نجات
پانی کو یاں کے چشمۂ کوثر پہ فوق ہے
یاں خضر کو سبیل بنانے کا شوق ہے

آبِ حیات میں بھی نہ ہوگی یہ آب و تاب
کوثر کے منہ میں نام سے جس کے بھر آئے آب
زمزم کو اس کی چاہ میں ہر دم ہے اضطراب
خوشبو یہ ہے کہ شرم سے پانی ہے یاں گلاب
کہتا ہے آبِ نہرِ امامِ جلیل ہوں
دعویٰ سبیل کو ہے کہ میں سلسبیل ہوں

ہیں یہ گلاب پاش کہ فوارہ ہائے نور
شمعیں ہیں دستِ حور میں یا ہیں چراغِ طور
پروانوں کی طرح سے ملائک کا ہے وفور
کعبہ بھی گر طواف کو آئے تو کیا ہے دور
اس گھر کا نور زینتِ عرشِ الٰہ ہے
یہ بارگاہِ قبلۂ عالم پناہ ہے

ہے کحلِ چشمِ حور و ملک اس مکاں کی خاک
ای بدرِ آسمانِ شرف روحنا فداک
قرباں ترے ہتوں کے نثارِ ضریحِ پاک
دل جس کو دیکھ دیکھ کے ہوتے ہیں چاک چاک
جرأت کا جوش بھی ہے خدا پر نظر بھی ہے
قرآں بھی ہے حضور میں تیغ و سپر بھی ہے

ہے پست اوجِ پایۂ منبر سے نہ فلک
منبر پہ روضہ خواں ہے کہ ہے عرش پر ملک
پٹکوں کا نور اور علم پاک کی جھلک
جس کی چمک زمین سے ہے آسماں تلک
مجلس میں مومنوں نے جو آنسو بہائے ہیں
دیکھو دعا کو ہاتھ علم نے اُٹھائے ہیں

پیچیدہ عود کا یہ دھواں اور گلوں کی بو
گویا کھلے ہیں گیسوئے حورانِ ماہ رو
بیتاب ہیں علیِ ولیِ شاہِ نیک خو
منبر کے پاس روتی ہے زہرا کشادہ مو
اس بزم میں رسول جو ماتم کو آئے ہیں
سر پیٹنے کو ہاتھ علم نے اُٹھائے ہیں

ہے جلوہ گر جو حضرتِ عباس کا علم
شوکت وہی ہے رعب وہی اور وہی حشم
مشاق سکینہ دیکھ کے لگتے ہیں تیرِ غم
ہیہات ایسے شیر کے بازو ہوئے قلم
ہر دم رہے نہ کیوں دلِ غم بھرا بھرا ہوا
ہے آج تک لہو سے پھریرا بھرا ہوا

رونق ہو کیوں نہ تعزیہ خانوں میں جابجا
ہوتے ہیں خود شریک شہنشاہِ کربلا
کرتا ہے نقل ایک متولیِ پارسا
یعنی ہوا فلک پہ جو ظاہر مہِ عزا
عیشِ جہاں دلوں کو فراموش ہو گیا
سب شہر مثلِ کعبہ سیہ پوش ہو گیا

بزمِ عزا تھا روضۂ سلطانِ مشرقین
دن رات مجلسیں تھیں بس اور ماتمِ حسین
مردوں میں شورِ سینہ زنی عورتوں میں بین
آتی تھی فاطمہ کی صدا ہائے نورِ عین
جس دم بیاں شہادتِ سرور کے ہوتے تھے
زوار قتل گاہ میں جا جا کے روتے تھے

اک شب جو میں نے غور سے روضہ پہ کی نظر
دیکھا اداسی چھائی ہے مرقد پہ سربسر
صندوق پر وہ نور نہ رونق ضریح پر
جس طرح بادشاہ کرے شہر سے سفر
ہے عرش پر وہ زینتِ عرشِ بریں نہیں
ثابت یہ تھا مکاں تو ہے لیکن مکیں نہیں

کچھ کہہ سکا نہ میں یہ رہا دل کو اضطراب
چہلم کے بعد میں نے یہ دیکھا بیانِ خواب
روضہ میں جلوہ گر ہیں شہِ آسماں جناب
سمجھا ضریحِ پاک کو میں برجِ آفتاب
قرباں تھے ملک رُخِ روشن کی شان پر
تھی چاندنی زمین پہ نور آسمان پر

کرتے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے حق سے یہ دعا　　یا غافر المعاصی و یا واہب العطا
بہر نبی و حیدر و زہرا و مجتبیٰ　　کچھ اور دے نہ اکبر و اصغر کا خوں بہا
امت کو واسطے مرے پیاروں کے بخش دے　　یارب گناہ تعزیہ داروں کے بخش دے

عسرت میں میرے شیعوں کا رہ تو کفیل و یار　　وسعت دے ان کے رزق میں جو ہیں عیال دار
آساں کر ان غریبوں پہ سختی احتضار　　سوئیں لحد میں جب تو نہ ہو صدمۂ فشار
دامان ابن فاطمہ اور ان کے ہاتھ ہوں　　جب روز حشر ہو تو یہ سب میرے ساتھ ہوں

فارغ جو اس دعا سے ہوئے شاہ تشنہ لب　　کی عرض میں نے جھک کے قدم پر بصد ادب
خادم یہیں رہا ہے محرم میں روز و شب　　رونق جو آج ہے یہ نہ تھی اس کا کیا سبب
ہر سو ہجوم حسرت و اندوہ و یاس تھا　　مولا کمال روضۂ انور اداس تھا

کیا یاں نہ تھے حضور کہا آپ نے کہ ہاں　　میں نور حق ہوں عرش خدا ہے مرا مکاں
ہے ہر جگہ ظہور زمیں ہو کہ آسماں　　تھا شیعیان ہند کا شبیر میہماں
تربت تو یاں ہے کیوں مرے زائر اداس تھے　　جو کربلا سے دور ہیں ہم ان کے پاس تھے

دنیا میں دوستوں کی بھی خاطر ضرور ہے　　تم پاس ہو تو اوروں سے مرقد بھی دور ہے
ہر دل میں روشنی ہے ہر اک گھر میں نور ہے　　میں آفتاب ہوں مرا ہر جا ظہور ہے
ہے مجھ سے قرب بعد ہو گر مشرقین کا　　جس گھر میں تعزیہ ہو وہ گھر ہے حسین کا

مصروف دل سے ہیں مرے غم میں وہ خوش سیر　　سر پیٹتے ہیں کٹتے ہیں دس دن انھیں بسر
بر میں سیہ لباس تو رخ آنسوؤں سے تر　　مجلس نہ جس میں ہو کوئی ایسا نہیں ہے گھر
ہر چند کس جگہ مرا غم دہر میں نہیں　　ماتم جو کچھ ہے واں وہ کسی شہر میں نہیں

آداب تعزیت میں ہیں مصروف صبح و شام　　سو سو طرح کا نذر میں کرتے ہیں اہتمام
لب پر کبھی درود و تحیت کبھی سلام　　حرمت ضریح کی ہے علم کا ہے احترام
رتبے میں تعزیوں کو وہ قرآں سمجھتے ہیں　　منبر کو اور ضریح کو ایماں سمجھتے ہیں

پیاسوں کا ذکرِ تشنہ دہانی ہے جا بجا
چشموں سے آنسوؤں کی روانی ہے جا بجا
ہم کو ملا نہ جو وہی پانی ہے جا بجا
نوحے ہیں اور مرثیہ خوانی ہے جا بجا
دل اُن کے بیکسی پہ مری دردناک ہیں
سینے تو ہیں کبود گریباں چاک ہیں

دروازے پہ سبیلیں ہیں لنگر ہیں جا بجا
رستے ہیں مثلِ آئینہ قلب باصفا
بازار میں بلند ہے سقوں کی یہ صدا
پہلو پہ آب بہرِ شہنشاہِ کربلا
پیاسے نجاؤ نذرِ حسین قتیل ہے
تھا جس کا قحط اب وہی پانی سبیل ہے

کیا عشق ہے کہ نام پہ میرے فدا ہیں سب
کیونکر نہ ہوں غلام شہِ لافتا ہیں سب
غمخوار اہلِ بیتِ رسولِ خدا ہیں سب
مظلوم کے ہیں دوست کثیر البکا ہیں سب
سبطِ نبی کی پیاس پہ آنسو بہاتے ہیں
خنجر کا نام سُن کے تو غش اُن کو آتے ہیں

سُنتے ہیں نامرادیِ قاسم کا جب بیاں
سر پیٹتے ہیں سب سنے دولہا بصد فغاں
غل کرتے ہیں کہ مر گئے عباس نوجواں
اکبر کے غم سے چشم کسی کی ہے خوں فشاں
جب ذکر تشنہ کامیِ اصغر کے ہوتے ہیں
کرتوں سے منہ کو ڈھانپ کے بچے بھی روتے ہیں

پیاسے رہے ہیں ساتویں تاریخ سے جو ہم
شربت پہ نذر دیتے ہیں وہ صاحبِ کرم
ہوتا ہے آٹھویں سے تو سب شہر بزمِ غم
تابوت واں اُٹھاتا ہے کوئی کوئی علم
روحِ علی بھی ساتھ محبوں کے ہوتی ہے
زہرا ہر اک بزم میں جا جا کے روتی ہے

دُلدل بنا کے لاتے ہیں وہ سب بچشمِ تر
مجلس کے لوگ پیٹتے ہیں اُٹھ کے اپنا سر
چھینٹیں لہو کی زیں پہ اور تیر اِدھر اُدھر
ہرنے سے وہ لٹکتی ہوئی تیغ اور سپر
غش آتے ہیں کلیجوں پہ شمشیر پھرتی ہے
آنکھوں میں ذوالجناح کی تصویر پھرتی ہے

ہوتی ہے جب عیاں وہ شبِ عُسرتِ ہلال
جس کی سحر کو قتل ہوا فاطمہؑ کا لال
ہوتا ہے فرطِ غم سے عجب عورتوں کا حال
ماتم میں کھولتی ہیں اپنے سروں کے بال
ہر تعزیہ کے سامنے یوں بین ہوتے ہیں
جیسے کسی عزیز کی میت پہ روتے ہیں

روتی ہیں بیبیاں جو گھروں میں بشور و شین
اس وقت یاد آتے ہیں زینب کے مجھ کو بین
چلاتی ہیں جو لڑکیاں ہے ہے مرے حسین
یاد آتی ہے سکینہ مجھے اپنی نور عین
ان کی بکا سے تیر الم دل پہ چلتے ہیں
غربت پہ اپنی خود مرے آنسو نکلتے ہیں

کیوں شاہ دیں کے تعزیہ دارو سنا یہ حال
کرتا ہے خود تمھاری ثنا فاطمہؑ کا لال
یارو زہے نصیب خوشا حشمت و جلال
کس مرتبہ خوشی ہیں شہنشاہ خوش خصال
سجدہ کرو کہ نذر تمھاری قبول ہے
رونا قبول تعزیہ داری قبول ہے

روؤ کہ فصل گریہ و ماتم قریب ہے
جس کی خوشی دلوں کو ہے وہ غم قریب ہے
ذی الحجہ کا سفر ہے محرم قریب ہے
ہاں آمد امام دو عالم قریب ہے
آ پہونچے ہیں غریبوں کی مشکلکشائی کو
ہو آنسوؤں کی فوج رواں پیشوائی کو

ہے دھوم ہر طرف کہ سواری ہے متصل
آنکھیں لیئے ہیں پنجۂ مژگاں میں لخت دل
دُرّ ثمیں ہیں اشک کے دانوں سے منفعل
ہاتف کی ہے صدا کہ گہر ہو نہ ہو خجل
خواہش نہیں کچھ اور شہ خاص و عام کو
تسبیح اشک چاہیئے نذر امام کو

ہے شہر مثل نور سحر سر بسر سفید
بام و ستون و خانہ و دیوار و در سفید
جیسے بیاض چشم ادھر اور اُدھر سفید
مردم سیاہ پوش ہیں سب اور گھر سفید
روشن ہو کیوں نہ تعزیہ خانہ حسین کا
سب نور ہے یہ فاطمہؑ کے نور عین کا

مصروف غم رہو کہ یہ صحبت ہے مغتنم
مجمع یہ دوستوں کا یہ رقت ہے مغتنم
سر پر اجل کھڑی ہے یہ فرصت ہے مغتنم
ہاتھ آئے گی نہ پھر کہ یہ دولت ہے مغتنم
گر مر گئے تو ماتم شاہ اُمم کہاں
یہ مجلسیں تو حشر تک ہیں پہ ہم کہاں

شکر خدا کہ موت نے دی مہلت اس برس
اک دم میں ٹوٹ جاتا ہے یہ رشتۂ نفس
جو ذی حیات ہے اُسے جینے کی ہے ہوس
لیکن قضا سے کچھ نہیں چلتا کسی کا بس
چپکے سے چلے گئے ہیں زباں تک ہلی نہیں
ہم کیا پیمبروں کو تو مہلت ملی نہیں

فانی ہیں سب کسی کو نہ دے گی اجل اماں
اس دم کھلے گا جسم سے نکلے گی جبکہ جاں
چکھے گی آہ ذائقۂ موت ہر زباں
تھا گنجِ شائگاں کہ ہوا مفت رائیگاں
لازم ہے قدرِ عمر کہ جنسِ خطیر ہے
جس کی بہا نہیں ہے وہ دُرِ بے نظیر ہے

پھر کر نہ آئے گا وہ گزرتا ہے جو کہ دم
اس دم کی احتیاط مناسب ہے دم بدم
کہتا ہے دم قریب ہے اب منزلِ عدم
بڑھتا ہے سن مگر ہوئی جاتی ہے عمر کم
انجامِ کار قبر کی منزل نظر میں ہے
ہم ہیں وطن میں عمر ہماری سفر میں ہے

جو شے کہ مستعار ہو کیا اس کا اعتبار
ہر گل پہ یاں خزاں ہے کبھی اور کبھی بہار
ہے عمرِ بے وفا تو زمانہ ہے بے مدار
آنکھوں کے آگے اٹھ گئے کیا کیا رفیق و یار
افسوس اس چمن میں وہ سروِ رواں نہیں
ڈھونڈھیں انھیں کہاں کہ قدم کا نشاں نہیں

کیسے شریکِ تعزیہ داری تھے اگلے سال
اور اس برس تو زیرِ زمیں ہیں خوشخصال
معلوم کیا نہیں ہے کہ واں کیا ہے ان کا حال
غربت پہ ان کی رحم کرے ربِّ ذوالجلال
جز بیکسی نہیں کوئی ہمدم مزار میں
تنہا پڑے ہیں خانۂ تاریک و تار میں

رختِ سیاہ عزا میں جو کرتے تھے زیبِ تن
سوتے ہیں آج قبر میں پہنے ہوئے کفن
مٹی میں کھرنے پاتے نہ تھے جن کے پیرہن
پیوندِ خاک ہو گئے وہ غیرتِ چمن
سب گلعذار عاشقِ سبطِ رسول تھے
آخر وہ لوگ بھی کسی گلشن کے پھول تھے

جن دوستوں کی یاد میں روتے ہیں آج ہم
کل اور اسی طرح سے کریں گے ہمارا غم
ہستی سے ہے ضرور سفر جانبِ عدم
ماتم کرو حسین کا جب تک ہے دم میں دم
حامی تمھارا سبطِ رسالت پناہ ہے
توشہ یہی ہے اور یہی زادِ راہ ہے

یہ دن وہ ہیں کہ راہ میں ہیں شاہِ بحر و بر
آئی ہے قتلِ مسلمِ مظلوم کی خبر
ہیں اہلِ بیت محمل و ہودج میں نوحہ گر
آفت کا سامنا ہے مصیبت کا ہے سفر
گھیرے ہے فوج حر شہِ عالم پناہ کو
کاٹا ہے سختیوں سے پہاڑوں کی راہ کو

دو منزلیں ادھر تھے ابھی شاہ کم سپاہ
دیکھا جو چاند رونے لگے شاہِ دیں پناہ
رونے پہ شہ کے قاسم بے پر نے رو دیا

ظاہر ہوا ہلالِ محرم فلک پہ آہ
پڑھ کر دعا رُخ علی اکبر پہ کی نگاہ
بابا کے منہ کو دیکھ کے اکبر نے رو دیا

تاریخ دوسری تھی کہ داخل ہوئے امام
آنے کی شمر کے ہوئی چوتھی کو دھوم دھام
نرغہ ہوا چھٹی سے شہِ مشرقین پر

اور تیسری کی صبح کو آئی سپاہِ شام
تھی پانچویں کہ دشتِ ستم بھر گیا تمام
ہفتم سے بند ہو گیا پانی حسین پر

تھا تشنہ و نہم کو تو اک شورِ العطش
خیمے میں جاں بلب تھے کئی طفلِ باہوش
تھا قحطِ آب گھر میں شہِ حق شناس کے

تھے نہر علقمہ سے بہشتی کنارہ کش
اصغر کو اور سکینہ کو آتے تھے غش پہ غش
بانو کا دودھ گھٹ گیا شدت سے پیاس کے

۹۶

جب رن میں صبح قتلِ غریباں عیاں ہوئی
تیار فوج قبلۂ کون و مکاں ہوئی
مصروف حق کی یاد میں سب ارجمند تھے

ہمراہِ شب سپاہ کو اک بے اماں ہوئی
واں طبلِ جنگ بجنے لگا یاں اذاں ہوئی
قد قامت الصلوٰۃ کے نعرے بلند تھے

ہوتے تھے تیز سان پہ واں خنجر و تبر
یہ فوج تھی خدا کی وہ تھا لشکرِ عمر
ایمان اور کفر میں باہم لڑائی تھی

سجدے میں یاں جھکے ہوئے تھے غازیوں کے سر
اعمال خیر یاں تھے اُدھر کید و مکر و شر
کعبے پہ کافرانِ عرب کی چڑھائی تھی

پہنے ہوئے تھا بر میں زرہ واں ہر اک شریر
جوڑے تھے واں کمانوں میں ناوک جوانِ پیر
شیروں کو وردِ نامِ علی صبح و شام تھا

یاں بازوؤں پہ ان کے فقط جوشنِ کبیر
آہوں کی برچھیاں تھیں ادھر اور دعا کے تیر
سیفی تھی ان کی سیفِ سپرِ حق کا نام تھا

پیچھے صفیں درست تھیں آگے شہِ امام
سجدہ کبھی تھا گاہ قعود اور کبھی سلام
دربارِ کبریا میں ہر اک سر فراز تھا

تسبیحِ خاکِ پاک میں ہو جس طرح امام
تھے کس حضورِ قلب سے حاضر وہ شہ کے کام
اُن کی طرف نماز کو روئے نیاز تھا

حاضر تھی پانچوں وقت اطاعت میں ان نماز
ہر دم تھا ان کی صوتِ حسن پر اذاں کو ناز
قد قامت اُن کے قامتِ موزوں سے سرفراز
تھا با ادب رکوع جھکائے سرِ نیاز
سمجھیں درود اُن کی نہ کیوں روحِ پاک پر
سجدے کا سر ہی آج تلک جن کی خاک پر

استادہ تھا قیام اطاعت میں روز و شب
واں خود قعود تہہ کیے تھا زانوئے ادب
شایق قنوت تھا کہ اُٹھائیں گے ہاتھ کب
مشتاق تھی دعا کہ ہلیں گے کب ان کے لب
عشق ان سے تھا تشہد عالی مقام کو
تسلیم کرتے تھے ملک اُن کے سلام کو

فارغ ہوئے نماز سے جب وہ خداپرست
کمریں بندھیں کہ ہے یہ لڑائی کا بندوبست
ایک ایک شیر تھا مئے حبِ علی سے مست
تھے عزم یہ کہ فوج ضلالت کو دیں شکست
سر بھی کٹیں تو رن میں قدم گاڑ دیجیے
کوفے کے در پہ جاکے علم گاڑ دیجیے

تعقیبِ فرضِ صبح ابھی پڑھ رہے تھے شاہ
جو تیر آئے رن سے کئی سوئے خیمہ گاہ
کی مڑ کے شاہ نے رُخِ عباس پر نگاہ
غازی نے عرض کی کہ بڑھی آتی ہے سپاہ
لازم ہے جنگ خیمے کی ڈیوڑھی سے دور ہو
روکے انھیں غلام جو حکمِ حضور ہو

شہ نے کیا اشارہ کہ چلتے ہیں ہم بھی اب
آنے دو تیر جاؤ نہ تم جو رضائے رب
چپ رہ گیا یہ سن کے وہ غازی بصد ادب
سجدے میں سر جھکا کے اُٹھے شاہِ تشنہ لب
رخصت کو بیبیوں کی یہ علی کا خلف گیا
بیت الشرف میں نیرِ برجِ شرف گیا

خیمے میں جاکے شاہ پہننے لگے لباس
ہتھیار جب سجے تو ہوئی بیبیوں کو یاس
بانو کا رنگ زرد تھا زینب تھی بے حواس
دامن قبا کا پکڑے سکینہ کھڑی تھی پاس
پھیلا کے ہاتھ کہتی تھی گودی میں آئیں گے
بابا سدھاریے گا تو ہم روٹھ جائیں گے

ہتھیار کیوں لگائے ہیں باندھی ہے کیوں کمر
کیا بابا جان یاں سے کہیں اور ہے سفر
اچھا چلو کہ یاں تو ڈری ہوں میں رات بھر
آوازِ گریہ آتی ہے جنگل سے تا سحر
اماں ذرا نہ سوئیں نہ ہم شب کو سوئے ہیں
اصغر بھی چونک چونک کے جھولے میں روئے ہیں

پوچھو پھوپی بھی سنتی تھیں یا شاہ نامدار
اک بی بی پیچھے خیمے کے روتی ہو زار زار
صاف آتی تھی صدا مرے بیکس ترے نثار
ہے ہے حسین تیرا گلا اور چھری کی دھار
سونا ہو کل زمیں پہ مرے رشکِ ماہ کو
بالوں سے جھاڑ آئی ہوں میں خواب گاہ کو

دِل کانپتا ہو غم سے کلیجہ ہو چاک چاک
کیسا ملال خیز ہو یہ دشتِ ہولناک
چلتی ہو لوں کبھی کبھی اُڑتی ہو زرد خاک
گریاں رہی تو شب کو میں ہو جاؤنگی ہلاک
جنگل کے لوگ آکے نہ لشکر کو لوٹ لیں
دشمن کہیں نہ فاطمہ کے گھر کو لوٹ لیں

بیٹی نثار ہو گئی اچھے مرے پدر
اُٹھواؤ خیمہ جلد یہاں سے کرو سفر
کانوں پہ ہاتھ رکھے رہی ہوں میں رات بھر
ڈرتا ہو دل کہ چھین نہ لیوے کوئی گُہر
کانوں سے بالیاں جو اُتارے تو کیا کروں
کوئی طمانچہ آن کے مارے تو کیا کروں

ہر دم صدا یہ آتی تھی یا سرورِ زمن
اب گردنیں ہیں آلِ محمدؐ کی اور رسن
قسمت میں ہو کہ رانڈ بنے اک نئی دُلھن
بھائی سے چھوٹ جائے مصیبت زدہ بہن
برباد خاندانِ رسولِ کریم ہو
ڈھل جائے دوپہر تو سکینہ یتیم ہو

کِس کو یتیم کہتے ہیں یا شاہِ دیں پناہ
یہ کیا غضب ہو کونسا مجھ سے ہوا گناہ
روکا ہو واں ہمیں کہ نہ چشمہ جہاں نہ چاہ
کیا خوب میہمانی آلِ نبی ہو واہ
فاقہ تو وارث ہو ہمیں اس کا گلا نہیں
گزرے ہیں تین روز کہ پانی ملا نہیں

بیٹی کے اس کلام پہ روئے امامِ دیں
منھ چوم کر کہا کہ نہیں تم ڈرو نہیں
زندہ ابھی تو ہو پدرِ بیکس و حزیں
بی بی نہ روؤ دور نہ جائیں گے ہم کہیں
مہماں ہوئے ہیں جن کے وہ ہم کو بلاتے ہیں
پانی تمھارے واسطے لینے کو جاتے ہیں

اچھا نہ یاں رہیں گے جو لگتا ہو تم کو ڈر
ہم بعدِ عصر آج ہی کر جائیں گے سفر
ان بھولی بھولی باتوں پہ قربان ہو پدر
سچ ہو کہ یہ مقام نہایت ہو پر خطر
دشمن ہیں سب امامِ غریب الدیار کے
رکھوا دو ماں کے پاس یہ بُندے اُتار کے

ایسا نہ ہو کہ کوئی دکھادے تمہارے کان
فکر اپنی کچھ نہیں ہے تمہارا ہے مجھ کو دھیان
تجھ پہ نثار جانِ حسین اے سکینہ جان
بن پانی اینٹھی جاتی ہے ننھی سی یہ زبان
ماں غم سے مجھ کو صبر نہیں بے قرار ہوں
بی بی تمہارے منہ سے بہت شرمسار ہوں

تم تشنہ لب ہو اور ہیں سیراب وحش و طیر
اپنا جنھیں سمجھتے تھے نکلے وہ لوگ غیر
بس اب خدا اُٹھائے بہت کی جہاں کی سیر
مانگو دعا کہ باپ کا ہو خاتمہ بخیر
بیکس پہ اب کرم اجل نیک پے کرے
شبیر جلد آج کی منزل کو طے کرے

لو الوداع گود میں اب والدہ کی جاؤ
گھٹتا ہے خوں حسین کا آنسو نہ تم بہاؤ
چھاتی سے پھر لپٹ کے ذرا منہ سے منہ ملاؤ
اک بار اور کاکلِ مشکیں کی بو سنگھاؤ
آئیں نہ آج ہم تو سکینہ نہ روئیو
شب کو پھوپھی کی چھاتی پہ منہ رکھ کے سوئیو

بولی مچل کے وہ کہ نہ مانوں گی میں پدر
جنگل میں چھوڑ کر مجھے جاؤ گے کس کے گھر
بہلائیے نہ بیٹی کو یا شاہِ بحر و بر
یہ پیار آخری ہے مرے دل کو ہے خبر
میں خوب جانتی ہوں کہ منہ موڑتے ہیں آپ
صغرا تو واں چھٹی مجھے یاں چھوڑتے ہیں آپ

مانوں نہ ایک میں کوئی مجھسے کہے ہزار
باتیں ہیں سب فراق کی یا شاہِ نامدار
مجھ کو اُتارے دیتے ہو گود سے بار بار
بس بابا جان دیکھ لیا آپ کا بھی پیار
ہے ہے طبیعت آپ کی بیٹی سے ہٹ گئی
اتنی سی عمر میں مری قسمت اُلٹ گئی

حضرت کے سامنے تو ہے اعدا کا یہ ستم
فاقہ پہ فاقہ دکھ پہ ہے دکھ اور غم پہ غم
ہوگا نہ جب کوئی تو رہیں گے کدھر کے ہم
شب کیسی دن کو دشت میں لٹ جائیں گے حرم
ہوں گے وہ ظلم جو نہ سنے ہوں جہان میں
رسّی گلوں میں ہوگی گلے ریسمان میں

جس دم کیے سکینہ نے یہ جاں گزا کلام
روئے لپٹ کے زینبِ ناشاد سے امام
قدموں پہ تھی جھکی ہوئی بانوئے نیک نام
کھولے سروں کو پیٹتی تھیں بی بیاں تمام
آمادۂ سفر تھا مسافر عراق کا
تھا شور الوداع کا اور الفراق کا

نکلے حرم سرا سے شہِ آسماں شکوہ
پُر نور ہو گئے رُخِ روشن سے دشت و کوہ
ہاتھوں پہ سر دھرے تھے جوانانِ حق پژوہ
حقا کہ بادشاہ عجب تھا عجب گروہ
ایذا تھی عشقِ شاہ میں چین ان کے واسطے
بہرِ حسین وہ تھے حسین ان کے واسطے

دیں دار سرفروش وفادار اہلِ درد
سُرمہ ہی چشمِ حور کا جن کے قدم کی گرد
لب پیاس سے کبود تو فاقوں سے رنگ زرد
دم میں مگر صفوں کو الٹ دیں تمام نبرد
رستم نظر ملا نہ سکے اُن کی چشم سے
مر جائے ڈر سے شیر کو دیکھیں جو خشم سے

ہر بات میں خشوع و خضوع و فروتنی
محتاج پر حسین کی دولت سے دل غنی
قبضے میں جوں کماں ہنرِ ناوک افگنی
جنگ آزما ہزبر وغا تیغ کے دھنی
گر آسماں گرے تو زمیں پہ کھڑے رہیں
ٹل جائے کوہ پر قدم ان کے گڑے رہیں

تھا ولولہ جہاد کا مشتاقِ جنگ تھے
کمریں کسی کھنچے ہوئے گھوڑوں کے تنگ تھے
رانوں میں بے قرار کمیت و سرنگ تھے
تھے بحر میں نہنگ تو بر میں پلنگ تھے
گھوڑے اُڑا کے تیغ سے بجلی کو پے کریں
پانی تو کیا ہے آگ کے دریا کو طے کریں

ان سب کو لیکے آئے جو دشتِ وغا میں شاہ
غل تھا عجب شکوہ کا لشکر ہے واہ واہ
صف باندھ کر کھڑے ہوئے جس دم وہ رشکِ ماہ
دیوار نور کھنچ گئی گویا میانِ راہ
جلوہ رخوں کا غازیوں کے تا فلک گیا
بولے ملک زمیں کا ستارا چمک گیا

کھولا جنابِ حضرتِ عباس نے علم
رفعت ہوئی نثار تصدق ہوا حشم
اُڑنے لگا ہوا سے پھریرا جو دم بدم
دشت وغا میں پھیل گئی نکہتِ ارم
پرچم فزوں تھا حسن میں گیسوئے حور سے
خورشید زرد ہو گیا پنجے کے نور سے

ناگاہ کوسِ حرب بجا فوج میں ادھر
شورِ دہل سے آگئے جنبش میں دشت و در
گرجا جو طبل رعد پکارا کہ الحذر
قرنا کے غل نے کر دیا گوشِ سپہر کر
ڈھالوں کا ابر اُٹھا کہ زمیں تیرہ ہو گئی
تیغوں کی بجلیوں سے نظر خیرہ ہو گئی

نکلے وغا کو شہ کے رفیقانِ بے نظیر
چمکی ادھر سے تیغ تو برسے اُدھر سے تیر
لیکن کہاں قلیل کہاں لشکرِ کثیر
خوں کی شفق میں ڈوب گئے وہ مہ منیر
نے بھوک سے ہراس انھیں تھا نہ پیاس سے
سینوں پہ زخم کھاتے تھے کس کس حواس سے

اک بار دس ہزار کمانیں ہوئیں جو زہ
تیر آئے اس طرح کہ برستا ہے جیسے مینہ
نے تھی شکن جبیں پہ نہ ابرو پہ تھی گرہ
تیروں سے غازیوں کی قبائیں بنی زرہ
سوئے جناں پچاس مددگار شہ گئے
بائیس شیر فوجِ حسینی میں رہ گئے

یوں ان کے بیچ میں تھے شہ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
چہروں پہ یہ صفا کہ خجل موتیوں کی آب
تھامے شکاربند کوئی اور کوئی رکاب
آنکھیں لڑی ہوئی تھیں صفِ فوجِ شام سے
تلواریں اُگلی پڑتی تھیں ان کی نیام سے

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
چہرہ کسی کا غیرتِ گل کوئی سبز رنگ
ہاتھوں میں زورِ صف شکنی دل میں شوقِ جنگ
وہ موسمِ شباب جوانی کی وہ اُمنگ
رگ رگ میں اُن کی زورِ شجاعت بھرا ہوا
آنکھوں میں نشۂ مئے وحدت بھرا ہوا

نکلے رضا جہاد کی لیکر جو وہ دلیر
ہر صف پہ یوں گئے کہ جھپٹتا ہے جیسے شیر
انبار دست و پا کے ہوئے اور سروں کے ڈھیر
سرکش تھے واں کے ان کی زبردستیوں سے زیر
جن کے خدنگ گرتے تھے بکتر کو توڑ کر
بھاگے وہ مثلِ تیر کمانوں کو چھوڑ کر

لڑکے کئی لڑے کہ جواں خوں میں بھر گئے
گھوڑوں پہ جو چڑھے تھے سر ان کے اتر گئے
بجلی سے نیمچے ادھر آئے اُدھر گئے
دو کر دیا اسے تو اُسے چار کر گئے
دہشت سے زرد تھے یہ شجاعوں کا رنگ تھا
اسوار کی کمر تھی نہ گھوڑے کا تنگ تھا

یکتا تھے جو جواں اجل اُن سے دوچار تھی
گرتی ہیں بجلیاں یہی ہر سو پکار تھی
یارا قرار کا نہ مجالِ فرار تھی
چھوٹے سے نیمچوں کی چمک دل سے پار تھی
تھا شور کس جری کے پسر یہ دلیر ہیں
حضرت پکارتے تھے کہ شیروں کے شیر ہیں

نصف النہار تک تھا یہ ہنگامۂ جدال
آئی مگر قیامت کبریٰ دمِ زوال
مارا گیا جہاد میں قاسم حسنؑ کا لال
دولھا کی لاش ہوگئی گھوڑوں سے پامال
گھر سے نکل کے شہ کی بہن پیٹنے لگی
سہرا بڑھا کے سر کو دلھن پیٹنے لگی

لپٹی دولھن سے دولھا کی ماں پھینک کے ردا
کہتی تھی میں نہ مر گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
بچپن میں رانڈ ہوگئی تو وا مصیبتا
ناشاد نامراد ہو میں ترے فدا
یہ داغ تھا نصیب میں تجھ سوگوار کے
رنڈسالہ پہنو بیاہ کا جوڑا اتار کے

یہ شور تھا کہ آن کے فضہؑ نے دی خبر
لو سوگوارو ٹوٹ گئی شاہ کی کمر
بیٹھے ہو کیا اٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
مارے گئے فرات پہ عباسِ نامور
ماتم کرو علی کا بھرا گھر اجڑ گیا
فریاد ہے کہ بھائی سے بھائی بچھڑ گیا

دوڑے دولھن کو چھوڑ کے ناموسِ مصطفےٰ
کوئی تو ننگے سر تھی کوئی تھی برہنہ پا
اٹھی نہ کہہ کے زوجۂ عباسِ باوفا
دو رانڈیں پیٹنے لگیں مسند پہ ایک جا
پرسا دلھن کو دیتی تھی وہ اور دلھن اسے
بانو اسے سنبھالے تھی شہ کی بہن اسے

روتا تھا ماں کے پاس علمدار کا پسر
کہتا تھا ہم یتیم ہوئے مر گئے پدر
چلاتی تھی تڑپ کے سکینہ بچشمِ تر
لٹ جائیں گی چچی جسے اس کی نہ تھی خبر
پانی کو مانگ کے میں بہت شرمسار ہوں
ہے ہے مری چچی میں تمھارے نثار ہوں

پرسے سے بیبیوں کو ہوا تھا نہ انفراغ
جو رن میں غل ہوا کہ لٹا فاطمہ کا باغ
پیری میں قہر ہے پسرِ نوجواں کا داغ
لو گھر ہوا امامِ دو عالم کا بے چراغ
پہونچے ہیں دیر میں جو تن پاش پاش پہ
آیا ہے غش حسین کو اکبر کی لاش پہ

لکھتا ہے یہ حمید کہ سنتے ہی یہ خبر
سیدانیاں خیام سے دوڑیں برہنہ سر
اک آسمانِ نور سے نکلے کئی قمر
چہروں پہ تھی یہ ضو کہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
ظاہر تھا صاف سب کے رخوں کی سرشت سے
حوریں نکل پڑی ہیں کھلے سر بہشت سے

اک بی بی سب کے آگے تھی بکھرائے سر کے بال　　صورت جو تھی علی کی تو خیر النسا کی چال
ہلتا تھا چرخ کہتی تھی جب وہ بصد ملال　　پالا تھا کن دکھوں سے تجھے ہائے میرے لال
صدقے گئی دلھن بھی نہ ماں کو دکھا گئے　　اے میرے شیر موت کے پنجے میں آ گئے

آئی جناب فاطمہؑ کی یک بیک صدا　　اے زینب اپنے لال کو تو رو رہی ہے کیا
کاٹا ستم گروں نے مرے لال کا گلا　　میں ننگے سر ہوں دے مجھے پرسا حسین کا
روندیں گے اب سوار تنِ پاش پاش کو　　کس سے کہوں اٹھائے جو بےکس کی لاش کو

زینب نے بڑھ کے فوج کی جانب جو کی نگاہ　　دیکھا کہ ہے سناں پہ سرِ شاہِ دیں پناہ
ہے ہے حسین کہہ کے گری وہ باشک و آہ　　چلائی ہائے خانۂ زہرا ہوا تباہ
ہم سب کے چین اب تہ افلاک اٹھ گئے　　ہے ہے جہاں سے پنجتنِ پاک اٹھ گئے

لوٹا بلا کے گھر سے محمدؐ کی آل کو　　پیاسا کیا شہیدِ شہِ خوش خصال کو
ہے ہے کفن دیا بھی نہ زہرا کے لال کو　　لوگو خبر کرو اسدِ ذوالجلال کو
دیکھیں بغور زخم تنِ پاش پاش کے　　ٹکڑے اٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے

لاشے کے گرد جمع تھیں ارواحِ انبیا　　سر پیٹتے تھے غم میں نواسے کے مصطفیٰ
دامن تلک تھا چاک گریبانِ مرتضیٰ　　ہے ہے حسین کہہ کے تڑپتے تھے مجتبیٰ
زہرا پچھاڑیں کھاتی تھیں دلبر کی لاش پر　　برپا تھا حشر شافعِ محشر کی لاش پر

اب اے انیس سبطِ نبی سے یہ عرض کر　　بلوائیے مزار پہ یا شاہِ بحر و بر
کب تک رہے غلام زمانے میں دربدر　　یہ عمرِ پنج روزہ اسی در پہ ہو بسر
واں خاک ہو اگر تو عجب مرتبا ملے　　بس اک لحد کی صحنِ مقدس میں جا ملے

مرثیہ (۲۲)

جب کہ خاموش ہوئی شمعِ امامت رن میں
دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں
جب تڑپنے لگا وہ سروِ سا قامت رن میں
صاف ظاہر ہوئے آثارِ قیامت رن میں
چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھرّائی تھی
نالۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی تھی

شور تھا فاطمہؑ کا راحتِ جاں قتل ہوا
حق کے سجدے میں امامِ دو جہاں قتل ہوا
قبلۂ دیں شرفِ کون و مکاں قتل ہوا
ہائے پانی نہ ملا تشنہ دہاں قتل ہوا
ظلمِ اعدا سے ہوا یثرب و بطحےٰ خالی
ہو گئی پنجتنِ پاک سے دنیا خالی

تشنہ و بیکس و مظلوم مسافر ہی رہے
بوند پانی کی نہ پائی دمِ آخر ہی رہے
تابعِ مرضیِ حق صابر و شاکر ہی رہے
روضۂ احمدِ مرسل کے مجاور ہی رہے
سر لیے جاتے ہیں نیزے کے چڑھانے کے لیے
کوئی آتا نہیں لاشہ بھی اٹھانے کے لیے

بی بیاں ڈیوڑھی پہ چلاتی تھیں کھولے ہوئے سر
ہائے فرزندِ علیؑ ہائے محمدؐ کے پسر
کہتی تھی پیٹ کے سر زینبِ تفتیدہ جگر
سبطِ احمد تیری مظلومی کے صدقے خواہر
تم نے پردیس میں منہ بہنوں سے موڑا بھائی
آپ جنت میں سدھارے ہمیں چھوڑا بھائی

گھر میں زہرا کے تو ماتم تھا ستمگاروں میں عید
روزِ عاشور کو سمجھے تھے لعیں روزِ سعید
غل تھا سجدے میں ہوا فاطمہ کا لال شہید
آلِ احمد پہ ظفر یاب ہوئی فوجِ یزید
قتل فرزند ہوا غالبِ ہر غالب کا
کٹ گیا باغ علی ابنِ ابی طالب کا

اپنے خیمے میں ادھر بیٹھا تھا کرسی پہ عمر
کہ خبردار نے ناگاہ یہ دی آکے خبر
لے مبارک ہو کہ مارا گیا زہرا کا پسر
فاطمہ روتی رہی کاٹ لیا شمر نے سر
خیمے کی ڈیوڑھی پہ سیدانیاں چلاتی تھیں
بیٹیاں فاطمہؓ کی رن میں چلی آتی تھیں

کہہ کے یہ کرسی زمیں سے اٹھا وہ بے دیں
شکر ہے قتل ہوا بادشہ عرش نشیں
آیا خوش ہوتا ہوا سامنے یوں شمر لعیں
سر تھا ایک ہاتھ میں ایک ہاتھ میں تھا خنجر کیں
کہتا تھا سید لولاک کا گھر خاک ہوا
لے عمر خاتمۂ پنجتن پاک ہوا

تیرا اقبال تھا یاور کہ مہم ہو گئی سر
اس کا یہ سر ہے جو تھا فاتح خیبر کا پسر
خنجر ظلم سے کاٹا ہے محمد کا جگر
آج گل ہو گئی شمع لحد پیغمبر
نالۂ شبیر الٰہی کی صدا آیا کی
میرا خنجر نہ رکا فاطمہ چلایا کی

اس نے دیکھا جو سر پاک امام خوش خو
چاہتا تھا کہ ہنسے پر نکل آئے آنسو
شمر سے کہنے لگا آل پیمبر کا عدو
کس طرح قتل کیا مجھ سے مفصل کہہ تو
تیغ جب حلق پہ رکھی تھی تو کیا کرتے تھے
اس نے رو کر کہا امت کی دعا کرتے تھے

جب کہ نزدیک گیا کھینچے ہوئے خنجر کیں
قبلہ رو بیٹھے تھے بے ہوش شہ عرش نشیں
ہاتھ تھے خاک پہ اور سجدۂ خالق پہ جبیں
آستیں میں نے جو الٹی تو لرزتی تھی زمیں
عرش تھرّاتا تھا جب فاطمہ چلاتی تھی
الاماں کی مرے خنجر سے صدا آتی تھی

زانو اس سینۂ بے کینہ پہ رکھنے لگا جب
شور تھا چار طرف ہائے غضب ہائے غضب
تھامے ہاتھوں سے جگر کہتے تھے سلطان عرب
میرا سینہ ہے یہ اس سینہ کا لازم ہے ادب
تجھ کو اللہ نہ بخشے گا یہ کیا کرتا ہے
سر شبیر کو خنجر سے جدا کرتا ہے

گردن سبط پیمبر پہ جو رکھا خنجر
شہ بیکس نے عجب یاس سے کی مجھ پہ نظر
پھر گئی آنکھوں تلے گردش چشم حیدر
رو کے فرمایا کہ زینب تو نہیں ڈیوڑھی پر
اوٹ کچھ کر لے کہ وہ جی سے گزر جائے گی
ذبح ہوتے مجھے دیکھے گی تو مر جائے گی

ذبح کے وقت کا احوال سناؤں تجھے کیا
زینب آ پہونچی تھی شبیر تلک ننگے پا
سر برہنہ تھے نبی پیٹتے تھے شیر خدا
رکھے دیتی تھی گلا تیغ کے نیچے زہرا
جب علی ہاتھ پکڑتے تھے تو ہٹ جاتی تھی
پھر تڑپ کر شہ بیکس سے لپٹ جاتی تھی

ماں کے احوال پہ روتا تھا علی کا جانی ہونٹ سوکھے ہوئے تھے پیاس کی تھی طغیانی
مجھ سے منہ پھیر کے دو مرتبہ مانگا پانی سبطِ احمد کی کوئی بات نہ بیغ مانی
زیرِ شمشیر گلوئے شہِ خوش خو رکھا آسماں ہل گیا جب چھاتی پہ زانو رکھا

ضربِ اوّل میں شہِ دیں نے کہا بسم اللہ دوسری بار پکارے مددے یا جدّاہ
تیسری ضرب میں آئی یہ صدائے جانکاہ بخش دے حشر میں یا رب مرے شیعوں کے گناہ
پھر نہ کچھ حضرت شبیر کی آواز آئی جب گلا کٹ گیا تکبیر کی آواز آئی

شمرِ اظلم سے خوشی ہو کے لگا کہنے عمر شکر ہے شکر کہ جلدی یہ مہم ہو گئی سر
حکم دے فوج کو کوئی ابھی کھولے نہ کمر جلد غارت کریں ابنِ اسد اللہ کا گھر
دن بہت کم ہے بس اب فکرِ زر و مال کریں لُٹ چکے خیمے تو پھر لاشوں کو پامال کریں

شمر یہ سنتے ہی چلّایا کہ اے لشکرِ شام غارتِ خیمہ کا ہے حکم چلے فوج تمام
دیر کا وقت نہیں اب کہیں ہو جائے نہ شام جس کے جو ہاتھ لگے لوٹ لے اسباب تمام
پاسِ ناموسِ نبی کے زر و زیور نہ رہے ہاں سرِ زینب و کلثوم پہ چادر نہ رہے

حکم یہ سن کے چلے خیمے پہ اعدا کے پرے شور تھا رحم نہ ہرگز کوئی رانڈوں پہ کرے
کاٹ کر لاشوں کے سر نیزے کی نوکوں پہ دھرے نہ خدا سے نہ علی سے نہ پیمبر سے ڈرے
آلِ احمد پہ عجب طرح کی آفت آئی فوج کیا آئی کہ خیمے میں قیامت آئی

پاؤں بے اذن نہ رکھتا تھا جہاں روح الامیں واں چلے جاتے تھے تلواریں لیے دشمنِ دیں
چترِ زر سر پہ لگائے عمرِ سعدِ لعیں فتح کے باجوں کی آواز سے ہلتی تھی زمیں
برچھیاں ہاتھوں میں جلّاد لیے آتے تھے آہنی بیڑیاں حدّاد لیے آتے تھے

مضطرب پھرتی تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال ماؤں کی گودیوں میں چھپتے تھے ڈر سے اطفال
خوف کے مارے سکینہ کا عجب تھا احوال ماں سے لپٹی ہوئی چلاتی تھی وہ نیک خصال
جاں بلب ہے مرے بچپن پہ ترس کھائے کوئی رن سے جلدی مرے بابا کو بلا لائے کوئی

ارے لوگو مرے بھیا علی اکبر ہیں کہاں
کس سے پوچھوں میں بھتیجی جان کے دلبر ہیں کہاں
لٹی جاتی ہے دلھن قاسم بے پر ہیں کہاں
اُن کے قربان میں عباسِ دلاور ہیں کہاں
اب بچانے کو نہ آئیں گے تو کب آئیں گے
قتل ہو جائیں گی سب بی بیاں تب آئیں گے

یہ تلاطم تھا کہ خیمے میں دھنسے غارت گر
اور لٹنے لگا ناموسِ نبیؐ کا زیور
دخترِ فاطمہؑ کے سر پہ نہ چھوڑی چادر
شور تھا جلد بتاؤ کہ خزانہ ہے کدھر
گاڑھ رکھی ہے کہاں سبطِ نبی کی دولت
کیا ہوئی احمدِ و زہرا و علی کی دولت

بی بیاں کہتی تھیں بکھرائے ہوئے چہروں پہ بال
گھر سخی کا ہے یہ بیجا ہے یہاں زر کا خیال
کرتا تھا فاقے پہ فاقہ اسداللہ کا لال
نہ دفینہ ہے نہ دولت ہے نہ زیور ہے نہ مال
اب حسینؑ ابنِ علی سے ہے زمانہ خالی
ہو گیا آج محمدؐ کا خزانہ خالی

غش میں بستر پہ جو سجاد پڑے تھے تنہا
ننگے سر دوڑی گئی بالی سکینہؑ اُس جا
ننھے سے ہاتھوں سے بازو کو ہلا کر یہ کہا
پھوپھی اماں کی ردا چھن گئی اُٹھو بھیا
شمر نے بانوئے آوارہ وطن کو لوٹا
ستم ایجادوں نے اک شب کی دلھن کو لوٹا

اُٹھ کے صدقے گئی دیکھو تو یہ کیسا ہے ستم
برچھیاں تانے ہوئے گھر میں کھڑے ہیں ظالم
چونک کے غش سے پکارے یہ امامِ عالم
ہائے شاید سرِ شبیر ہوا تن سے قلم
رہ گئے ہم اسداللہ کا پیارا نہ رہا
ہے غضب خلق میں سرتاج ہمارا نہ رہا

ہاتھ چہرے پہ دھرے کہتی تھی یہ زینبؑ زار
کوئی دنیا میں نہیں ہوئے گی مجھ سی نادار
لٹ گئی آن کے اس بن میں علی کی سرکار
اب تو محتاج ہوں چادر کو بھی میں سینہ فگار
شکر کرتی ہوں کہ اللہ نے احسان کیئے
پاس دو لال تھے وہ بھائی پہ قربان کیئے

کہتی تھی یہ کہ لعینوں کا ہوا گرد ہجوم
قتل اس کو بھی کرو تھی یہ جلادوں میں دھوم
برچھیاں تان کے سب بولے کہ اُٹھ او مظلوم
باپ مارا گیا شاید نہیں تجھ کو معلوم
باندھ مضبوط کمر کانٹوں پہ جانے کے لیئے
بیڑیاں آتی ہیں پاؤں میں پہنانے کے لیئے

آگیا غیظ یہ سُن کے علی کا دلدار | کانپتے ہاتھوں سے پہلو سے اُٹھالی تلوار
شمرِ ظالم سے یہ فرمایا کہ او ناہنجار | سب تری فوج کو کافی ہوں میں گو ہوں بیمار
او لعیں صاحبِ شمشیر کا پوتا ہوں میں | قید ہونے کا نہیں شبیر کا پوتا ہوں میں

اُس کا بیٹا ہوں میں دو لاکھ سے کی جس نے جدال | قید کر لیوے مجھے کیا ترے لشکر کی مجال
پاٹ دوں لاشوں سے اک دم میں یہ میدانِ قتال | غضب آجاتا ہے جس دم ہمیں آتا ہے جلال
ہم وہ ہیں جن سے رسولوں نے مدد چاہی ہے | دستِ بیمار میں بھی زورِ یداللٰہی ہے

بیچ میں آگئیں سب بی بیاں کھولے ہوئے سر | بانو چلائی کہ ہے ہے مرے بیمار پسر
کہا زینب نے پھوپی صدقے ہو اے نورِ نظر | کچھ تمھیں یاد ہے کیا کہہ گئے ہیں تم سے پدر
جنگ کا قصد نہ اے سیدِ سجاد کرو | شہِ بیکس کی وصیت کو ذرا یاد کرو

لے کے بھائی کی بلائیں یہ پکاری کبرا | وقتِ رخصت تمھیں بابا نے ہے کچھ لکھ کے دیا
خط وصیت کا ہے تم اُس کو تو پڑھ لو بھیا | لیکے اس نامے کو سجاد نے آنکھوں پہ رکھا
بولے دیکھوں خطِ شبیر میں کیا لکھا ہے | اور بیمار کی تقدیر میں کیا لکھا ہے

خط جو کھولا تو یہ لکھا تھا پس از حمد و ثنا | میرے عابد تیری مظلومی کے صدقے بابا
ہم تو اب جاتے ہیں اے لال کٹانے کو گلا | سب کو سونپا تمھیں اور تم کو خدا کو سونپا
تابعِ مرضیِ حق اے مرے عابد رہنا | باپ کی بیکسی و یاس کے شاہد رہنا

لوٹنے آئے مرے بعد جو فوجِ دشمن | منہ سے نکلے نہ بجز شکرِ خدا کوئی سخن
طوق لائیں تو خوشی ہو کے جھکانا گردن | کیجو اُمت کی دعا باندھیں جو ہاتھوں میں رسن
گھر کے لٹنے کا نہ اے لال تاسف کرنا | میری مسند بھی جلائیں تو نہ تم اُف کرنا

رکھیو اُمت پہ نبی کی نظرِ لطف و کرم | کھینچیو تیغ نہ جھنجھلا کے ہمیں سر کی قسم
ہم کو سب طرح کی قدرت تھی پہ مارا نہیں دم | اے مری جان ڈگے راہِ رضا سے نہ قدم
مر کے بھی تم سے نہ غافل یہ پدر ہووے گا | شام تک ساتھ تمھارے مرا سر ہووے گا

پڑھ چکا باپ کی تحریر کو جب وہ بیمار
دیکھ کر شدتِ کفار کو یہ کی گفتار
ہاتھ باندھو یہ گرفتارِ بلا حاضر ہے
سُن کے بیمار کی تقریر بڑھے اہلِ جفا
ہوئی زنجیر کے نالوں سے قیامت برپا
میں تو صابر ہوں پہ حضرت یہ ستم دیکھتے ہیں

اتنے میں جلنے لگا خیمۂ سلطانِ اُمم
دوڑا معصوم سکینہ کی طرف ایک اظلم
خون میں کرتے کو بھرا دیکھ کے تھرّاتی تھی
گود میں لیکے اسے رونے لگی بانوئے زار
اونٹ بٹھلائے تو چلّائی یہ زینب اک بار
گرد اونٹوں کے قنات آکے لگا دو بیٹا

اونٹ آئے ہیں سواری کو یہ ای نورِ نظر
دیر سے بھائی کو چلاتی ہوں میں خستہ جگر
سر پہ چادر نہیں یہ شان ہماری دیکھو
یہ جو زینب نے کہا رونے لگے خُرد و کلاں
بس انیس جگر افگار۔ نہیں تابِ بیاں
توبہ کرتا ہوں گناہوں سے پشیماں ہوں میں

شکر آنکھوں سے کیا ہاتھ سے رکھدی تلوار
طوق و زنجیر کو لے آؤ نہیں اب انکار
پاؤں سوجے ہوئے حاضر ہیں گلا حاضر ہے
پھنس گیا طوق میں وہ چاند سا پر نور گلا
جب بندھے ہاتھ تو فرمایا کہ یا عقدہ کشا
آئی آواز یہ اللہ کی ہم دیکھتے ہیں

بچّے لے لے کے نکلنے لگے ڈیوڑھی سے حرم
دونوں کانوں سے گہر چھین لیئے وائے ستم
ہاتھ کانوں پہ دھرے باپ کو چلّاتی تھی
غل ہوا اہلِ حرم جلد ہوں اُونٹوں پہ سوار
کِس طرف ہو علی اکبر یہ پھوپی تم پہ نثار
ہاتھ پکڑ و مجھے محمل میں بٹھاؤ بیٹا

نہ کجاوہ ہے نہ ہودج نہ عماری جن پر
اپنی ماں جائی کی لیتے نہیں اس وقت خبر
آج ناموسِ پیمبر کی سواری دیکھو
اور اونٹوں کی بھی آنکھوں سے ہوئے اشک رواں
عرض کر حق سے بصد عجز کہ ربِّ دو جہاں
عفو کر جرم کہ آلودۂ عصیاں ہوں میں

مرثیہ (۲۳)

جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابد
خم مثل ہلالِ شبِ اوّل ہوئے عابد
اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابد
اعدا تو چڑھے گھوڑوں پہ پیدل ہوئے عابد
رانڈوں میں تو محبوسیِ سجاد کا غل تھا
ہر گام پہ زنجیر کی فریاد کا غل تھا

بے دینوں میں تھی تہنیتِ فتح کی اک دھوم
رانڈوں میں یہ تھا شور کہ ہے ہے شہِ مظلوم
اور شرم سے نہوڑائے تھے سر عابدِ مغموم
بیمار کو آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اک ہاتھ میں زنجیر بصد رنج و محن تھی
اک ہاتھ میں ماں بہنوں کے اونٹوں کی رسن تھی

تلواریں لیے چار طرف ظلم کے بانی
حلقے میں دل آزاروں کے وہ یوسفِ ثانی
غربت کا الم بے پدری تشنہ دہانی
وہ طوق کا لنگر وہ سلاسل کی گرانی
مڑ کر کبھی زینب کے رخِ پاک کو دیکھا
بیڑی کبھی دیکھی کبھی افلاک کو دیکھا

لغزش میں نہ تھا ہاتھ کوئی تھامنے والا
صدمے سے گرا پڑتا تھا وہ نازوں کا پالا
تھا چاند سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
زنجیر جو ہاتھوں سے چھٹی طوق سنبھالا
مرقد نہ بنا باپ کا یہ فکر بڑی تھی
اک جانِ حزیں لاکھ مصیبت میں پڑی تھی

نرغے میں دل آزاروں کے وہ صاحبِ آزار
دل سوز نہ کوئی نہ کوئی مونس و غمخوار
شیشے کی طرح ہوتا ہے نازک دلِ بیمار
اس پر یہ مصیبت کا گرا کوہِ گرانبار
تعویذِ شفا اس کو پنھاتے تو بجا تھا
یاں طوقِ گراں بار کے حلقے میں گلا تھا

دستور ہے بیمار کے ہیں پاؤں دباتے
یاں بیڑیاں بھاری ہیں کسے لاکے پنھاتے
ماتم کی خبر کو ہیں عزیزوں سے چھپاتے
یا باپ کا سر کاٹ کے اس کو ہیں دکھاتے
یہ دکھ نہ کسی صاحبِ آزار نے دیکھے
ہاں بعدِ پدر عابدِ بیمار نے دیکھے

ہفتم سے جو اعدا کی ہوئی شہ پہ چڑھائی
بیمار کو پانی نہ ملا کیسی ٹھنڈائی
عاشور کو غش تھے کہ یکایک خبر آئی
شہ ذبح ہوئے لُٹ گئی زہرا کی کمائی
ہوش آیا تو گھر آگ سے جلتے ہوئے دیکھا
ماں بہنوں کو بلوے میں نکلتے ہوئے دیکھا

کیا کیا نہ ستم اہلِ شقاوت نے دکھائے
بیمار نے جز شکرِ خدا لب نہ ہلائے
جب طوق و سلاسل کو عدو سامنے لائے
کس صبر سے نہوڑا دیا سر پاؤں بڑھائے
تھی فکر گنہگاروں کی اس رنج و محن میں
بندھوا دیے اُمت کے لیے ہاتھ رسن میں

تھا صاحبِ اعجاز کو ہر طرح کا مقدور
ہونٹوں کے ہلانے میں فنا ہوتے وہ مقہور
تھی نار سے آزادیِ اُمت انھیں منظور
دانستہ ہوئے قید نہ بیکس تھے نہ مجبور
زنجیر سے ہر گام پہ لغزش ہوئی پا کو
چھوڑا نہ مگر سلسلۂ صبر و رضا کو

پھوپھیاں سرِ ناقہ نظر آتی تھیں کھلے سر
ہاتھوں سے چھپائے ہوئے منھ روتی تھی مادر
بے پردہ تھی اک رات کی بیاہی ہوئی خواہر
چھپتی تھیں اس انبوہ میں بے مقنعہ و چادر
ناموس محمد پہ تو یہ ظلم و ستم تھا
اور سامنے سر باپ کا نیزے پہ علم تھا

فریاد تھی رانڈوں میں کہ اے قافلہ سالار
منھ کاہے سے ڈھانپیں حرم حیدرِ کرّار
کس درد سے فرماتے تھے سجادِ دل افگار
صابر رہو شاکر رہو جو مرضیِ غفار
چھننے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمھیں کم ہے

موئے سرِ پر نور سے چہروں کو چھپا لو
شکوے کی کوئی بات زباں سے نہ نکالو
لازم ہے تمھیں صبر کلیجوں کو سنبھالو
غربت میں اسیری کی بھی تکلیف اُٹھالو
چادر نہیں سر پر تو ضرر کیا ہے تمھارا
پردہ رہے اُمت کا یہ پردا ہے تمھارا

گو آج نہیں ہودج و محمل کی سواری
کل دے گا تمھیں ناقۂ نور ایزدِ باری
موقوف رداؤں پہ نہیں شان تمھاری
تم نورِ خدا ہو تمھیں کیا دیکھیں گے ناری
عریانی سے تم لوگوں کی عزت نہیں جاتی
پوشش جو نہ ہو کعبہ کی حرمت نہیں جاتی

یہ کہتے تھے جو قتل کا میداں نظر آیا
کاٹا ہوا زہرا کا گلستاں نظر آیا
دیکھا جسے وہ خاک پہ بے جاں نظر آیا
سوتے ہوئے شیروں کا نیستاں نظر آیا
روحیں تو نثارِ پسرِ شاہِ نجف ہیں
پیاسوں کی کٹی گردنیں قبلہ کی طرف ہیں

اس شکل سے صحرا میں پڑے تھے وہ دلاور
جس طرح مرقع کہیں ہو جاتا ہے ابتر
سوتے تھے کہیں خاک پہ دو بھائی برابر
دولہ کوئی پامال تھا گھوڑوں سے سراسر
بندے کوئی پہنے ہوئے پیارا سا پڑا تھا
ریتی پہ کوئی طفل ستارا سا پڑا تھا

سوتا تھا لبِ نہر کوئی ہاتھ کٹائے
تھا خوابِ اجل میں کوئی پھل برچھی کا کھائے
تھے جسم لہو میں عوضِ غسل نہائے
اتنا بھی نہ تھا کوئی کہ قبریں تو بنائے
دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جواں تھے
بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشاں تھے

تھا بیچ میں اُن لاشوں کے اک لاشۂ بے سر
گردن پہ نمایاں کئی جاگہ خطِ خنجر
تھا نیزوں کی کثرت سے یہ حالِ تنِ اطہر
جس طرح عیاں خار ہوں ساہی کے بدن پر
بخشا تھا سرِ عرش نشیمن جو خدا نے
پر کھولے تھے اُس اوجِ سعادت کے ہما نے

افراطِ جراحت سے سراپا تھا بدن چور
اک قبر کو محتاج تھا وہ صاحبِ مقدور
تھی ریگِ بیاباں عوضِ مرہمِ کافور
آئینۂ صد پارہ تھا وہ سینۂ پرنور
زخموں میں لہو سینے کے بہنے سے بھرا تھا
زانو تھا جہاں شمر کا واں ہاتھ دھرا تھا

پہلو میں تھا اک طفلِ حسین تیر کا مارا
جس طرح سے ہو ماہ کے نزدیک ستارا
چھوٹا سا شلوکا تھا بھرا خون سے سارا
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے باپ کا پیارا
کچھ داغ جو دل پر تھے تو کچھ داغ جگر پر
اک ہاتھ تو تھا سینے پہ اک ہاتھ پسر پر

تھا لاش پہ بیکس کے عجب یاس کا عالم
کہتی تھی یہ حسرت تری غربت کے فدا ہم
رونے کو سرہانے کوئی مونس تھا نہ ہمدم
تھے ہاتھ بندھے اُن کے جو تھے صاحبِ عالم
تھا گرد کا دامن تنِ صد چاک کے اوپر
شہ رگ سے ٹپکتا تھا لہو خاک کے اوپر

اس دھوپ میں سایہ جو نہ تھا لاشۂ شہ پر
مرغانِ ہوا چھائے تھے کھولے ہوئے شہ پر
آملتا تھا جب دور سے طائر کوئی اُڑ کر
کہتا تھا کہ کیوں پیٹتے ہو بازوؤں سے سر
غم دیکھے ہیں دُنیا میں پہ یہ غم نہیں دیکھا
ایسا تو سلیماں کا بھی ماتم نہیں دیکھا

اُس سے یہ بیاں کرتے تھے وہ طائرِ صحرا
اس سانحہ کی آہ نہیں تجھکو خبر کیا
گھر لُٹ گیا زہرا کا قیامت ہوئی برپا
بے سر ہے سرِ خاک محمد کا نواسا
یہ وہ ہے رسولِ عربی روتے ہیں جس کو
روتے ہیں اُسے سارے نبی روتے ہیں جس کو

صحرا کے پرندوں میں یہ تھی درد کی تقریر
آپہونچے جو رانڈوں کو لیئے عابدِ دلگیر
بے سر نظر آیا جو اُنھیں لاشۂ شبیر
قدموں پہ گرے چھوٹ گئی ہاتھ سے زنجیر
بیمار نے نعرہ جو کیا یا ابتا کا
تھرا گیا لاشہ پسرِ شیرِ خدا کا

سر پیٹ کے چلائے یہ سجادِ دل افگار
رخصت کے لئے آیا ہے یہ صاحبِ آزار
صدقے تری مظلومی کے ای سیدِ ابرار
باندھے ہوئے گردن لیئے جاتے ہیں جفاکار
تلواریں علم سر پہ ہیں دم لے نہیں سکتا
مجبور ہوں حضرت کو کفن دے نہیں سکتا

بعد آپ کے اُمت نے یہ کی ہے مری توقیر
اونٹوں کی رسن ہاتھ میں اور پاؤں میں زنجیر
پہنایا ہے گردن میں بھی اک طوقِ گلوگیر
جو قافلے سے چھوٹے ہے اُس کی ہے یہ تعزیر
بیماری میں جو ہم پہ ستم ہو سو روا ہے
شمشیر سے گردن نہ کٹانے کی سزا ہے

اعجاز سے اُس لاش نے ہاتھوں کو اُٹھایا
کس پیار سے فرزند کو چھاتی سے لگایا
پھر حلقِ بریدہ سے یہ عابد کو سُنایا
رو و نہ کفن ہم نے نہ پایا تو نہ پایا
ای لال یہی خوں بھری پوشاک کفن ہے
جب خاک ملی خاک میں پھر خاک کفن ہے

یہ ذکر تھا جو اونٹ سے فضہ یہ پکاری
ای قافلہ سالارِ حرم عاشقِ باری
لو اونٹ سے گرتی ہیں پھوپی جان تمھاری
ایسا نہ ہو مر جائے یداللہ کی پیاری
ماں جائے کی مظلومی و تنہائی کو رو دے
اونٹوں کو بٹھا دو تو بہن بھائی کو رو دے

چلائی سکینہ مرا ناقہ بھی بٹھا دو
خوشبوئے شہِ مظلوم کی چھاتی کی سنگھا دو
مارا ہے عبث شمر نے مجھ خستہ جگر کو
گھبرا کے پکارا عمرِ سعدِ جفا کار
نیزے لیے ناقوں کے رہیں گرد ستمگار
خولی سے کہو آگے بڑھے لیکے سروں کو
عابد کو تنِ شاہ سے اعدا نے چھڑایا
جب اونٹ چلے رانڈوں نے یہ شور مچایا
کشتے ہوئے سب دفن لعینوں کی طرف کے
ہے ہے ہمیں اونٹوں سے اُترنے نہیں دیتے
کھینچے لیے جاتے ہیں ٹھہرنے نہیں دیتے
مٹی نہ ملی لاش کو شاہِ شہدا کی
اُس قافلے سے رُکتے ہوئے عابدِ مضطر
بیٹھا ہوا تھا کرسی پہ نخوت سے بد اختر
تھا جشن کا غل کشتیوں میں آتے تھے خلعت
نوفل پسرِ سعد سے کرتا تھا یہ گفتار
عباس کے شانوں پہ لگائی ہے وہ تلوار
کاٹا علمِ شاہ کو شمشیر سے میں نے
کس فخر سے کرتا تھا بیاں قاتلِ اکبرؑ
کہتا تھا کوئی چھیدا ہے اِک تیر لگا کر
ہر زخم کا انعام سوا چاہیے مجھ کو

اچھے مرے بھائی مجھے بابا سے ملا دو
سوتے ہیں اگر نام مرا لیکے جگا دو
دکھلاؤں گی میں نیل طمانچے کا پدر کو
کہدو کہ اُٹھے لاش سے اب عابدِ بیمار
اونٹوں سے زمیں پر کوئی اُترے نہ خبردار
ہاں جلد روانہ کرو اُن نوحہ گروں کو
جی بھر کے پسر باپ کو رونے بھی نہ پایا
رونا نہ ملا لاشوں پہ فریاد خدایا
لاشے کو نہ گاڑا پسرِ شاہِ نجف کے
کوشش کفن و غسل کی کرنے نہیں دیتے
مظلوم کو تربت میں بھی دھرنے نہیں دیتے
فریاد نبی کی ہے دوہائی ہے خدا کی
پہونچے پسرِ سعد کے خیمے کے برابر
اور فتح کی نذریں اُسے دیتے تھے ستمگر
خدّام کھڑے شمر کو پہناتے تھے خلعت
دو خلعت پر زرکا میں ہوں آج طلبگار
جس ضرب سے ٹوٹی کمرِ سیدِ ابرار
ہمشکلِ نبی میں سوراخ کیا تیر سے میں نے
اس نیزے سے بیجان ہوا ہمشکل پیمبر
بانو کا جگر شاہ کا دل گردنِ اصغر
اس تیرِ سہ پہلو کا صلا چاہیے مجھ کو

کہتا تھا سنا کر اُسے کوئی ستم آرا
رہوار کے پاؤں سے بدن سب کیا پارا
کیا قبر میں ہووے گا قلق ابنِ حسن کو

کہتا تھا کوئی لوٹ کا اسباب دکھا کر
باقر کی یہ ہنسلی ہے سکینہ کا ہے گوہر
یہ خون میں تر جامۂ شاہِ شہدا ہے

عابد نے سنی جب یہ ستمگاروں کی تقریر
فرمایا کہ قبروں میں تو گاڑے گئے بے پیر
کھلوا دے مرے ہاتھ کہ صدمہ ہے جگر کو

بے دفن و کفن ہیں جو ید اللہ کے پیارے
بکھرے ہوئے یاں پھول محمدؐ کے ہیں سارے
ان پھولوں کو مقتل سے اُٹھا لینے دو مجھ کو

سفاک نے تب چیں بجبیں ہو کے سُنایا
تو کوفے میں اب تک سرِ شبیر نہ لایا
مرنے پہ بھی راحت تنِ سرور کو نہ دینا

چُپ ہو گئے سجادِ حزیں سر کو جھکا کر
جیتا رہا گر قید کی تکلیف اُٹھا کر
حیدر کی حمایت میں تنِ شاہ کو سونپا

صدقے ہو پدر آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
ہم چین سے یاں سوتے ہیں تم قید میں جاؤ
ماتم میں بہن کو نہ بھلا دیجیو بیٹا

لختِ دلِ شبیر کو ہے اس تیر سے مارا
نوشاہ زمانے سے پُر ارمان سدھارا
رنڈسالہ میسر نہیں اک شب کی دُلہن کو

مقنع یہ دُلھن کا ہے یہ بانو کی ہے چادر
شملہ ہے یہ اکبر کا یہ گہوارۂ اصغر
پیوند ہیں جس میں کٹی زینب کی ردا ہے

نزدیک عمر آئے سنبھالے ہوئے زنجیر
کی ہے پسرِ فاطمہ نے کونسی تقصیر
میں دفن کروں شبیرِ الٰہی کے پسر کو

واللہ گڑا جاتا ہوں میں شرم کے مارے
صحرا میں کوئی ہے کوئی دریا کے کنارے
مٹی میں ستاروں کو چھپا دینے دو مجھ کو

حاکم کا یہ شقہ ہے مرے نام پہ آیا
صحرا سے خبردار جو لاشوں کو اُٹھایا
زنہار کفن سبطِ پیمبر کو نہ دینا

چلائے تنِ شہ کی طرف منہ کو پھرا کر
گاڑے گا غلام آپ کو اب شام سے آکر
آئی یہ صدا تم کو بھی اللہ کو سونپا

لاشے کے نہ اُٹھوانے کا صدمہ نہ اُٹھاؤ
چادر کوئی مل جائے تو زینب کو اُڑھاؤ
ہر وقت سکینہ کی خبر لیجیو بیٹا

سہنا ہے تمھیں رنج اسیری میں سفر کا
اک بوجھ تو ہے طوق کا اک بوجھ ہے گھر کا
اے نورِ نظر غم نہ کرو لاشِ پدر کا
بابا کے مقدر سے ہے کیا زور پسر کا
دن گزریں گے ایذا سے تو فرصت بھی ملے گی
تم چھٹ کے جب آؤ گے تو راحت بھی ملے گی

یہ سُن کے چلے روتے ہوئے عابدِ بیمار
راہی ہوئے خیموں کو اُکھڑوا کے ستمگار
بے غسل و کفن رہ گئی نعشِ شہِ ابرار
جز بیکسی و یاس نہ دلسوز نہ غمخوار
روتے تھے ملک عرش پہ جب روتی تھی زہرا
لاشے سے پسر کے نہ جُدا ہوتی تھی زہرا

وہ گرمی کے ایام وہ صحرائے خطرناک
پتّے کا نہ سایہ تھا بجز سایۂ افلاک
اُٹھتے تھے بگولے کہیں اُڑتی تھی کہیں خاک
ریتی پہ پڑا تھا پسرِ سیدِ لولاک
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پہ
اُس دھوپ میں سایہ نہ تھا لاشِ شہِ دیں پہ

مطلع دوم

جب گلشنِ ایمان کو قلم کر چکے اعدا
نیزے پہ سرِ شہ کو علم کر چکے اعدا
ناموسِ محمّد پہ ستم کر چکے اعدا
تاراج سب اسبابِ حرم کر چکے اعدا
کوفے کی طرف لے گئے ناموسِ نبی کو
گاڑا بھی نہ فرزندِ رسولِ عربی کو

جنات کے رونے کی صدا آتی تھی ہر دم
پریاں پسرِ فاطمہ کا کرتی تھیں ماتم
دریا میں یہ تھا شور کہ ہے ہے شہِ عالم
اُڑ اُڑ کے پرندے بھی فغاں کرتے تھے ماتم
فریاد کا غل اُٹھتا تھا ہر بار زمیں سے
ریتی پہ برستا تھا لہو چرخِ بریں سے

ٹکراتے تھے جب کوہ تو اُڑتے تھے شرارے
چلتے تھے درختوں پہ غم و درد کے آرے
جو کھیت لہکتے تھے وہ مرجھائے تھے سارے
اور لوٹتی تھیں مچھلیاں دریا کے کنارے
دانے کا نہ تھا ہوش پرندوں کو جہاں میں
چوپائے نہ منھ ڈالتے تھے آبِ رواں میں

کھیتوں پہ جو آتے تھے وہاں اہلِ زراعت
لاشے نظر آتے تھے انھیں آتی تھی رقت
دن بھر تو وہ سب روتے تھے با صد غم و حسرت
اور شب کو گھروں میں بھی نہ تھی غم سے فراغت
کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ سوتے تھے سحر تک
شبیر کی مظلومی پہ روتے تھے سحر تک

تب عرض یہ کرتی تھیں یہ با دیدۂ پرنم
کیوں بے خور و بے خواب ہو کس بات کا ہے غم
اشک آنکھوں سے تم لوگوں کے تھمتے نہیں اک دم
بتلاؤ یہ ہے کون سے مظلوم کا ماتم
کھانے جو پکائے ہیں اُسی طرح دھرے ہیں
کون اُٹھ گیا دُنیا سے کہ دل غم سے بھرے ہیں

تم لوگوں کے غم کھانے کا کھلتا نہیں احوال
خرمن پہ گری برق کہ کھیتی ہوئی پامال
کیا پیچ پڑا کونسا نقصان ہوا اس سال
املاک ہوئی ضبط کہ دُنیا میں پڑا کال
کچھ جرم کسی طرح کا ٹھہرایا ہے تم پر
کیا حاکم جابر کا عتاب آیا ہے تم پر

وہ بولے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں آہ
کیا تم سے کہیں ہم پہ جو ہے صدمۂ جانکاہ
تھی تیسری تاریخ محرم کی کہ ناگاہ
وارد ہوا اس دشت میں اک بندۂ اللہ
تھوڑے سے ملازم تھے پہ سب غنچہ دہاں تھے
کچھ پیر تھے کچھ طفل تھے کچھ تازہ جواں تھے

ہم نے کبھی دیکھے نہیں اس طرح کے خوش رو
میدان میں تھی جلوہ گری نور کی ہر سو
چہروں پہ لٹکتے تھے عجب حسن سے گیسو
جب ہنستے تھے تب پھولوں کی آجاتی تھی خوشبو
رُتبہ چمن خلد کا صحرا کو ملا تھا
دریا کی ترائی میں عجب باغ کھلا تھا

باندھے ہوئے عمامے وہ کعبے کے مسافر
آقا کی جلو میں بسر و چشم تھے حاضر
چہروں سے غریب الوطنی ہوتی تھی ظاہر
تسبیح زباں ذکر خدا صابر و شاکر
وہ چاند سے رُخ پیش نظر آج تلک ہیں
انداز سراپا سے عیاں تھا کہ ملک ہیں

تھی کاندھوں پہ شملوں کی عماموں کی عجب شاں
گیسوئے سر حور کو جن پر کریں قرباں
وہ چاند سے سینے وہ مہ نو سے گریباں
اور نور تن پاک عباؤں سے نمایاں
عالم تھا عجب حُسن کا ان بے وطنوں پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ بدنوں پر

سونلائے ہوئے رنگ صعوبات سفر سے
پر دے نہیں سکتے کبھی تشبیہ قمر سے
دیکھا جو انھیں گر گیا خورشید نظر سے
ہونٹوں پہ زیادہ تھی نزاکت گل تر سے
چہرے عرق آلودہ تھے گرمی جو بڑی تھی
ہنگام سحر اوس سی پھولوں پہ پڑی تھی

تھی کوئی عربی کوئی حجازی
رہوار تھے رہوار عربی ترکی و تازی
شیرانِ جہاں صف شکن و صفدر و غازی
سجدے تہِ شمشیر کریں ایسے نمازی
جانبازی و تسلیم و رضا ختم تھی اُن پر
آقا پہ تصدق تھے وفا ختم تھی اُن پر

بے مثل تھا اُس فوج میں اک ایک خوش اطوار
وہ شخص تھے پر سارے جوانوں میں نمودار
سب میں اُنھیں دونوں پہ نظر پڑتی تھی ہر بار
تھا ایک علمدار تو اک فوج کا سردار
رُخسار تھے یا نورِ خدا پیشِ نظر تھا
ذرّوں میں یہ خورشید وہ تاروں میں قمر تھا

اُن دونوں میں تھا ایک جواں گیسوؤں والا
گردِ قمر اس شان سے دیکھا نہیں ہالا
قد سرو سا اور حُسن میں یوسفؑ سے دوبالا
مہرِ فلکِ نور، اندھیرے کا اُجالا
سب خلق پہ وہ حسن میں ممتاز ہوا تھا
سبزہ بھی ابھی خوب نہ آغاز ہوا تھا

کیا حسن تھا کیا شان تھی کیا عزت و توقیر
آنکھوں میں بھلی لگتی تھی کیا سرمہ کی تحریر
رُخساروں پہ بل کھائی ہوئی زلفِ گرہ گیر
تھا فرق سے تا ناخنِ پا نور کی تصویر
اخلاق میں شوکت میں شجاعت میں نبی تھا
سایہ جو نہ ہوتا تو رسولِ عربی تھا

کس منھ سے کہیں شانِ علمدارِ شہنشاہ
سب کہتے تھے نکلا ہے یہ طوبیٰ کے تلے ماہ
تھی شوکتِ جعفر تو شکوہِ اسداللہ
حاضر تھا جلو میں حشم و دبدبہ و جاہ
خورشید سا تھا جلوہ نما خانۂ زیں پر
گھوڑا دو رکابہ تھا پہ تھے پاؤں زمیں پر

برپا جو ہوا خیمۂ زنگاریِ سردار
محمل سے حرم خیمے میں داخل ہوئے اک بار
اُترے وہ جواں گھوڑے سے صحرا ہوا گلزار
واللہ عجب مصحفِ دیں تھے وہ خوش اطوار
کچھ فکر نہ تھی اور فقط یادِ خدا تھی
تکبیروں کے نعرے تھے نمازوں کی صدا تھی

یاں ایک غلامِ حبشی اتنے میں آیا
اور بعدِ سلام آکے یہ پیغام سنایا
تم لوگوں کو آقا نے ہمارے ہے بلایا
حاضر ہوئے ہم اور سرِ تسلیم جھکایا
خدام پکارے کہ ہے دھیان ادب کا
دربار ہے فرزندِ شہنشاہِ عرب کا

استادہ رہے سامنے ہم جوڑے ہوئے ہات
تھرا گئے دل خوف سے کی جاتی نہ تھی بات
اللہ رے اخلاقِ شہنشاہِ خوش اوقات
کی ہم سے غریبوں پہ عجب لطف و عنایات
آداب سے سر قدموں پہ نہوڑا دیا ہم نے
پہلو میں جگہ دی ہمیں اس بحرِ کرم نے

فرمایا کہ تکلیف ہوئی تم کو نہایت
لیکن ہے یہ ہم سب کی ملاقات غنیمت
دینداروں کو لازم ہے غریبوں سے محبت
اطفال ہیں ساتھ اور یہ ہے عالمِ غربت
ملتی نہیں مہلت کوئی دم رنج و الم سے
ہم دور وطن سے ہیں وطن دور ہے ہم سے

اس دشت میں تھوڑی سی زمیں ہو تو بسائیں
ہے جی میں کہ اب یاں سے کہیں اور نہ جائیں
ایذائے سفر سہہ چکے راحت بھی اٹھائیں
قبضہ جو ہوا اس بن میں تو سب کام بن آئیں
جاگیر کی خواہش ہے نہ املاک کی خواہش
لے آئی ہے یاں تک ہمیں اس خاک کی خواہش

قیمت کے نہ لینے پہ کیا ہم نے جو انکار
قسمیں ہمیں دے دے کے دیئے درہم و دینار
گھر تک بھی ابھی پھر کے نہ پہونچے تھے کہ اک بار
فوجیں ہوئیں کچھ شام کے حاکم کی نمودار
تاریخِ ششم کو تو زمانہ ہی پھرا تھا
ڈولا کہ سواروں میں وہ مظلوم گھرا تھا

بند اس پہ ہوا ساتویں تاریخ سے پانی
سمجھایا پہ اعدا نے کوئی بات نہ مانی
وہ گرمی کے دن اور وہ غضب تشنہ دہانی
مرنے لگے اس سیدِ مظلوم کے جانی
پانی کے نہ ملنے سے جو گھبراتے تھے بچے
کوزے لیئے خیمے سے نکل آتے تھے بچے

عاشور کو مرنے پہ مسافر ہوئے تیار
تلواریں نیاموں سے نکلنے لگیں اک بار
ڈھالوں کا لبِ نہر اٹھا ابر دھواں دھار
ہر سو تھی چمک نیزوں کی اور تیروں کی بوچھاڑ
سر تا بقدم خون میں تر ہوتے تھے غازی
تلواروں میں آقا کے سپر ہوتے تھے غازی

حملے جو کیئے ظلم شعاروں کو بھگایا
دریا سے لعینوں کی قطاروں کو بھگایا
میداں سے پیادوں کو سواروں کو بھگایا
ایک ایک بہادر نے ہزاروں کو بھگایا
کس منہ سے کہیں حال جوانانِ عرب کا
پیاسے تھے ہوا ظہر تلک خاتمہ سب کا

بے سر جو ہوئی فوج تو تنہا ہوا سردار
ہر سمت سے پڑنے لگی تلوار پہ تلوار
جس وقت گرا گھوڑے سے وہ بیکس و بے یار
اک بی بی نکل آئی تھی خیمے سے کئی بار
بکھرائے ہوئے بال وہ آوارہ وطن تھی
عورات نے رو کر کہا ہے وہ بہن تھی

اک بولی کہ آگے کہو کیا گزری پھر اُس پر
وہ بولے کہ زخمی کے چلا حلق پہ خنجر
تن گھوڑوں سے کچلا گیا تاراج ہوا گھر
اور چھین لی اعدا نے اُسی بی بی کی چادر
کوفے میں اس ظلم کا اک شور پڑا ہے
اُس روز سے وہ بے کفن و گور پڑا ہے

شب کو جو زراعت کی حفاظت کو گئے ہم
اُس بن میں نظر آیا عجب طرح کا عالم
کچھ مرد تھے کچھ بی بیاں کچھ حوریں تھیں باہم
غل ہائے حسینا کا تھا اور کرتی تھیں ماتم
بے جرم و گنہ تیغ ستم جس پہ چلی ہے
معلوم ہوا وہ کہ حسین ابن علیؑ ہے

آواز یہ آتی تھی کہ اے حورو آؤ
غش آیا ہے خاتونِ قیامت کو اُٹھاؤ
کہتے تھے محمد مجھے لاشہ تو دکھاؤ
شبیر کہاں ہے مری چھاتی سے لگاؤ
ٹکڑے دلِ فرزند کے دکھلاتے تھے حیدر
لاشے کو لیے گود میں چلاتے تھے حیدر

یہ سُنتے ہی عورات نے اک شور مچایا
گھبرا کے کہا ہائے یہ کیا تم نے سُنایا
شبیر تو خاتونِ قیامت کا ہے جایا
اُس شمعِ امامت کو لعینوں نے بجھایا
مظلوم کا سر تن سے اُتارا گیا ہے ہے
لوگو پسرِ فاطمہ مارا گیا ہے ہے

دسویں کو ہوئی شہ کے تن و سر میں جدائی
اور آج تلک لاش نہ سیّد کی اُٹھائی
اُن کا تو نہ باقی کوئی بیٹا ہے نہ بھائی
تم نے بھی نبی زادے کی تربت نہ بنائی
فرزندِ علی دشت میں بے دفن ہے کب سے
معلوم ہوا ڈر گئے حاکم کے غضب سے

تم اوڑھو ردائیں ہمیں دو جنگ کے ہتھیار
بس آج سے تلوار نہ تھامو نہ باندھو زنہار
ناخوش ہیں نبی تم سے علی تم سے ہیں بیزار
بے پردہ ہے زینب ہمیں پردہ نہیں درکار
فوجیں بھی جو بھیجے تو نہ حاکم سے ڈریں گے
اب فاطمہؓ کے لال کو ہم دفن کریں گے

یہ کہتے ہی عورات نے عریاں کیے سر — جلدی سے اتارا انھیں جو پہنے تھیں زیور
آغوش سے بچوں کو بھی بٹھلا دیا رو کر — اور پھینک دی باسب نے رداؤں کو زمیں پر
گہہ سینہ زنی تھی کبھی فریاد و بکا تھی — اس غول میں زہرا کی بھی رونے کی صدا تھی
مردوں نے جو دیکھا کہ چلیں عورتیں باہر — گھبرا گئے اور بولے یہ گر گر کے قدم پر
تم روؤ گھروں میں صف ماتم کو بچھا کر — ہم گاڑتے ہیں لاشۂ فرزند پیمبر
دیویں گے کفن شاہ غریب الغربا کو — منہ ہم کو بھی دکھلانا ہے محبوب خدا کو
یہ کہہ کے چلے بیلچے لے لے کے وہ یکبار — اور کہیں لحد میں فاطمہ کے پیاروں کی تیار
سر لے گئے تھے کاٹ کے سب کے جو ستمگار — معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہے کونسا سردار
جس خاک پہ ٹکڑے تن سرور کے پڑے تھے — یہ لوگ وہاں ششدر و حیران کھڑے تھے
کہتا تھا کوئی کس سے کہیں کون بتائے — ہم پوچھیں جو لاشوں کا شناسا کوئی آئے
سب خواب عدم میں ہیں کوئی کس کو جگائے — احمد کا نواسا کفن و گور تو پائے
معلوم نہیں کونسی جاگہ شہ دیں ہیں — لاشے سے صدا آئی کہ مظلوم یہیں ہیں
صد شکر کہ آخر ہوئے جہلم کے بھی ایام — کر دے گا خدا دفن و کفن کا بھی سرانجام
مشرق میں ہیں جو ہو موت امام ذوی الاکرام — مغرب سے امام آتا ہے واں دفن کے ہنگام
رہنے دو زمیں پہ نہ اٹھاؤ ابھی ہم کو — ٹھہرو کہ امام زمن آیا کوئی دم کو
ناگاہ ہوئی سامنے سے گرد نمودار — مقتل کی زمیں ہوگئی سب مطلع انوار
آواز فرشتوں کی یہ آنے لگی اک بار — آپہونچے سر شاہ لیے عابد بیمار
ہر گام پہ گر پڑتے ہیں یہ زور گھٹا ہے — عمامہ نہیں سر پہ گریبان پھٹا ہے
مقتل میں کھڑے ہوکے پڑھی پہلے زیارت — بس گر پڑے لاشہ پہ نہ تھامی گئی رقت
چلائے کہ ای دلبر خاتون قیامت — بے چین تھا میں آپ سے جب سے ہوئی فرقت
پاس آپ کے سب خاک پہ سویا کیے بابا — ہم اتنے دنوں قید میں رویا کیے بابا

کیا ظلم سہے آپ نے اے شاہِ خوش اوقات
افتادہ رہے دھوپ میں اور اوس میں دن رات
آگے مرے پہونچوں سے ہوئے تھے نہ ظلم بات
یہ ظلم ہوئے بعدِ فنا آپ پہ ہیہات
کس ظالم و بے رحم و بدافعال نے کاٹے
لاشے سے صدا آئی کہ جمال نے کاٹے

سن کر یہ سخن روئے بہت عابدؑ بے پر
پھر دفن شہیدوں کو کیا با دلِ مضطر
جس وقت اٹھانے لگے شہ کا تنِ اطہر
اعجازِ امامت سے اٹھے سبطِ پیمبر
عابدؑ جو گرے پڑتے تھے افراطِ الم سے
شبیرؑ گئے تا بہ لحد اپنے قدم سے

رکھنے جو لگا لاشے کو مرقد میں وہ بیمار
اک چادرِ نور آکے کھنچی قبر پہ اک بار
ناگہ ہوئے تربت سے کئی ہاتھ نمودار
سر کھولے یہ چلاتی تھی زہراؓ جگر افگار
بیکس کو نبی زادے کو مغموم کو لاؤ
میں صدقے ہوں لاؤ مرے مظلوم کو لاؤ

حیدرؑ کی صدا آتی تھی ہے ہے مرا پیارا
آہستہ اٹھاؤ کہ بدن چور ہے سارا
کہتے تھے نبی امتِ بے دین نے مارا
ان باغیوں نے لوٹ لیا باغ ہمارا
بلوا کے مدینے سے مسافر پہ جفا کی
اچھی ہوئی دعوت پسرِ شیرِ خدا کی

مٹی جو لگے قبر میں سجادؓ گرانے
اس وقت لگی قوم اسد خاک اڑانے
منہ پیٹ لیا ہاتھوں سے محبوبِ خدا نے
زہراؓ تھیں کبھی پائینتی اور گاہ سرہانے
گھبرائے ہوئے گردِ لحد پھرتے تھے حیدر
اٹھتے تھے کبھی اور کبھی گرتے تھے حیدر

اب وقتِ خموشی ہے انیسِ جگر افگار
بیتاب ہیں رقت سے شہِ دیں کے عزادار
مولا سے یہ کر عرض کہ یا سیدِ ابرار
ہوں آپ کی سرکار سے عزت کا طلبگار
برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجیو مولا
ناقدروں کے احسان سے بچا لیجیو مولا

مرثیہ (۲۴)

میداں میں ہوا خاتمہ جب آلِ عبا کا
کنبہ ہوا محبوس شہِ عقدہ کشا کا
جن بیبیوں کا سایہ نہ دیکھا تھا کسی نے
وہ خیمہ جو تھا رُتبے میں کعبے کے برابر
مسند وہ جو تھی جلوہ گہہ احمد و حیدر
دُنیا میں بنا دیں کی تھی جس گھر کی زمیں سے

کونین میں تھی جن کے لیئے عزت و توقیر
یعنی حرمِ محترمِ حضرتِ شبیرؑ
بے اذن جہاں پاؤں ملک نے نہ دھرا تھا
جس شخص کا دادا تھا علی فاتحِ خیبر
راضی برضا بحرِ سخا عاشقِ داور
جس کے نہ ڈگے پاؤں بزرگوں کے چلن سے

قطع نظر ان باتوں کے لب تشنہ و بیمار
تھا ضعف سے ایک گام اُٹھانا جسے دُشوار
غش آتا تھا گر راہ میں تشنہ دہنی سے
تھا گردنِ لاغر میں تو اک طوقِ گلوگیر
چلنے میں جو گر پڑتا تھا با حالتِ تغیّر
اُٹھنے کی تقیّد کوئی کرتا تھا بگڑ کر

گھر ہو گیا تاراج امامِ دوسرا کا
عریاں ہوا سر بلوے میں خاصانِ خدا کا
افسوس انہیں بے پردہ کیا فوجِ شقی نے
اور اوج میں تھا گنبدِ گردوں سے بھی بہتر
وہ فرش جو تھا نور میں حجب عرشِ منور
اعدا نے وہ گھر پھونک دیا آتشِ کیں سے

قرآں میں ثنا جس کی کرے مالکِ تقدیر
شمشیر بکف لوٹنے آئے انہیں بے پیر
ہیہات وہ گھر لوٹنے والوں سے بھرا تھا
یعنی خلفِ سبطِ نبیؐ عابدِ بے پر
عالم کے لیئے عقدہ کشا دین کا رہبر
ہاتھ اس کے ستمگاروں نے باندھے تھے رسن سے

پاؤں پہ ورم درد سر اور تپ میں گرفتار
پیدل لیئے جاتے تھے اسے ظالم و غدار
ظالم اسے چونکاتے تھے نیزے کی انی سے
اور پاؤں میں بیمار کے پہنائی تھی زنجیر
اونٹوں پہ حرم روتے تھے اور ہنستے تھے بے پیر
کانٹوں پہ کوئی کھینچتا تھا طوق پکڑ کر

۵ تاکید

سر پہ نہ عمامہ ہے نہ ہے پاؤں میں نعلین
ہیں شدتِ آزار سے سوجی ہوئی ساقین
لب خشک حرارت سے جگر سینے میں بے چین
اشک آنکھوں میں اور دل میں غمِ قبلۂ کونین
منزل پہ نہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے تھے عابد
اعجازِ امامت سے فقط جیتے تھے عابد

رستے میں کہیں بیٹھنے دیتے نہ تھے دم بھر
بیمار کو کھینچے لیے جاتے تھے ستمگر
سردارِ دو عالم کا جو سایہ نہ تھا سر پر
سونلا گیا تھا دھوپ سے رنگِ رخِ انور
تھی قید میں یہ اس جگر افگار کی صورت
پہچانی نہیں جاتی تھی بیمار کی صورت

چوں بید نقاہت کے سبب کانپتا تھا تن
اور طوق کے لنگر سے جھکی جاتی تھی گردن
لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گلِ سوسن
تلواریں سرِ پاک پہ چمکاتے تھے دشمن
خاموش تھے کچھ منھ سے نہ فرماتے تھے عابد
نہوڑائے ہوئے سر کو چلے جاتے تھے عابد

جس دم نظر آتا تھا کوئی وادیِ پُر خار
لے جاتے تھے عابد کو اسی راہ سے کفار
ہی ٹھہر کی جا آپ تو تھے گھوڑوں پہ اسوار
اور برہنہ پا جاتا تھا وہ دین کا سردار
بیمار کے آگے سے نہ سرکاتے تھے کانٹے
نشتر کی طرح پاؤں میں چبھ جاتے تھے کانٹے

اللہ رے صبرِ پسرِ سیدِ ابرار
ایذا پہ تو ایذا تھی اور آزار پہ آزار
جکڑے گئے زنجیروں میں مانندِ گنہگار
درد و الم و رنج و مصیبت میں گرفتار
یہ ظلم و ستم تھے یہ صعوبت یہ جفا تھی
ہر لحظہ مگر بخششِ اُمت کی دعا تھی

آگے تو چلا جاتا تھا وہ عاشقِ باری
پیچھے حرمِ شاہ میں تھی گریہ و زاری
شہزادیوں کو دی تھی ان اونٹوں کی سواری
جس پر نہ کجاوا تھا نہ محمل نہ عماری
نامحرموں کی بھیڑ سے شرماتی تھیں رانڈیں
بالوں سے چھپائے ہوئے منھ جاتی تھیں رانڈیں

اکبر سے بچھڑنے کا کسی رانڈ کو تھا غم
کوئی غمِ اصغر میں فغاں کرتی تھی پیہم
حیدر کے نواسوں کا کوئی کرتی تھی ماتم
قاسم کو کوئی روتی تھی گردن کو کیے خم
کوئی غمِ عباس میں مصروفِ بکا تھی
لب پر کسی کے ہائے حسینا کی صدا تھی

کہتی تھی کوئی لٹ گیا مقتل میں مرا راج
مارا گیا ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج
کہتی تھی کوئی خانۂ زہراؑ ہوا تاراج
ہے ہے ہوئی اب ایک ردا کے لئے محتاج
چلاتی تھی کوئی سب مجھے صدمہ یہ بڑا ہے
وارث مرا بے گور و کفن دن میں پڑا ہے

تھے پیاس سے غش گودیوں میں ماؤں کی اطفال
گل برگ سے لب سوکھے تھے اور دھوپ سے رخ لال
ان بچوں میں تھا بالی سکینہؑ کا یہ احوال
کانوں سے لہو بہتا تھا اور سوجے تھے گال
سر ننگا تھا کرتے کا گریبان پھٹا تھا
اور چاند سا منھ گردِ یتیمی سے اٹا تھا

بیٹھی تھی جو ماں پاس تو چلاتی تھی رو رو
میں مرتی ہوں لوگو مرے بابا کو بلا دو
کیا جانے سدھارے ہیں کدھر سیدِ خوشخو
کیوں آکے لگاتے نہیں وہ چھاتی سے مجھ کو
دیدار سے اپنے مجھے ترساتے ہیں بابا
بیٹی سے خفا ہیں جو نہیں آتے ہیں بابا

وہ ہوتے تو گھر کو نہ لعیں لوٹنے آتے
وہ ہوتے تو در در نہ لعیں مجھ کو پھراتے
وہ ہوتے تو کیوں خون مرے کانوں سے بہاتے
وہ ہوتے تو کیوں ظالموں کی قید میں جاتے
کیونکر نہ کرے نالہ و فریاد سکینہؑ
مرنے سے ہوئی باپ کے برباد سکینہؑ

رو کر کبھی چلاتی تھی اس طرح وہ ناداں
اچھے مرے بابا میں تمھارے گئی قرباں
فرقت میں تمھاری میں کوئی دن کی ہوں مہماں
جلد آؤ کہ اب تن سے نکلتی ہے مری جاں
بے چین ہوں گودی میں اٹھاؤ مجھے آکر
نیند آئی ہے چھاتی پہ سلاؤ مجھے آکر

اس بین سے سرور کو جو روتی تھی وہ ناکام
یہ پیٹتی تھیں رانڈیں کہ پڑ جاتا تھا کہرام
منزل پہ پہونچتے تھے وہ قیدی جو سرِ شام
جز رنج نہ ملتا تھا وہاں بھی انھیں آرام
پانی کے عوض اشکوں سے منھ دھوتے تھے قیدی
تا صبح عزیزوں کے لئے روتے تھے قیدی

واں بیٹھتے تھے سایوں میں خیموں کے بد اختر
اور سایۂ افلاک تھا یاں رانڈوں کے سر پر
سوتے تھے ادھر فرشِ مصفا پہ ستمگر
یاں تکیہ کی جا سنگ تھے اور خاک کا بستر
واں تہنیتِ قتلِ امامِ مدنی تھی
یاں وارثوں کا ذکر تھا اور سینہ زنی تھی

اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں راقم اخبار
بولے عمر سعد سے آکر یہ خبردار
قتل شہ بیکس کا جو احوال سنا ہے
سنتے ہیں کہ وہ شخص بھی ہے صاحب لشکر
ٹھہراتا ہے یہ ہم قسم ایک ایک سے ہوکر
ہیں بیٹیاں زہرا کی گرفتار رسن ہیں

گھبرا گیا سُنکر عمر سعد جفا کار
دیکھو کہے رکھتا ہوں خبردار خبردار
سر شہ کا نہ چھن جائے یہی خوف و خطر ہے
محنت سے ہے تم لوگوں نے ان شیروں کو مارا
عالم کے شجاعوں میں ہوا نام تمہارا
گر چھوٹ گئیں بیٹیاں زہرا و نبی کی

ہے سید سجاد دو عالم کا خوازادہ
جن کا کہ علی صاحب دُلدل سا ہو دادا
آگاہ ہیں سب قتل شہنشاہ امم سے
کہنے لگا تب شمر کہ یہ خوف بجا ہے
آقائے دو عالم کا جو سر تن سے کٹا ہے
سب مانتے ہیں آل رسول دوسرا کو

لازم ہے اسیروں کی حفاظت میں یہ تدبیر
سجاد کو پہناتے دو طوق گلو گیر
گو فاقوں سے ان بے اندوں کے طاقت نہیں تن میں
نزدیک دمشق آیا جو وہ قافلہ یکبار
اس راہ میں ہے ایک محب شہ ابرار
شبخوں کا تری فوج پہ قصد اُس نے کیا ہے

ہیں ساتھ بہت اس کے جوانان دلاور
چھینو عمر سعد سے چل کر سر سرور
اعدا سے چھڑا کر انھیں پہنچاؤ وطن میں
ایک ایک کو بلوا کے یہ سمجھایا بہ تکرار
چوکی میں اسیروں کی تغافل نہو زنہار
ہشیار رہو دن سے کہ شبخون کا ڈر ہے

سر تن سے محمد کے نواسے کا اُتارا
ڈر ہے کہ بنا کام بگڑ جائے نہ سارا
پھر قید پہ جرات نہیں پڑنے کی کسی کی
ہرگز نہیں رتبے میں کوئی اُس سے زیادہ
کانٹوں پہ ہم اس کو لئے جاتے ہیں پیادہ
سر پیچ کے سجاد کو لے جائیں گے ہم سے

اخبار میں یہ واقعہ ہر سمت گیا ہے
خوں جوش میں شیعوں کا ہے دل غم سے بھرا ہے
مارا ہے جفا سے پسر شیر خدا کو
صندوق میں تو رکھیں مقفل سر شبیر
اور پاؤں میں بھی چاہیئے زنجیر پہ زنجیر
پر بازو سے بازو بھی بندھے ہوئیں رسن میں

غیراب کوئی عابد کے قریں آنے نہ پائے | رہ گیروں کو حال اپنا یہ دکھلانے نہ پائے
چادر کوئی زینب کے لیئے لانے نہ پائے | ہرگز کوئی رانڈوں پہ ترس کھانے نہ پائے
کر دو یہ تقیّد کہ ہلے لب نہ کسی کا | چلا کے نہ لے نام حسین ابن علی کا

اس راہ میں دن بھر متردد رہے اظلم | اک دشت میں پہونچے سر شام آکے وہ مجرم
ناگہ انھیں اک دیر نظر آگیا محکم | اس دیر کے نزدیک ہوئی فوج فراہم
بولا عمر اس دیر میں ایذا تو سہیں گے | محفوظ مگر آفتِ شبخوں سے رہیں گے

داخل کرو یاں قافلے کو نوحہ گروں کے | رکھو وہیں صندوق شہیدوں کے سروں کے
کیا کر سکیں گے دوست علی کے پسروں کے | شب بھر رہیں قیدی یہیں آگے نظروں کے
آئے نہ پرندہ بھی کوئی دیر کے در تک | حلقہ کیئے ہشیار رہے فوج سحر تک

یہ کہہ کے گیا دیر کے دروازے پہ بے پیر | ہاتھوں سے ہلانے لگا دروازے کی زنجیر
کی آن کے دیرانی نے یہ بام پہ تقریر | دروازے کی کیا کھولنے کی کرتے ہو تدبیر
گھبرا ہی رہے دیر کو کیوں فوجِ گراں سے | تم کون ہو کیا کام ہے آئے ہو کہاں سے

آتے ہیں پرستش کو یہاں صاحبِ زنّار | لشکر کے اُترنے کی جگہ یہ نہیں زنہار
کہنے لگا اس سے عمر سعدِ جفاکار | لیسے کا یہ لشکر ہے جو ہے شام کا سردار
اک شخص نے یثرب سے خروج اس پہ کیا تھا | حاکم نے ہمیں قتل کا حکم اس کے دیا تھا

اقبال سے حاکم کے ہوئی فتح لڑائی | سر لائے ہیں اور رانڈوں کی [illegible]
اس راہ میں شبخوں کی خبر ہم نے ہے پائی | یاں رانڈوں کی اور ہوگی سروں کی نہ رہائی
یہ رات جو گزرے گی ہمیں امن و اماں سے | لیکر انھیں ہم صبح چلے جائیں گے یاں سے

دیرانی نے دروازے کو ناچار کیا وا | داخل ہوا اس میں وہ لعینِ ستم آرا
صندوق سرِ شہ کا تو اک حجرے میں رکھا | اور گوشوں میں رانڈوں کو بٹھا کر نکل آیا
تاریکی میں منہ گھٹنوں سے دھونے لگیں رانڈیں | دروازہ کیا بند تو رونے لگیں رانڈیں

برپا ہوا خیمہ عمر سعد کا در پر
ہشیار رہا گرد جفا کار کا لشکر
بستر پہ نہ آرام تھا دربانی کو دم بھر
جب نصف گئی رات تو کیا دیکھتے ہیں مضطر
جس حجرے کے اندر سر شاہ شہدا ہے
واں خود بخود اک نور خدا جلوہ نما ہے

افلاک سے آتے ہیں ملک مضطر و حیراں
اور تخت پہ اک پیر ہے با حالِ پریشاں
گیسو تو ہیں بکھرے ہوئے اور چاک گریباں
کہتا ہے کہ اے لال یہ نانا ترے قرباں
بولو کہ جگر کے مرے پیوند ہو بیٹا
کس حجرۂ تاریک میں تم بند ہو بیٹا

آؤ مری چھاتی سے لگو جلد مرے لال
ہاتھوں سے سنبھالو کہ ہے نانا کا برا حال
سینچا جسے ہے ہے مری بیٹی نے مہ و سال
اجڑا وہ چمن اور وہ کھیتی ہوئی پامال
ماتم میں ترے آہ رلایا مجھے بیٹا
تربت میں بھی اعدا نے ستایا مجھے بیٹا

دو شخص ہیں ہے ان کی زباں پر یہی تقریر
اک کہتا ہے بابا ترے صدقے مرے شبیر
کس جرم پہ مارا ہے مجھے اے تابعِ تقدیر
اک کہتا ہے سر پیٹ کے با حالتِ تغییر
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ وابستۂ غم ہوں
تم کشتۂ شمشیر ہو میں کشتۂ سم ہوں

اتری اسی حجرے میں پھر اک کالی عماری
غل ہے کہ ہٹو آتی ہے زہرا کی سواری
چلاتی ہے اس طرح وہ باگریہ و زاری
اے لال یہ مادر تری مظلومی کے واری
چھاتی پہ تری چڑھ کے کیا ذبح شقی نے
اس دن کو تجھے پالا تھا اس کوکھ جلی نے

ہے ہے بھری یہ خون میں تری چاند سی تصویر
ہے ہے تری پیشانیِ روشن پہ لگا تیر
ہے ہے ترا خورشید سا منہ اور خطِ شمشیر
ہے ہے تری گردن پہ چلا خنجرِ بے پیر
تو بعدِ شہادت بھی گرفتارِ محن ہے
سر قید ہے تن خاک پہ محتاجِ کفن ہے

صدقے ترے اے قوم جفا پیشہ کے مہماں
کس ظلم سے تو قتل ہوا ہائے مری جاں
جب چلتا تھا گردن پہ تری خنجرِ براں
میں کوکھ کو پکڑے ہوئے چلاتی تھی الاماں
بیتابی میں گہ اٹھتی تھی گہ گرتی تھی بیٹا
پروانہ صفت گرد ترے پھرتی تھی بیٹا

ای میرے غریب ای مرے بیکس مرے مظلوم
ای میرے شہید ای مرے صابر مرے مغموم
ای بے وطن ای میرے ستم کش مرے معصوم
ہی ہے تجھے اعدا نے رکھا پانی سے محروم
جب عرش تلے سر ترا ہاتھوں پہ دھروں گی
اس ظلم کی اللہ سے فریاد کروں گی

زہرا نے جو یہ بین کیے با دلِ غمناک
تھرّائی زمیں ہلنے لگا گنبدِ افلاک
دَیرانی کا دل خنجرِ غم سے ہوا صد چاک
غش کھا کے گرا خوف کے مارے بہ سرِ خاک
ہوش آیا تو دیکھا نہ وہ مجمع نہ فغاں ہے
پُرخوں وہی سر ہے وہی تاریک مکاں ہے

روتا ہوا پاس اس سرِ پُرخوں کے وہ آیا
اور ہاتھوں کو تسلیم بجا لا کے اُٹھایا
پہلے تو سرِ پاک کو آنکھوں سے لگایا
آخر کو بہ آدابِ سخن لب پہ یہ لایا
یہ تو ہوا معلوم کہ تو خاصۂ رب ہے
للہ بتا دے ترا کیا نام و نسب ہے

انساں کا پس از مرگ یہ دیکھا نہیں اعزاز
معلوم مجھے ہوتا ہے تو صاحبِ اعجاز
کر مجھ سے تکلم کہ یہ بندہ ہو سرافراز
یہ کون تھے جو آئے تھے مجھ پر بھی کھلے راز
حیراں ہوں قرابت تجھے ان لوگوں سے کیا ہے
توریت میں انجیل میں نام ان کا لکھا ہے

تو کون ہے کر مجھ سے بیاں اپنی تو رُوداد
خاصانِ خدا تیرے لیے کرتے ہیں فریاد
اعجاز سے رو کر سرِ شہ نے کیا ارشاد
ہرگز نہ سُنی ہوگی جو مجھ پر ہوئی بیداد
آفت زدہ ہوں کشتۂ شمشیرِ جفا ہوں
مظلوم ہوں سیّد ہوں غریب الغربا ہوں

نانا تھے وہ تھامے تھے جنھیں حضرتِ آدمؑ
موسیٰ تھے اُدھر اور اِدھر عیسیٰ مریم
بابا تھے وہ پکڑے تھے کلیجہ جو بصد غم
وہ بھائی تھے جو میرے لیے کرتے تھے ماتم
نانی تھیں وہ جو بین جسے حلقے میں لیے تھیں
امّاں تھیں وہ جو چاک گریبان کیے تھیں

کیا نام ہیں ان لوگوں کا تجھ پر کروں اظہار
نانا کا مرے نام تو ہے احمدِ مختار
بابا ہے مرا شیرِ خدا حیدرِ کرار
بھائی حسنِ سبز قبا سیدِ ابرار
اور فاطمہ زہرا مری ماں کو کھ جلی ہے
بے جرم چھری جس کے کلیجے پہ چلی ہے

میں وہ ہوں کہ لاشے پہ کوئی جس کے نہ رویا
میں وہ ہوں کہ تربت میں نہ آرام سے سویا
میں وہ ہوں کہ امت کے لیے جان کو کھویا
میں وہ ہوں کہ کھیتی کو مری خوں میں ڈبویا
صابر ہوں نہ شکوہ نہ گلا کرتا ہوں اب بھی
امت کی شفاعت کی دعا کرتا ہوں اب بھی

میں وہ ہوں بلایا جسے اعدا نے دغا سے
میں وہ ہوں کہ بچے مرے مارے گئے پیاسے
میں وہ ہوں کہ مجروح ہوا تیغِ جفا سے
میں وہ ہوں کہ کاٹا مری گردن کو قفا سے
پامال ہوا گھوڑوں سے تن جس کا وہ میں ہوں
دامانِ بیاباں ہے کفن جس کا وہ میں ہوں

ہے باپ مرا قاسمِ روزیِ دو عالم
اور تیسرا فاقہ تھا کہ جب ذبح ہوئے ہم
خیمہ مرا کعبے سے بزرگی میں نہ تھا کم
آتش سے جلا کر اسے کیا خوش ہوئے ظالم
یہ ظلم نہ ہوگا کسی کافر کے بھی گھر پر
چادر بھی نہ چھوڑی مرے ناموس کے سر پر

سیلی مری معصوم سکینہ کو لگائی
بیمار پسر کو مرے زنجیر پہنائی
بہنیں مری دیتی تھیں محمدؐ کی دہائی
سیدانیوں سے بھی انھیں کچھ شرم نہ آئی
جن بی بیوں کا باپ شہنشاہِ عرب ہے
سر ننگے پھرایا انھیں بلوے میں غضب ہے

دیرانی نے جس دم یہ سنا قصۂ جانکاہ
چلایا کہ امت نے کیا ظلم یہ کیا آہ
صدقے تری مظلومی کے اے عاشقِ اللہ
قرباں ترے اعجاز کے اے سرورِ ذی جاہ
میں گرد تو پھر لوں کہ ولی ابنِ ولی ہو
معلوم ہوا اب کہ حسین ابنِ علی ہو

ہاں آپ کے آنے سے رسولِ زمن آئے
اور فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
روتے ہوئے گلزارِ جناں سے حسن آئے
ہے فخر کی جا گھر میں مرے پنجتن آئے
زندہ نہ ادھر آپ کا آنا ہوا آقا
مرکر مرے گھر آپ کا آنا ہوا آقا

ہیں آپ جہنم کے بھی جنت کے بھی مختار
بخشائے گا مجھ کو بھی یا سیدِ ابرار
فرمایا کہ کر کلمۂ توحید کا اقرار
بچنا ہے اگر نار سے تو توڑ یہ زنار
ایماں کا پس از مرگ ثمر تجھ کو ملے گا
ضامن ہوں کہ فردوس میں گھر تجھ کو ملے گا

اللہ ری تاثیر کلام شہ ذی شاں
پڑھکر کلمہ کو وہ ہوا دل سے مسلماں
کیا فیض ہے مولا کا میں اس فیض کے قرباں
کافر کو پس از مرگ بھی دی دولت ایماں
رتبہ بھی دیا عزت و توقیر بھی بخشی
اسلام بھی اور خلد کی جاگیر بھی بخشی

ویرانی نے پھر رو کے کہا اے مرے مولا
نیزے پہ تو ہوتی ہے بہت آپ کو ایذا
سونلا گیا ہے دھوپ میں خورشید سا چہرا
لے نکلے چھپا کر سر پر نور کو بندا
منظور یہ ہے دفن کروں جا کے نجف میں
سونپوں گہر پاک کو پاکیزہ صدف میں

شب گذرے ہی تو مہلت نہ ذرا دیویں گے اعدا
پھر نیزے پہ اس سر کو چڑھا دیویں گے اعدا
اور کوچ کا نقارہ بجا دیویں گے اعدا
اونٹوں پہ اسیروں کو بٹھا دیویں گے اعدا
کیا جانئے لیجائیں گے اب یاں سے کدھر کو
دشمن کا وہ سر جانتے ہیں آپ کے سر کو

ارشاد کیا رو کے سر شہ نے یہ اس دم
ہر چند بہت دیتے ہیں ایذا ہمیں ظالم
ناموس مرے قید میں روتے ہیں بصد غم
ہرگز ابھی ان سے نہیں ہوئیں گے جدا ہم
عابد کو قلق ہوئے گا مر جائیں گی زینب
ہیں ساتھ نہ جاؤں گا تو گھبرائیں گی زینب

بیٹی مری اک تین برس کی ہے سکینہ
جیتی وہ پہونچنے کی نہیں تا بہ مدینہ
با نوحۂ حزیں پیٹیگی اپنا سر و سینہ
میں چھوڑوں انھیں یہ نہیں الفت کا قرینہ
رستے میں بہت ہوں گے انھیں رنج سفر کے
ساتھ ان کے میں او رساتھ ہیں سب میرے سر کے

کیا کیا نہ ابھی ہوں گے ستم شام میں ہم پر
لے جائیں گے جب سامنے حاکم کے مرا سر
سر ننگے کھڑے ہوئیں گے ناموس پیمبر
مارے گا چھڑی ہونٹوں پہ میرے وہ ستمگر
اس ظلم و ستم پر بھی نہ باز آئے گا ظالم
دروازے پہ سر کو مرے لٹکائے گا ظالم

روتا تھا وہ سن سن کے سر شاہ کی تقریر
اتنے میں ہوئی صبح اٹھے ظالم بے پیر
پھر نصب کیا نوک سناں پر سر شبیر
رانڈوں کو لیئے شام کی جانب ہوئے رہگیر
خاموش انیس اب کہ دل ٹکڑے ہے غم سے
دریا ہے رواں آنسوؤں کا دیدۂ نم سے

مرثیہ (۲۵)

جب غرقِ بحرِ خوں ہوئی کشتی نجات کی ۔ ڈوبی لہو میں شکل شہِ خوش صفات کی
چلائے خضر اُٹھ گئی لذّت حیات کی ۔ گویا نبی نے آج جہاں سے وفات کی
زہرا نہیں نبی و علی و حسن نہیں ۔ پھر کیا رہا جہان میں جب پنجتن نہیں

جاری تھا جس سے فیض وہ گھر ہوگیا تباہ ۔ شبیر سا نہ ہوئے گا امت کا خیر خواہ
حیواں کو ذبح کرتے ہیں پانی پلا کے آہ ۔ مارا ستم کی فوج نے پیاسے کو بے گناہ
ایذا ہی بعدِ ذبح تنِ پاش پاش کو ۔ تربت میں گاڑتے نہیں سید کی لاش کو

تیغِ ستم سے کٹ گیا زہرا کا باغ سب ۔ پھولے پھلے چمن پہ خزاں آئی ہے غضب
افسوس باغیوں نے کیا ظلم بے سبب ۔ پانی سے تر ہوئے نہ کسی گلبدن کے لب
ایک ایک سروِ قد کا گلا رن میں کٹ گیا ۔ سب فاطمہ کا باغ اسی بن میں چھٹ گیا

دُنیا ہوئی تباہ غضب آج ہوگیا ۔ بے سر تمام خلق کا سرتاج ہوگیا
گھر فاطمہ کا ظلم سے تاراج ہوگیا ۔ کُنبہ رسولِ پاک کا محتاج ہوگیا
کیا کیا گلِ ریاضِ محمد خزاں ہوئے ۔ تھی جن سے روشنی وہ ستارے نہاں ہوئے

بے سر جو تھا زمیں پہ یداللہ کا خلف ۔ برپا تھا شور ہائے حسینا کا ہر طرف
تھی کربلا میں خاک بسر قدسیوں کی صف ۔ ہلتا تھا کعبہ کانپتا تھا یثرب و نجف
زہرا برہنہ سر تھیں علی اشک بار تھے ۔ خوابیدگانِ کنجِ لحد بے قرار تھے

پریاں پکارتی تھیں کھولے سروں کے بال ۔ پیٹو ہوا ہے فخرِ سلیماں کا انتقال
فریاد ہے شہید ہوا شاہِ خوش خصال ۔ ہے ہے پسر بتول کا ہے ہے علی کا لال
ماتم کرو کہ سیدِ ذی جاہ مر گئے ۔ اہلِ حرم تباہ ہوئے شاہ مر گئے

اہلِ حرم میں ہائے حسینا کی تھی پکار
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے تھے بےقرار
چلّاتی تھی یہ زینبِ مغموم بار بار
بھیا تمہارے لاشۂ بے سر کے میں نثار
کیوں کر ردا اُڑھاؤں تنِ چاک چاک پر
مسند نبی کی چھوڑ کے سوتے ہو خاک پر

اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہرا تھا خوابگاہ
اک دن یہ ہے کہ لاش پہ سایہ نہیں ہے آہ
جس لب کے بوسے لیتے تھے پیغمبرِ الٰہ
زخمی وہ تیر سے ہوئے بے جرم و بے گناہ
کیونکہ بہن کے دل پہ نہ غم کا وفور ہو
جب جسمِ پاک آپ کا تیغوں سے چور ہو

یہ شور تھا کہ آئے ستمگر سوئے خیام
چلّایا شمر پھونک دو ہاں خیمۂ امام
فضہ نے دی صدا کہ ادب کا ہے یہ مقام
یاں بیٹیاں علی کی ہیں یہ ساکنانِ شام
جل جاؤ گے جو اہلِ حرم پر نگاہ کی
ڈیوڑھی یہ ہے امامِ فلک بارگاہ کی

اے نابکارو یہ حیدرِ صفدر کا ہے مکاں
اس کا ادب کرو یہ پیمبر کا ہے مکاں
پیچھے ہٹو نبی کی یہ دختر کا ہے مکاں
حق سے ڈرو یہ شافعِ محشر کا ہے مکاں
یاں اذنِ جبرئیل کو جب تک ملا نہیں
پاسِ ادب سے وہ کبھی آگے بڑھا نہیں

رہتے تھے اس میں سیدِ سردارِ انس و جاں
کعبے سے کم نہیں ہے بزرگی میں یہ مکاں
یاں کی زمیں سے پست ہیں رتبے میں نُہ مکاں
اس کا ہر ایک در ہے درِ خلد بے گماں
رفعت میں اوجِ عرشِ بریں سے دوچند ہے
کرسی سے اس مکان کا رتبہ بلند ہے

ظاہر ہے سب پہ حضرتِ خیرالنسا کا حال
فاقے پہ فاقے کرکے سدھاریں وہ خوش خصال
ہیں ان کی بیٹیاں بھی غریب و شکستہ بال
اس گھر کو لوٹتے ہیں جہاں ہو متاع و مال
سیدانیوں کے فقر سے آگاہ کیا نہیں
ثابت کسی کے سر پہ گزی کی ردا نہیں

فضہ سے تب یہ کہنے لگا شمرِ بے حیا
ہے ہم کو بغضِ مال اگر کچھ نہ نکلے گا
تو یہ خیام آگ سے دیویں گے ہم جلا
اور سر سے چھین لینگے ہر اک رانڈ کی ردا
دانستہ اہلِ بیتِ نبی کو ستائیں گے
مسندِ محمدِ عربی کی جلائیں گے

ان کو تو قتل کر چکے تھا جن کا ہم کو ڈر
لوٹیں گے اہلِ بیتِ محمد کا مال و زر
اکبر نہ اب ہیں اور نہ سلطانِ بحر و بر
عباس بھی نہیں جو بچائیں گے آن کر
کانوں سے ننھے بچوں کے گوہر اتاریں گے
کبرا جو پہنے ہوگی وہ زیور اتاریں گے

غصّہ سے جب یہ شمرِ لعیں نے کیا کلام
ڈرّا نہ آئے فاطمہ کے گھر میں اہلِ شام
جس وقت صحن میں نظر آیا ہجومِ عام
سر پیٹنے لگے حرمِ سیدِ انام
لٹتا تھا گھر جو بادشہِ مشرقین کا
غل تھا نبی کی آل میں ہے ہے حسین کا

مسند لٹی جو شاہِ فلک بارگاہ کی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینب نے آہ کی
غل تھا کہاں چھپیں نہیں جاگہ پناہ کی
فریاد ہے دہائی ہے شبیر اللہ کی
آقا تمھارے اہلِ حرم لوٹے جاتے ہیں
یا شبیرِ حق بچاؤ کہ ہم لوٹے جاتے ہیں

شکلیں مہیب دیکھ کے بچے تھے بے قرار
کرتوں سے منہ چھپاتے تھے روتے تھے زار زار
چلاتی تھی یہ بانوئے مغموم بار بار
اکبر بچاؤ ہوتے ہیں بے پردہ پردہ دار
نامحرموں کو قہرِ الٰہی کا ڈر نہیں
ماں بہنیں لوٹی جاتی ہیں تم کو خبر نہیں

کہتی تھی سہم کر یہ سکینہ جگر فگار
مجھ کو کہیں چھپاؤ پھوپھی تم پہ میں نثار
غافل ہیں ہم نے دیکھ لیا بس سبھوں کا پیار
اکبر ہیں یاں نہ حضرتِ عباسِ نامدار
نامحرم آکے خیمۂ عصمت میں بھر گئے
پوچھو کسی سے تم مرے بابا کدھر گئے

کیا ہو گیا جو خیمے میں آتے نہیں پدر
کچھ ہیں خفا جو شکل دکھاتے نہیں پدر
تشریف ایسے وقت میں لاتے نہیں پدر
لٹتے ہیں اہلِ بیت بچاتے نہیں پدر
ہے ہے میں کیا کروں یہ مہم کون سر کرے
کوئی خدا کے واسطے ان کو خبر کرے

زینب نے اس یتیم سے سر پیٹ کر کہا
کس کو پکارتی ہو سکینہ پھوپھی فدا
ہوتے اگر حسین تو آسکتے اشقیا
ہے ہے ہوئے شہید شہنشاہِ کربلا
خالی ہوا زمانہ ترے بابا جان سے
پڑھ کر نمازِ عصر سدھارے جہان سے

زینب ابھی سکینہ سے کرتی تھی یہ کلام
دیکھا نہ تھا جو گھر میں کبھی یہ ہجومِ عام
منت سنی کسی کی نہ خوفِ خدا کیا
لینے لگے ردائیں سروں پر سے اہلِ شام
حق کی دُہائی دینے لگیں بیبیاں تمام
زہرا کی بہوؤں بیٹیوں کو بے ردا کیا

پھر وہ جفا شعار صغیروں کے پاس آئے
کانوں سے بندے کھینچ لیے ان کے ہائے ہائے
فریاد کی صغیروں نے منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
سہمے ہوئے وہ روتے تھے کرتوں سے منہ چھپائے
روئے جو وہ یتیم تو نیزے انھیں وہ کھائے
گر گر پڑے زمیں پہ سب کانپ کانپ کے

آیا قریں سکینہ کے پھر شمرِ خیرہ سر
کُرتا بدن کا ہوگیا سارا لہو میں تر
چلائی وہ یتیم کہ راحت کے دن گئے
اور بدگہر نے کھینچ لیا کان سے گہر
تڑپی وہ مثلِ ماہیِ بے آب خاک پر
فریاد ہے حسین گہر میرے چھن گئے

آئی صدا یہ شاہ کے لاشے سے اس گھڑی
شاکی ہیں ان سے فاطمہ و حیدر و نبیؐ
تجھ کو نہیں لعیں نے طمانچے لگائے ہیں
صدقے میں تیرے صبر کے اے میری لاڈلی
تجھ پر ستم کیا نہیں ایذا یہ مجھ کو دی
بیٹی یہ سب حسین نے صدمے اُٹھائے ہیں

اتنے میں ناریوں نے دیا اور تازہ غم
جلنے لگا جو خیمۂ شاہنشہِ اُمم
استادہ صحن میں ہوئے خیمے سے بھاگ کے
حضرت کے گھر میں آگ لگا دی بصد ستم
بچوں کو لے کے گود میں رونے لگے حرم
رخسارے تمتما گئے شعلوں سے آگ کے

جب جل چکے خیامِ شہِ آسماں وقار
عابد کے دستِ پاک میں اونٹوں کی دی مہار
گورا گلا وہ حلقۂ طوق و رسن میں تھا
اونٹوں پہ اہلِ بیتِ نبی کو کیا سوار
گر پڑتے ہر قدم پہ یہ تھا بیڑیوں کا بار
مہتابِ آسمانِ شرافت گہن میں تھا

مطلع دوم

جب عصر تک سپاہِ خدا رن میں لڑ چکی
آرامِ اہلِ بیت کی صورت بگڑ چکی
کنبہ نبی کا موردِ بیداد ہوگیا
یعنی بتولِ پاک کی کھیتی اُجڑ چکی
پردیس میں حسین سے زینب بچھڑ چکی
گھر فاطمہ کا ظلم سے برباد ہوگیا

لکھا ہے اس طرح سے ابو مخنفِ سعید
وہ دن تھا ابن سعد کے نزدیک روزِ عید
بولا سبھوں کو فتح دکھانا ضرور ہے
بیٹھا منگا کے کرسیِ زرّیں وہ بد گہر
قاسم کا سر کسی کو دیا اس نے خوں میں تر
اک بد نہاد کو علی اکبر کا سر دیا

جب دشمنوں نے نیزوں کی نوکوں پہ سر چڑھائے
بانو پکارتی تھی کہ ماں تیرے صدقے جائے
اماں کا گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
جب سب کے سر وہاں سے سوئے کوفہ وہ کر چکا
خولیِ اصبحی کو لعیں نے طلب کیا
تھی آرزو کہ قتلِ امامِ زمانہ ہو

خولی کو اس لعیں نے جو سونپا سرِ حسین
رومال میں لعیں نے جو باندھا سرِ حسین
زہرا کا نے، علی و نبی کا ادب کیا
جس وقت بابِ شہر پہ پہونچا وہ بد گہر
جب تھک گیا پکار کے سب کو وہ خیرہ سر
پوشیدہ دستِ نحس میں تصویرِ شاہ لی

اک فرسخ اس لعیں کا مکاں واں سے دور تھا
اک بی بی خضرمیہ تھی خوش خو و پارسا
شیعہ تھیں دوستدارِ جنابِ بتول تھیں

جس وقت لٹ چکے حرمِ سرورِ شہید
سب کے سروں کو سامنے منگوا کے وہ پلید
نیزوں پہ ان سروں کو چڑھانا ضرور ہے
لشکر کے سرکشوں کو لگا بانٹنے وہ سر
بخشا کسی کو پھر سرِ عباسِ نامور
اور اک لعیں کے ہاتھ میں اصغر کا سر دیا

تھا شور اہلِ بیتِ نبی میں کہ ہائے ہائے
اصغر نہ دو برس بھی مرا دودھ پینے پائے
وارث ہماری گود کو سنسان کر گئے
اس وقت دستِ نحس میں سر شاہ کا لیا
سر اس کو دے کے سبطِ پیمبر کا یہ کہا
سر لیکے شہ کا کوفے میں جلدی روانہ ہو

خیمے میں اپنے لیکے وہ پہونچا سرِ حسین
بسمل سا تن کے واسطے تڑپا سرِ حسین
کوچ اس نے لیکے شاہ کا سر وقتِ شب کیا
جس جا سے آتے جاتے تھے سب بند تھے وہ در
ناچار ہو کے واں سے چلا تب وہ اپنے گھر
ڈر سے ٹھہر سکا نہ کہیں گھر کی راہ لی

اس بے حیا کی بیبیاں دو تھیں جدا جدا
وہ زن بنی اسد سے تھی جو گھر تھا دوسرا
وہ دونوں دل سے عاشقِ سبطِ رسول تھیں

رومال میں لیئے سرِ سلطانِ کربلا
بی بی بنی اسد سے جو تھی اس کے گھر گیا
سارا مکان نور سے معمور ہو گیا
حیران ہو کے بولی وہ بی بی نکو سیر
ہی نورِ شب چراغ جو ایسا ہی جلوہ گر
کیا سانحہ ہی جس سے مرا دل ملول ہی
کوفے میں وقتِ صبح میں لیجاؤں گا یہ سر
قتلِ حسین کی تو ہوئی ہی اسے خبر
جب اس کو خون بھرا ہوا یہ سر دکھاؤں گا
چھاتی پہ ہاتھ مارکے بولی وہ خوش خصال
لوٹا یہ کس نے خانۂ محبوبِ ذوالجلال
وا حسرتا حسین سے زینب بچھڑ گئی
لاتے ہیں آدمی تو غنیمت سے سیم و زر
او ظالم و لعین و بد آئین و بد گہر
پیشِ خدا جو روزِ قیامت کے جائے گا
برباد دیں کیا طمعِ زر سے ہی غضب
لایا ہی سرِ حسین کا لشکر سے ہی غضب
جن و ملک تو روتے ہیں اور تجھ کو غم نہیں
یہ کہہ کے سر کو پیٹتی دوڑی وہ سوگوار
اس مومنہ نے غیظ میں آکر پھر ایک بار
پایا محل نہ گھر میں جو آرام و چین کا

پہونچا قریبِ قریہ جو وہ دشمنِ خدا
رکھ کر سرِ حسین کمر کھولنے لگا
گھر میں فروغِ روشنیِ طور ہو گیا
رومال میں یہ لایا ہی کیا چیز باندھ کر
جس کی ضیا سے ہو گیا روشن تمام گھر
اس نے کہا کہ یہ سرِ سبطِ رسول ہی
ابنِ زیاد سے مجھے لینا ہی مال و زر
دیکھا نہیں مگر سرِ سلطانِ بحر و بر
اس کے صلے میں خلعت و انعام پاؤں گا
ہی ہی یہ اس کا سر ہی جو تھا فاطمہ کا لال
دنیا کے آفتاب پہ یوں آگیا زوال
ہی ہی بتولِ پاک کی کھیتی اجڑ گئی
لایا ہی گھر میں تو پسرِ فاطمہ کا سر
سر کو حسین کے لیئے پھرتا ہی دربدر
بتلا مجھے رسول کو کیا منہ دکھائے گا
تو کچھ ڈرا نہ روحِ پیمبر سے ہی غضب
لٹکائے تھا یہ بے ادبی سر سے ہی غضب
ظالم یہ سرِ حسین کا قرآں سے کم نہیں
چلائی ای نبی کے نواسے ترے نثار
مارا لعیں کو سنگ کہ سر ہو گیا فگار
بھاگا وہاں سے لیکے لعیں سر حسین کا

لٹکا کے دستِ نحس میں سبطِ نبی کا سر
بی بی جو خضریہ تھی آیا وہ اس کے گھر
تھی وہ بھی دل سے عاشقِ سلطانِ بحر و بر
ظالم ڈرا کہ اس سے بھی پہونچے نہ کچھ ضرر
ناری نے کچھ نہ فرق کیا نار و نور میں
رکھا سرِ حسین چھپا کر تنور میں

کچھ زہر مار کر کے تو سویا وہ کینہ جو
اور تھی نماز شب کی زنِ مومنہ کی خو
جب بعد نصف شب کے اُٹھی وہ پئے وضو
اک روشنی سی گھر میں نظر آئی چار سو
بولی کہ تا بہ چرخ ہے نور اس مکان سے
اُترا ہے کیا زمیں پہ یہ چاند آسمان سے

تھی رات لیکن اس کو ہوا دن کا اشتباہ
بے ساختہ کہا کہ زہے قدرتِ الٰہ
کیا نور کیا فروغ ہے کیا روشنی ہے واہ
رکھتا نہیں کبھی یہ ضیا چودھویں کا ماہ
یہ نور طعنہ زن ہے تجلیِ طور پر
ہے برجِ آفتاب کا عالم تنور پر

حیران ہو کے دل سے یہ بولی وہ ذی شعور
اُٹھتی ہوں روز پر کبھی دیکھا نہیں یہ نور
روشن بھی آج تو نہیں میں نے کیا تنور
کھلتا نہیں یہ کچھ نہ کچھ اسرار ہے ضرور
پُر نور کیوں تنور سے سارا مکان ہے
کیسی یہ روشنی ہے کہ تا آسمان ہے

تھی سوچ میں کہ دیکھئے کیا ہے وہ خوش سیر
اک ہودج آسمان سے اُترا زمیں پر
ہیں اس میں چار بی بیاں لیکن برہنہ سر
اک بی بی بے قرار ہے تھامے ہوئے جگر
آنسو رواں ہیں آنکھوں سے اور لب پہ نالے ہیں
ہاتھوں سے تین بی بیاں اس کو سنبھالے ہیں

چلّاتی ہے کہ ہائے مرے نورِ عین ہائے
اے گلعذار فاتحِ بدر و حنین ہائے
مرنے کے بعد بھی نہ ملا تجھ کو چین ہائے
یہ تیرے سر پہ ظلم و ستم اے حسین ہائے
واری میں پیٹتی ہوئی آئی ہوں دور سے
صورت دکھاؤ ماں کو نکل کر تنور سے

ہودج سے سر برہنہ جو اُتری وہ حق شناس
چہرہ تو آفتاب سا تھا اور سیہ لباس
بالوں پہ بن کی خاک پریشان و بے حواس
تھامے جگر جھکی ہوئی آئی تنور پاس
دیکھا اٹھا جو گرد سے رُخ نورِ عین کا
گودی میں لے لیا سرِ انور حسین کا

ہونٹوں سے ہونٹ مل کے کیے طرح سے بین
ای میرے لال ای میرے بیکس مرے حسین
آنکھوں پہ ماں تو رکھتی تھی ای میرے نور عین
آیا تنور میں تمھیں یاں کس طرح سے چین
فریاد ہے یہ امت احمدؐ نے کیا کیا
چھاتی پہ چڑھ کے تن سے ترا سر جدا کیا

واری تنور اور ترا سر ہزار حیف
یہ خاک اور زلف معنبر ہزار حیف
پانی سے خشک لب نہ ہوئے تر ہزار حیف
سوکھے گلے پہ چل گیا خنجر ہزار حیف
تم چھٹ گئے بہن سے بہن تم سے چھٹ گئی
ہے ہے کمائی فاطمہ کی بن میں لٹ گئی

کیسے وطن سے چھٹ کے چلے آئے ماں نثار
کیا دشمنوں کے ہاتھوں سے دکھ پائے ماں نثار
فاقوں میں زخم تیغ و سناں کھائے ماں نثار
شکوے کا حرف لب پہ نہ تم لائے ماں نثار
پیاری بہن اسیر ہوئی بلوائے عام میں
دولت مری لٹا گئے امتؐ کے کام میں

دیکھا پسر کے غم میں جو زہرا کو بے قرار
یوں تینوں بیبیوں نے یہ کی عرض بار بار
للہ صبر کیجیے ہم آپ پر نثار
تھرا رہا ہے عرش ملائک ہیں اشکبار
آنکھوں کو شہ کے سر سے نہ مل مل کے روئیے
بس کربلا میں لاش پہ اب چل کے روئیے

رکھ کر تنور میں سر سردار انس و جاں
ہودج پہ چڑھ کے واں سے سدھاریں وہ بیبیاں
آئی تنور پر زن خولی بصد فغاں
دل کانپتا تھا سینے میں اور اشک تھے رواں
رقت کا تھا یہ جوش کہ تھرا کے گر پڑی
دیکھا جو سر تنور میں غش کھا کے گر پڑی

تھی غش میں وہ کہ ہاتف غیبی نے دی صدا
ای زن بس اپنے شوہر ملعوں کے گھر سے جا
تو دوست ہے علی کی یہ ہے دشمن خدا
کافر سے کام ہو منہ پاک کو ہے کیا
تو نیک اعتقاد ہے وہ بد سرشت ہے
دوزخ مکاں ہے اس کا ترا گھر بہشت ہے

اس نے کیا سوال یہ ہاتف سے ایک بار
یہ کون بیبیاں تھیں جو روتی تھیں زار زار
آئی صدا کہ مریم و حوا ہیں اشکبار
اور تیسری خدیجہ کبرا تھیں بے قرار
گھر میں ترے جو خلد سے تشریف لائی تھیں
یہ بیبیاں حسین کے پرسے کو آئی تھیں

وہ بی بی جو کہ سب سے زیادہ تھیں دردناک
سب خون سے بھرا ہوا تھا جن کا ردائے پاک
بکھرے ہوئے تھے بال گریباں تھا چاک چاک
کپڑے سیاہ جسم پہ تھے اور سر پہ خاک
رو رو کے چومتی تھیں جو منہ نورِ عین کا
وہ فاطمہ تھیں اور یہ سر تھا حسین کا

چونکی صدا یہ سن کے جو غش سے وہ خوش سیر
تنّور سے نکال لیا شاہِ دیں کا سر
چھڑکا گلاب اور رکھا جا نماز پر
ہے ہے حسین کہہ کے وہ چلّائی تا سحر
ہنگامِ صبح غم کی چھری دل پہ چل گئی
جنگل میں پیٹتی ہوئی گھر سے نکل گئی

خاموش اے انیس کہ دل آب آب ہے
اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے
یہ مرثیہ ہے یا غمِ شہ کی کتاب ہے
رونے کی فصل مجلسِ ماتم کا باب ہے
روئیں گے جو کہ عاشقِ نامِ حسین ہیں
فقرے فقط ہیں رونے کے اور غم کے بین ہیں

رباعی

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
کھانے کی نہ لذت نہ مزا پانی کا
مر رہیے کسی دشت کے دامن میں انیس
پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

ایضاً

کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ رے پیری میں ہوسِ دنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

ایضاً

سایہ سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانا ہوں
دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں انیس
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

مرثیہ (۲۶)

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے
صبح سے جشن کا غل شام کے بازار میں ہے
صحبتِ عیش و طرب مجلسِ غدّار میں ہے
شور فریاد و بکا عترتِ اطہار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
فاطمہ پیٹتی ہیں شبیرِ خدا روتے ہیں

آگے آگے تو ہیں سجّاد جھکائے گردن
پاؤں بیڑی میں گلا طوق میں گردن میں رسن
مثلِ خورشید فلک شرم سے لرزاں ہے بدن
چاک ہے غم میں گریبانِ قبا تا دامن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجلا کے اٹھاتے ہیں لعیں
کوڑیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں

پنڈلیاں سوجی ہیں اور طوق سے پھلتا ہے گلا
سخت ایذا میں ہے فرزندِ شہِ کرب و بلا
خار تلووں میں ہیں مقتل سے جو پیدل ہے چلا
دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نازوں کا پلا
اس کی مظلومی پہ بیتاب حرم ہوتے ہیں
دیدۂ حلقۂ زنجیر لہو روتے ہیں

پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم
چُپ ہیں تصویر سے گویا کسی میں نہیں دم
دخترِ فاطمہ زہرا کا عجب ہے عالم
تھرتھری جسم میں ہے اُٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
روکے فرماتی ہیں کس گوشے میں جائے زینب
ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینب

کبھی سجّاد سے کہتی ہیں بہ آہ و زاری
مجھ کو دربار کی آفت سے بچاؤ واری
کرکے زاری یہ بیاں کرتا ہے وہ آزاری
صبر فرماؤ جو مرضیِ جنابِ باری
کم نہ کچھ مرتبۂ آلِ عبا ہوئے گا
عاصیوں کا اسی پردے میں بھلا ہوئے گا

گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن
جس طرح ہوتے ہیں گلدستے میں گلہائے چمن
رشتہ دارانِ علی سب ہیں گرفتارِ محن
شرم کے مارے موئی جاتی ہے اک شب کی دلہن
دم بدم ساس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ اُس کے
ابھی کنگنا نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ اُس کے

ہے اسی رسّی میں ننھا سا سکینہ کا گلو
دم گھٹا جاتا ہے آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
چاک کرتے کا گریباں ہے پریشاں گیسو
سوجے تو گال ہیں کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
آہ ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے
جب گھڑکتے ہیں ستمگر تو دہل جاتی ہے

ماں سے کرتی ہے اشارہ وہ گرفتارِ ستم
رسّی کھلوا دو نہیں گھٹ کے نکل جائے گا دم
روکے وہ کہتی ہے مجبور ہوں میں کشتۂ غم
ہائے بچّی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم
صدقے امّاں یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا
بی بی اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا

ماں سے رو رو کے وہ نادان یہ کرتی ہے بیاں
کس کا دربار ہے اس حال سے جاتی ہو کہاں
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے امّاں
کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں
بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انھیں پاؤں گی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

کہیں دربار میں امّاں وہ اگر مجھ کو ملے
دیکھنا کرتی ہوں کیسے شہِ والا سے گلے
وہ خبر لیویں نہ گردن مری رسّی سے چھلے
اُس کو یوں بھولتے ہیں باپ بچّا جو پلے
وجہ کیا کونسی تقصیر پہ منھ موڑا ہے
سیلیاں کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے

کان زخمی ہیں اور لی نہ خبر واہ رے پیار
خوب بھولے مجھے بابا کی محبت کے نثار
دن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار
مجھ پہ یہ ظلم ہیں آیا انھیں کس طرح قرار
منھ دکھاتے نہیں شفقت سے بُلانا کیسا
خواب میں آ کے نہ چھاتی پہ سُلانا کیسا

روتے تھے سُن کے سکینہ کا بیاں سارے اسیر
ہر قدم پر تھا یہی شور کہ ہے ہے شبّیر
اس طرف ہوتی تھی آرایشِ دربارِ شریر
تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پہ سارے امیر
اک طرف لوٹ کا سب زیور و زر رکھا تھا
اور تلے فاطمہؑ کے لال کا سر رکھا تھا

نذریں ہاتھوں پہ لیے آتے تھے سب درباری
پڑھتے تھے تہنیتِ فتح کو باری باری
جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری
یاں تو تھا جشن کا غل اور اُدھر تھی زاری
اس طرف سے تو دف و نے کی صدا آتی تھی
اور اُس سمت سے ہے ہے کی صدا آتی تھی

دم بدم تخت سے اُٹھ اُٹھ کے یہ کہتا تھا شریر
قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں کیا ہے تاخیر
بڑھ کے کرتے تھے خبردار یہ اُس دم تقریر
ضعف سے پاؤں کو تھم تھم کے اُٹھاتے ہیں اسیر
مارے دہشت کے لہو ان کا گھٹا جاتا ہے
ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آجاتا ہے

بولا وہ کونسی عورت ہے وہ مجبورِ ستم
عرض کی اُس نے کہ ہمشیرِ شہنشاہِ اُمم
باپ جس کا ہے علی پشت و پناہِ عالم
جس کی ماں فاطمہ ہے فخرِ جنابِ مریم
ہے جو سلطانِ عرب اُس کی نواسی ہے وہ
کلمہ گو جس کے ہیں سب اس کی نواسی ہے وہ

ہے وہی حضرتِ جعفر کی بہو سینہ فگار
وہی زینب ہے جو شبیر کی تھی عاشقِ زار
لاشِ شہ پر وہی اشتر سے گری تھی کئی بار
بعد مرنے کے بھی ہے بھائی بہن میں وہی پیار
قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے
پردہ روتی ہے تو شبیر کا سر روتا ہے

بولا وہ کیا ہے پھر اوروں کے نہ آنے کا سبب
عرض کی ایک ہی رسّی میں ہیں جکڑے ہوئے سب
خاک پر گرتی ہے جب بنتِ شہنشاہِ عرب
شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ ہے ہے زینب
ہوش میں آن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے
دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے

اُنھیں رانڈوں میں ہے اک دخترِ فرزندِ نبی
خوگرِ سینۂ دلبندِ رسولِ عربی
آفتِ فاقہ کشی بے پدری تشنہ لبی
دم بدم لب پہ یہ ہے اَینَ اَبِی اَینَ اَبِی
چھاتیاں پیٹتی ہیں اس طرح سے وہ روتی ہے
شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے

ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے
سب پکارے کہ وہ حاکم کے گنہگار آئے
آگے روتے ہوئے سجادِ دل افگار آئے
سر برہنہ حرمِ احمدِ مختار آئے
صاف خورشید سی شکلیں جو نظر آتی ہیں
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں

گو کہ اس وقت تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
منھ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
بیٹیوں کا اسداللہ کی اللہ رے جلال
آنکھ اُٹھا کر کوئی دیکھے یہ کسی کی تھی مجال
جلوۂ روشنیِ طور نظر آتا تھا
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا تھا

پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر
بیٹیاں فاطمہ زہرا کی جو تھیں ننگے سر
تھا جو منظور رخ آلِ عبا کا پردہ

ایک سے پوچھتا تھا ایک کہ قیدی ہیں کدھر
دستِ حیدر تھا تماشائیوں کی آنکھوں پہ
فاطمہؑ روکتی تھی اپنی ردا کا پردہ

کہا ظالم نے کہ ہاں قیدیوں کو لاؤ قریب
شرم کے مارے ہوا بیبیوں کا حال عجیب
کھینچ کر سب کو ستمگار جو لے جانے لگے

حکم یہ سنتے ہی دوڑے گئے دو چار نقیب
اپنا سر پیٹ کے بانو نے کہا وائے نصیب
حضرتِ زینب و کلثوم کو غش آنے لگے

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
سرکشی کر کے نہ سر بر ہوئے مجھ سے شبیر
بیٹھنے کا کہیں دنیا میں سہارا نہ رہا

دیکھ کر سیدِ سجاد کو بولا وہ شریر
شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
پنجتن اٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

ہاں کہو آج حمایت کو پیمبر ہیں کہاں
قید میں ان کی بہو آئی ہے شبر ہیں کہاں
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے

کیا ہوئے ابنِ علی حیدرِ صفدر ہیں کہاں
ننگے سر زینبِ دلگیر ہے سرور ہیں کہاں
اک ذرا غور سے دیکھو تو یہ سر کس کا ہے

کس کے ناموس لٹے کس کا ہوا گھر تاراج
ایک چادر کے لئے کس کی بہن ہے محتاج
خلق میں کس کے لئے مرتبہ عالی ہے

کون بے سر ہوا اور کون ہوا صاحبِ تاج
کون کمزور ہے اور کون زبردست ہے آج
کس کا اقبال ہے اور کس کی بد اقبالی ہے

نہر پر بازوئے شبیر کو مارا کس نے
تیر سے اصغرِ بے شیر کو مارا کس نے
فوج بے سر ہوئی سلطانِ حجازی نہ رہے

جنگ میں اکبرِ دلگیر کو مارا کس نے
شاہ سے صاحبِ شمشیر کو مارا کس نے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا وہ غازی نہ رہے

سن کے یہ آگیا بنتِ شہِ مرداں کو جلال
صاحبِ عزت و توقیر محمد کی ہے آل
ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے

تھر تھرا کر کہا کیا بکتا ہے او بد اقبال
کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے

ہاں بتا آیۂ تطہیر کسے آیا ہے
دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
ہل اتیٰ کس کے لیئے روح امیں لایا ہے
کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے
قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
فرق قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے

زور اپنا کسے اللہ نے امداد کیا
خانۂ کفر کو کس شیر نے برباد کیا
حق نے قرآن کے سورے میں کسے یاد کیا
کس کو اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم ارشاد کیا
کس سے ہر جنگ میں عاجز صفِ کفار آئی
بدر میں کس کے لیئے عرش سے تلوار آئی

آلِ احمد کو حقارت سے نہ دیکھ او مقہور
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کے نور
مار کر سبطِ پیمبرؐ کو یہ نخوت یہ غرور
خیر ہم دور نہ تو دور نہ محشر ہے دور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
باندھا ہاتھ کا سادات کے کھل جائے گا

فخر کیونکر نہ کرے تو کہ یہ ہے فخر کی جا
تو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
ہو گئی سرخ لہو میں حسن سبز قبا
فاطمہؑ ذبح ہوئی شیر خدا قتل ہوا
آگ دی خیمہ کو اور زیور و زر لوٹ لیا
جس کے دربان تھے ملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

تیرے ناموس تو ہیں پردہ نشیں اے ظالم
بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہائے بے پردہ ہے بانوئے امامِ عالم
ہے سکینہ پہ وہ ظلم اور یہ کبرا پہ ستم
ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی

کیئے زینب نے فصاحت سے جو یہ وقت کلام
کانپے سینوں میں جگر رونے لگے لوگ تمام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاکِ امام
متوجہ ہوا شرما کے اُدھر حاکمِ شام
اور ان ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا
لبِ فرزندِ پیمبر پہ چھڑی دھرنے لگا

کھول کر چوب سے لب ہائے شہنشاہِ عرب
کہتا تھا پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں لب
دُرِ دنداں ہیں یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب
پیٹ کر سینے کو زینبؑ نے کہا ہائے غضب
نہ محمدؐ سے نہ حیدر سے حیا کرتا ہے
قطع ہو جائے ترا ہاتھ یہ کیا کرتا ہے

۴ اس چھری کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا ۴ بوسے لیتے تھے انھیں ہونٹوں کے محبوب خدا
پھر امت انھیں ہونٹوں سے دعا کی ہو سدا انھیں دانتوں پہ گہر کرتی تھی صدقے زہرا
تجھ کو پیارے نہیں گو ہم کو تو پیارے ہیں یہ عرش تک جن کا ہی شہرہ وہ ستارے ہیں یہ

۴ یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر ۴ اے ظالم مرے بے تن کی بھلا کیا تقصیر
یہ چھری ہائے غضب اور لب پاک شبیر نہ ستا مجھ کو میں ہوں بنت شہ خیبر گیر
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوں میں لے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں

۴ کہہ کے یہ غیظ میں آئی جو علی کی جائی ۴ آسماں آ گئے جنبش میں زمیں تھرائی
سر شبیر سے ناگاہ صدا یہ آئی تھام لے غصے کو زینب ترے صدقے بھائی
نہ تلاطم میں کہیں قہر الٰہی آ جائے کہیں امت کی نہ کشتی پہ تباہی آ جائے

تم تو آگاہ ہو شبیر نے جو دکھ پائے پہ نہیں حرف شکایت کے زباں پر لائے
سر کو نہوڑا لیا جب ذبح کو قاتل آئے ہم نے امت کے لئے چھاتی پہ نیزے کھائے
اتنی سی بات پہ مصروف بکا ہوتی ہو تم چھری ہونٹوں پہ رکھنے سے خفا ہوتی ہو

برچھیاں کھانے سے کیا اس میں کچھ ایذا ہے بڑی چپ رہے تن پہ جو تلوار پہ تلوار پڑی
جانے دو رکھی تو رکھی مرے ہونٹوں پہ چھری اے بہن یہ بھی گزر جائے گی آفت کی گھڑی
چپ ہیں جو ہم پہ ستم راہ رضا میں ہوگا اس کا انصاف تو دربار خدا میں ہوگا

سر شبیر نے زینب سے جو یہ کی تقریر آ کے غصے میں لگا کانپنے حاکم بے پیر
شمر سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر سب کو لے جا کے تو رکھ سخت خرابے میں اسیر
بس انیس اب جگر و قلب پھنکا جاتا ہے حال زنداں کا نہیں منہ سے کہا جاتا ہے

مرثیہ (۲۷)

ہند آتی ہے زنداں میں بڑے جاہ و حشم سے
ہے شوقِ ملاقاتِ اسیرانِ ستم سے
فضہ نے کہی ہے خبر آمد کی حرم سے
سیدانیاں محبس میں مری جاتی ہیں غم سے
دم سینوں میں گھبراتے ہیں جانوں پہ بنی ہے
واں دھوم سواری کی ہے یاں سینہ زنی ہے

ہوتی ہے اُدھر زیبِ بدن فاخرہ پوشاک
اور آلِ محمد کے گریباں ہیں ادھر چاک
واں سُرمہ دیا جاتا ہے یاں چشم ہے نمناک
واں عطر ملا جاتا ہے چہروں پہ ادھر خاک
دستِ زنِ حاکم میں جواہر کے کڑے ہیں
اور پھندے ادھر رسّی کے ہاتھوں میں پڑے ہیں

واں سامنے آئینہ ہے اور ہاتھ میں شانہ
حیرت میں ہیں ناموسِ شہنشاہ زمانہ
ہے پشت پہ دیوار ہر اک شہ کا یگانہ
زنداں کا یہ نقشہ ہے کہ ہے آئنہ خانہ
سب بیٹھے ہیں یوں بنتِ دلگیر کے آگے
تصویر ہو جس طرح کہ تصویر کے آگے

سر گندھتا ہے واں اور چنی جاتی ہے افشاں
یاں ناخنوں سے خون بہتا ہے اور بال پریشاں
کنٹھے ہیں ادھر موتیوں کی زیبِ گریباں
یاں اشکوں کی تسبیح ہے اور پنجۂ مژگاں
واں نورتن الماس کے بازو پہ عیاں ہیں
شانوں پہ ادھر ظلم کی رسی کے نشاں ہیں

واں جمع ہے سب طرح کا سامانِ امیری
یاں کیا ہے جو کچھ ہے بھی تو اسبابِ فقیری
لب خشک گریبان پھٹے رخ پہ تغیری
ایذائے رسن پہلے پہل کی وہ اسیری
ذی شان محل جن کے مدینہ میں کھڑے ہیں
وہ شام کے زنداں کی مصیبت میں پڑے ہیں

ہمراہ کئی سو ہیں کنیزانِ زری پوش
دیکھے جو پرا اُن کا تو پریوں کے اُڑیں ہوش
ہے شور کہ عہدہ کوئی کچھو نہ فراموش
کیا دور ہے خاصہ جو کریں آپ ہیں نوش
سُنتے ہیں کہ رسی میں اسیروں کے گلے ہیں
فاقے سے وہ قیدی ہیں جہاں آج چلے ہیں

ڈیوڑھی پہ سواری کے لیئے لوگ ہیں تیار　　ناقوں پہ ادھر کستے ہیں جھولیں شتر اسوار
دکّانوں میں بیٹھے ہیں پیادے سر بازار　　ہتھیار لگائے ہوئے حاضر ہیں جلودار
رستے پہ سواروں نے پرے باندھ دیئے ہیں　　سونے کے عصا ہاتھ میں خاموش لیئے ہیں
جاروب کشی راہ میں ہوتی ہے سراسر　　رستا تو مصفّا ہے مگر دل ہے مکدّر
مشکیں لیئے سقّے چلے آتے ہیں برابر　　فوّاروں سے چھڑکاؤ بھی ہوتے ہیں نہیں پر
لڑکا بھی کوئی بام پہ جانے نہیں پاتا　　سب بند ہیں رستے کوئی آنے نہیں پاتا

ناگاہ یہ ڈیوڑھی سے محلدار پکاری　　مسند سے حضور اُٹھی ہیں ہاں لاؤ سواری
فرّاشوں کو دربان جو پکارے کئی باری　　پردے کی قناتیں بھی ہیں کھنچ گئیں ساری
افسوس سواری کا یہ سامان اُدھر ہو　　اور قید میں احمد کی نواسی کھلے سر ہو

ہند اپنے محل سے ہوئی ناگاہ برآمد　　شاہزادی ہو جوں با حشم و جاہ برآمد
سب خاص کنیزیں ہوئیں ہمراہ برآمد　　اختر لیئے گویا کہ ہوا ماہ برآمد
آ بیٹھی محافہ میں جو ہوڑا اُسے وہ سرکو　　ڈنکے پہ سواری کی لگی چوب اُدھر کو

باجوں کی سلامی کا ہوا چار طرف غل　　وہ دھوم وہ شوکت وہ سواری کا تجمّل
شاہانہ حشم ہند کے ہمراہ تھا بالکل　　وہ قید میں جن کو کہ نبی سے ہے توسل
رنگ اُڑتا ہے دم گھٹتا ہے گھبراتی ہے زینب　　چادر جو نہیں سر پہ مری جاتی ہے زینب

ڈنکے کی صدا اُن کے دھڑکتا ہے ہر اک دل　　واں غل ہے سواری کا اِدھر شور سلاسل
سیدانیاں بے تیغ ہوئی جاتی ہیں بسمل　　کہتی ہیں کہ یا عقدہ کشا حل کرو مشکل
ہے ہے زنِ حاکم کی سواری تو قریں ہے　　مخفی ہوں کہاں ہم کوئی گوشہ بھی نہیں ہے

ہے دُخترِ خاتونِ قیامت کا عجب حال　　بکھرے ہوئے ہیں دوش پہ سب گرد بھرے بال
فضّہ سے یہ فرماتی ہیں وہ صاحبِ اقبال　　لا دے مجھے گر کوئی تیرے پاس ہو رومال
پردہ ہو کچھ ایسا کہ نہ دیکھے مجھے آکے　　پیچھے ترے بیٹھوں گی میں چہرے کو چھپا کے

وہ کہتی تھی سر پیٹ کے اور کوٹ کے چھاتی
معصوم کو یوں دھوپ میں ہیں چھوڑ کے آتی
گھر لٹ گیا زنداں میں سوا خاک کے کیا ہے
فرماتی ہیں تب ہاتھ اٹھا کر سوئے افلاک
آئی ہے خرابہ میں زنِ حاکم سفاک

ہر چند کہ آغوش میں زہرا کے پلی ہوں
یارب تو مرے حال کا ہے عالم و دانا
پردا امرا رکھ لے کہ نہ ہو ہند کا آنا
وہ تخت نشیں آج ہے میں خاک نشیں ہوں

بانو سے یہ فرماتی تھی با گریہ و زاری
سنتی ہوں قریب درِ زنداں ہے سواری
پوچھے تو یہ کہنا کہ سفر کر گئی زینب
آگے تو وہ کرتی تھی ادب سے مجھے تسلیم
میں آج ہوں محتاج وہ مختارِ زر و سیم

کیا لطفِ ملاقات ہے آوارہ وطن سے
میں سب سے کہے رکھتی ہوں یہاں ہند جو آئے
جب تک کہ خرابے سے وہ گھر اپنے نہ جائے
نکلے نہ صدا مُہرِ خموشی ہو دہاں پر
سمجھا کے سکینہ سے کہا سن تو میں واری
پوچھے جو تجھے کون ہے یہ ظلم کی ماری
رشتہ شہ والا سے جتانا نہ کسی کا

صدقے کہا رومال یہ لونڈی ابھی لائی
ہوتا تو میں اصغر کے نہ لاشے پہ اڑھاتی
رومال نہ حیدر کا نہ زہرا کی ردا ہے
یارب میں ترے شبیر کی ہوں خیر غمناک
میں قیدیوں میں بیٹھی ہوں چہرے پہ ملے خاک
اس پر نہ یہ ثابت ہو کہ میں بنتِ علی ہوں

ناموس تجھی سے ہے بر گشتہ زمانا
اس حال سے اس کو مری صورت نہ دکھانا
اس سے تو یہ بہتر ہے کہ پیوندِ زمیں ہوں
آگاہ نہیں وہ ابھی صورت سے ہماری
منھ اس کو نہ دکھلاؤں گی میں شرم کی ماری
تم ملنے اب آئی ہو کہ جب مر گئی زینب

اٹھتی تھی مرے واسطے بھابی پئے تعظیم
اب ہے نہ وہ عزت نہ وہ حشمت نہ وہ تکریم
جکڑے ہوئے بازو تو ابھی تک ہیں رسن سے
ناداں ہو کہ دانا کوئی مجھ کو نہ بتائے
سب بیٹھے رہیں بالوں سے چہروں کو چھپائے
لاوے نہ کوئی نام بزرگوں کا زباں پر

ہے گرم خبر ہند کی آتی ہے سواری
کہیو نہ کہ زینب ہے پھوپھی جان ہماری
قربان گئی نام بتانا نہ کسی کا

گر پوچھے کہ تقصیر تمھاری کہو کیا ہے   کس جرم پہ حاکم نے تمھیں قید کیا ہے
کہیو کہ اس احوال سے آگاہ خدا ہے   مجھ کو نہیں معلوم کہ کیا اپنی خطا ہے
گھر ظلم کے تیغوں سے ہوا صاف ہمارا   اب حشر پہ موقوف ہے انصاف ہمارا

یوں کہنے لگی بھر کے دمِ سرد وہ ناداں   ہیں حکم سے باہر نہیں اچھا پھوپی اماں
نام آپ کا ہرگز نہ بتائے گی یہ ناداں   کھانے کی نہ طالب ہے نہ پانی کی ہوں خواہاں
ہے دل کو قلق اور تو کیا پوچھوں گی اس سے   بچھڑے ہوئے بابا کا پتہ پوچھوں گی اس سے

یہ سن کے سراسیمہ گئی تا درِ زنداں   آہٹ جو سنی بولے یہ زنداں کے نگہباں
کون آتا ہے یہ قیدیوں کا کام ہے کیا یاں   آہستہ یہ زینب نے کہا با دلِ نالاں
زنداں میں سوا قیدیوں کے کس کا گزر ہے   سنتی ہوں کہ یاں ہند کے آنے کی خبر ہے

وہ بولے کہ ہاں صبح سے ہم لوگ ہیں تیار   کمروں سے اسی واسطے کھولے نہیں ہتھیار
آمد کی خبر کہہ گیا ہے آ کے خبردار   تسلیم کو صف بستہ کھڑے ہیں سبھی سالار
کیا دور ہے گر آن کے دے داد تمھاری   تاثیر بہت رکھتی ہے فریاد تمھاری

جب تک کہ نہ ہو روح کو قالب سے جدائی   ملتی نہیں یاں سے کسی قیدی کو رہائی
کیا جانئے کہ کیا ہے خبر اس بی بی نے پائی   اب تک کبھی زنداں میں سواری نہیں آئی
لڑکا کوئی لے یا کسی لڑکی کی طلب ہے   بے وجہ نہیں کچھ نہ کچھ اس کا بھی سبب ہے

یہ سنتے ہی زینب کی لگی چھاتی دھڑکنے   دھڑ دھڑ کے سکینہ کو لگی پاس سے تکنے
گھبرا گئی آنکھوں سے لگے آنسو ٹپکنے   دروازۂ زنداں سے لگی سر کو پٹکنے
رونے کی صدا سن کے یہ گھبرائی سکینہ   سر پیٹتی ڈیوڑھی میں چلی آئی سکینہ

سینہ سے اٹھا ہاتھ یہ چلائی وہ ناداں   جی ڈرتا ہے لپٹو مجھے گودی میں پھوپی جاں
کیا ہو گیا کیوں سر کو پٹکتی ہو میں قرباں   بتلاؤ تو کیا کہتے ہیں زنداں کے نگہباں
بچپن پہ ہمارے نہ ترس کھائے گا کوئی   کیا ہم کو پھوپی چھین کے لے جائے گا کوئی

زینب نے کہا تم نہ ڈرو تم پہ میں واری
کیا ہوتا ہے کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں ناری
جیتی ہے ابھی تو اسداللہ کی پیاری
وہ کون ہے چھینے گا جو بچی کو ہماری
بگڑوں تو ابھی خاک میں اعدا کو ملا دوں
میں چاہوں ابھی عرش الٰہی کو ہلا دوں

دربان نے پوچھا یہی لڑکی ہے سکینہ
عاشق تھے اسی بیٹی کے سلطان مدینہ
پیٹا یہی کرتی ہے سحر تک سر و سینہ
اچھا تو ہے فرزندی میں دینے کا قرینہ
بچا نہ ہو جس میں وہ گھر آباد نہیں ہے
سچ ہے زن حاکم کے بھی اولاد نہیں ہے

زینب نے کہا گو کہ ہوں بے وارث و والی
یہ مجھ پہ مصیبت مری تقدیر نے ڈالی
فرزندی میں دوں ہو جو مری گود کی پالی
پوتی اسداللہ کی بنت شہ عالی
مر جاؤں گی چین آئے گا کیونکر مرے جی کو
ٹکڑا کوئی دیتا ہے کلیجہ کا کسی کو

للہ اسیروں کو نہ تشویش میں ڈالو
یہ بات نہ سن لے کوئی منہ سے نہ نکالو
احسان بڑا ہو جو اس آفت سے بچا لو
ہمراز کوئی ہند کی ہووے تو بلا لو
یاں کوئی تماشا نہیں جانوں پہ بنی ہے
زنجیروں کی جھنکاریں ہیں اور سینہ زنی ہے

تاریکی ہے ایسی کہ برابر ہے دن رات
اک قبر میں ہم لوگ بسر کرتے ہیں اوقات
حجرہ ہے ہر ایک مسکن آفات و بلیات
یاں کون کرے گا زن حاکم کی مدارات
مسند ہے نہ تکیہ ہے نہ ہموار زمیں ہے
مٹی میں اٹا کوئی کہیں کوئی کہیں ہے

سمجھا کے کہیں آنے سے یاں فائدہ کیا ہے
تم زوجۂ حاکم ہو یہ زندان بلا ہے
کوئی تو سسکتا ہے کوئی غش میں پڑا ہے
پہنچے نہ کچھ آسیب کہ یہ خوف کی جا ہے
کہدو کہ ادھر ہند کا آنا نہیں بہتر
ٹوٹے ہوئے گھر میں اسے لانا نہیں بہتر

دالان کی چھت ہے نہ زمیں خاک فشانی
دل قیدیوں کے ڈر سے ہوئے جاتے ہیں پانی
کرتا اسے ہر ایک ہے آزار رسانی
قیدی کا اگر اک دم ہے تو سو دشمن جانی
جانیں جو اسیروں کی یہاں جاتی ہیں اکثر
راتوں کو صدائیں بھی مہیب آتی ہیں اکثر

بوسیدہ چھتوں میں ہیں لٹکتے ہوئے جالے
استادہ ہیں ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو سنبھالے
دیواریں بھی سب کالی ہیں روزن بھی ہیں کالے
افعی بھی ہیں روزن سے زبانوں کو نکالے
برسوں سے یہ گھر مسکنِ آسیب و بلا ہے
نہ شمع جلی ہے نہ چراغ اس میں جلا ہے

زینب یہ ابھی کہتی تھی با گریہ و زاری
جو شور ہوا ہند کی آپہونچی سواری
ڈیوڑھی پہ لگیں آن کی سواریاں ساری
لشکر کے نقیبوں نے سلامی بھی اُتاری
اقبال و ترقی کی نقیبوں نے دعا دی
آمیں کی خوشی ہو کے خواصوں نے صدا دی

کھلوایا جو ہیں ہند نے قفلِ درِ زنداں
تب عرض یہ کرنے لگے زنداں کے نگہباں
رکھنا قدم اس گھر میں نہیں آپ کے شایاں
حجرے سے بلا لیتے ہیں ہم قیدیوں کو یاں
چونکائیں گے گر غش میں پڑے ہوئیں گے قیدی
صف باندھ کے خدمت میں کھڑے ہوئیں گے قیدی

اک شخص ہے ان قیدیوں میں صاحبِ آزار
دم توڑتا ہے ڈیوڑھی کے نزدیک وہ بیمار
چہرے سے نمودار ہیں سب موت کے آثار
یہ باپ کا غم ہے کہ نہیں جینے کا زنہار
نے غم اُسے اپنا ہے نہ بربادی کا گھر کی
ہے لب پہ صدا ہائے پدر ہائے پدر کی

یہ سُن کے کہا ہند نے میں جاؤں گی کچھ ہو
بس کہہ کے یہ داخل ہوئی زنداں میں وہ خوش خو
بیمار کو دیکھا تو یہ کہنے لگی رو رو
پوچھو تو کوئی کونسا دُکھ ہے اسے لوگو
بالیں پہ نہ ہمدرد نہ غمخوار ہے کوئی
ہے ہے نہ دوا ہے نہ پرستار ہے کوئی

یہ حسن یہ صورت یہ جوانی یہ نقاہت
یہ قید کی تکلیف یہ آزار کی شدت
اس خاک نشینی میں یہ شان اور یہ شوکت
آنکھوں کے تلے پھر گئی شبیر کی صورت
خالی کبھی گردش سے زمانہ تو نہیں ہے
ہے ہے کوئی حضرت کا یگانہ تو نہیں ہے

کس جرم پہ اس شخص کا حاکم ہوا دُشمن
انصاف کرو طوق کے قابل ہے یہ گردن
یہ ساعدِ نازک یہ گراں حلقۂ آہن
یہ سخت زمیں ہے غضب اور پھول سا یہ تن
مہماں ہے کوئی دم کا اجل سر پہ کھڑی ہے
سوجے ہوئے ان پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

مجھ کو تو غش آتا ہے کوئی پاس تو جاؤ — گردن کے تلے ہاتھ ذرا دے کے اٹھاؤ
چہرے پہ چھڑکنے کے لیے پانی تو لاؤ — زندہ ہے کہ مردہ کوئی شانہ تو ہلاؤ
بیمار سے مظلوم سے کیا شرم ہے لوگو — دیکھو تو بدن سرد ہے یا گرم ہے لوگو

لب خشک ہیں ظاہر ہے کہ پایا نہیں پانی — اس پر بھی ہے کیا نازکی و غنچہ دہانی
لو گیسوؤں والا بھی ہے یہ یوسف ثانی — ہے یہ تو محمد کے گھرانے کی نشانی
اس باپ کو دیکھو یہ پسر جس سے چھٹا ہے — معلوم ہوا گھر کسی سید کا لٹا ہے

سجدے کا نشاں ہے کہ چمکتا ہے ستارا — ہے نکہت گیسو سے خجل عنبر سارا
ہر عضو ہے گویا ید قدرت نے سنوارا — یوسف کو فلک لایا ہے زنداں میں دوبارا
تکیہ جو نہیں گرد سے زنداں کی بھرے ہیں — رخسار وہ نازک ہیں کہ دو پھول کھلے ہیں

کیونکر یہ گلا طوق کے لنگر کو سنبھالے — اے چاند گہن سے تجھے اللہ نکالے
تابندہ ہیں موتی کی طرح پاؤں کے چھالے — آفت میں پھنسیں بیڑیوں کے ڈالنے والے
بیمار کو حجرے میں جدا بند کیا ہے — خورشید کو زنجیر میں پابند کیا ہے

آخر یہ کہا ہند نے بازو کو ہلا کر — اے بندۂ مقبول ذرا چشم تو وا کر
شدت جو مرض کی ہے تو کچھ اپنی دوا کر — لوٹا ہو جو حاکم نے تو سمجھاؤں میں جا کر
لے مجھ سے کہ قبضہ ہے زر و مال پہ میرا — دل ہوتا ہے ٹکڑے ترے احوال پہ میرا

سنتے ہی سجاد حزیں ہوش میں آئے — اٹھ کے سر پر نور کو سینہ پہ جھکائے
آہستہ نقاہت سے سخن لب پہ یہ لائے — تو خالق اکبر سے جزا خیر کی پائے
کیا رنج میں ڈالوں تجھے حال اپنا سنا کے — اک بندۂ ناچیز ہوں بندوں میں خدا کے

کیا منہ جو زباں سے ہو ادا شکر الٰہی — کچھ ہووے گی بہتر مرے حق میں یہ تباہی
ذات اس کی ہے دانائے سفیدی و سیاہی — چاہے تو وہ بخشے ابھی محتاج کو شاہی
فیاض معین الضعفا نام ہے اس کا — بندوں پہ سدا لطف و کرم عام ہے اس کا

یوسف کے تو احوال سے ماہر ہے خدائی
پہلے تو گرا آئے انھیں چاہ میں بھائی
جب چاہ سے دی خالقِ اکبر نے رہائی
تقدیر انھیں مصر کے بازار میں لائی
وہ قید میں ہم سے بھی سوا زار و حزیں تھے
زنداں سے رہائی جو ملی تخت نشیں تھے

شادی کی نہ شادی ہے نہ غم کا ہمیں غم ہے
چھٹنے کی خوشی کچھ نہ اسیری کا الم ہے
شاکی نہیں ہم پر تو بڑا اس کا کرم ہے
ہیں خلقتِ انساں سے کچھ احسان یہ کم ہے
گر درد دیا ہے تو دوا بھی وہی دے گا
بیمار اسی کے ہیں شفا بھی وہی دے گا

جس دن سے وہ گھر لٹ گیا اپنا یہی گھر ہے
یہ فرشِ زمیں بسترِ سنجاب پہ ور ہے
نہ طوق سے نقصان نہ بیڑی سے ضرر ہے
چھالے یہ نہیں زیرِ قدم گنجِ گہر ہے
کس سے کہیں لذت جو تباہی میں ملی ہے
دولت یہ ہمیں راہِ الٰہی میں ملی ہے

جو قید میں ہے رنج سمجھتا ہوں میں راحت
پہنچا نے مجھے تک جو یہ ہے اس کی عنایت
ماں باپ سے بندوں پہ سوا اس کی ہے شفقت
اس بندہ نوازی پہ بھی ہم کرتے ہیں غفلت
عاجز ہے زباں شکرِ خدا ہو نہیں سکتا
جو حقِ عبادت ہے ادا ہو نہیں سکتا

حاکم سے جو کہتی ہے سفارش کو ہماری
نہ طوق گراں ہم پہ نہ زنجیر ہے بھاری
یہ درد تو سہہ لیں گے کچھ ایسے نہیں عاری
ہو ان کی دوا دل پہ جو کچھ زخم ہے کاری
زنداں سے چھڑایا ہے اگر اپنے کرم سے
پائیں گی رہائی تو نہ ہم قیدِ الم سے

وہ بولے نہیں کوئی عزیزوں میں تمھارے
اس وقت میں کیا ہو گئے سب تم سے کنارے
فرمایا کہ سب گلشنِ ہستی سے سدھارے
ڈھونڈھے کسے یہ زار و حزیں کس کو پکارے
فریاد تو تو نے بھی سنی ہوگی یقیں ہے
کچھ بیبیاں ہمراہ ہیں اور کوئی نہیں ہے

کہنے لگی گھبرا کے یہ اک ہند کی ہمراز
سنتی ہوں عجب شیون اور عجب آواز
باتوں میں فصیحانِ عرب کا ہے سب انداز
تقریر مسلسل کی یہ فقرے ہیں کہ اعجاز
دل دکھ گئے جب اس نے دمِ سرد بھرا ہے
بیمار کی باتوں میں عجب درد بھرا ہے

ایک بولی کہ احوال مفصل نہ سنایا
نام اپنے عزیزوں میں کسی کا نہ بتایا
جز شکر کوئی حرف زباں پر نہیں لایا
کیا وجہ جو اس شخص نے حال اپنا چھپایا
صدمے تو سب اس کے دل ناشاد کو پہنچے
فریاد کرے جب تو کوئی داد کو پہنچے

ان عورتوں سے ہند یہ بولی بدل زار
اللہ کرے خیر کچھ اچھے نہیں آثار
یہ اور کسی کا لب و لہجہ نہیں زنہار
ساری یہ محمد کے گھرانے کی ہے گفتار
تقریر کے انداز کو پہچان گئی میں
باتیں یہ نبی زادوں کی ہیں جان گئی میں

بولی کوئی اب بیبیوں کا دیکھو ذرا حال
ہند آگے بڑھی آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
واں دیکھا تو ہیں بیبیاں بکھرائے ہوئے بال
بیٹھی ہیں زمیں پر مگر اللہ رے اقبال
بالوں میں عجب صورت ہے ہر اک خستہ جگر کی
جس طرح جھلک ابر تنک میں ہو قمر کی

تھا ہند کو بھی اپنی وجاہت پہ بہت ناز
یہ ہوش اڑے دیکھتے ہی کر گئے پرواز
بولی کہ زہے شان و زہے حشمت و اعجاز
ہے صاف جو شہزادیوں کا ہوتا ہے انداز
سب غیرت خورشید ہیں سب ماہ جبیں ہیں
گو خاک پہ بیٹھی ہیں مگر عرش نشیں ہیں

گزری ہے نظر سے مرے سب طرح کی خلقت
دیکھی نہیں یہ شکل نہ یہ شان نہ شوکت
سب فاطمہ زہرا کے گھرانے کی ہے خصلت
لیکن وہ کہاں اور یہ کہاں ہے مجھے حیرت
یہ فرق ہے ان لوگوں میں اور شہ کے حرم میں
وہ فاطمہ کے گھر میں یہ زندان ستم میں

میں بھی کہوں کیا پیچ پڑا اُن پہ خدایا
خورشید نے جن کا کبھی دیکھا نہیں سایا
اُس گھر میں تو بے اذن فرشتہ نہیں آیا
تقدیر نے ایسوں کو اس آفت میں پھنسایا
یہ وہم بھی گزرا ہے جو کچھ میرے گماں میں
اس شکل کے انسان بھی ہوتے ہیں جہاں میں

یہ سچ ہے بزرگ اُن کے ہوئے خلد کو راہی
سلطان رسالت کے عزیز اور یہ تباہی
جیتا ہے ابھی تو پسر شیر الٰہی
بخشی ہے خدا نے جسے کونین کی شاہی
آباد ہے اولاد سے گھر رشک چمن ہے
زہرا کی جگہ حضرت زینب سی بہن ہے

یہ سچ ہے پہ حیرت میں ہوں میں رو کی ماری
یاں ہوتے ہیں کہیں خود بخود آنسو مرے جاری
کتنا دل بیتاب کو روکا کئی باری
پر جان سنبھلتی نہیں ہے گریہ و زاری
کیا وجہ جو دم سینے میں گھبراتا ہے لوگو
میرا تو جگر منہ کو چلا آتا ہے لوگو

آخر یہ کہا ہند نے اے بیبیو بولو
عورت ہوں میں پردہ ہے عبث منہ کو تو کھولو
مانع نہیں رونا اگر آتا ہے تو رو لو
یہ گرد بھرے چاند سے منہ اشکوں سے دھو لو
ہر چند نہیں حال سے آگاہ تمھارے
منہ ڈھانپ کے میں روؤں گی ہمراہ تمھارے

مجھ پر بھی کئی دن سے غم و رنج ہے طاری
راتوں کو میں گھر میں بھی کیا کرتی ہوں زاری
کیا قوم ہے مجھ سے تو حقیقت کہو ساری
سیدانیاں گر ہو تو میں لونڈی ہوں تمھاری
گھر میں تو ہوں ظالم کے مگر اہل وفا ہوں
میں نام پہ اولاد پیمبر کے فدا ہوں

جب شرم سے کھولے نہ کسی نے لب گفتار
بانو کے قریں بیٹھ گئی تب وہ دل افگار
چہرے پہ نظر آئے شرافت کے جو آثار
بولی کہ ہیں ان بیبیوں کی آپ ہی سردار
شکل آپ کے دل سے بخدا بھا گئی مجھ کو
مشتاق تھی میں جن کی وہ بو آ گئی مجھ کو

نام اپنے وطن کا تو بتا دو مجھے للہ
بولو کہ مرے دل پہ ہے اب صدمۂ جانکاہ
کیوں بیبیو زہرا کے بھی گھر سے ہے تمھیں راہ
تم میں کوئی فرزند علی سے بھی ہے آگاہ
دیدار شہ دیں سے سرافراز ہوئی ہو
زہرا کی زیارت سے بھی ممتاز ہوئی ہو

صدقے گئی بتلایئے ہے آپ کا کیا نام
بولیں تمھیں رانڈوں کے بھلا نام سے کیا کام
دن رات تڑپنا ہے تو رونا سحر و شام
بے قبر میں سوئے نہ ملے گا مجھے آرام
کوکھ اجڑی ہوں آوارہ وطن کہتے ہیں مجھ کو
قیدی ہوں گرفتار رسن کہتے ہیں مجھ کو

کیونکر نہ مجھے جانا کہ تمھیں سب کی ہو سردار
ان قیدیوں میں میں بھی ہوں اک بیکس و ناچار
ہر شخص کو تعظیم انھیں کی ہے سزاوار
مالک نہیں میں ان کی یہ سب ہیں مری مختار
سرداری کا کیا ذکر ہے ہمسر بھی نہیں ہوں
میں ان کی کنیزوں کے برابر بھی نہیں ہوں

ان باتوں میں زینب پہ نظر جا پڑی ناگاہ
رخساروں سے بالوں کو ہٹایا تو کہا واہ
چھپ سکتی نگاہوں سے مری اب تو نہیں تم
گو تم نہ مجھے پہچانو کہ خاطر سے بھلاؤ
چھپ سکتی ہو کیا زانو سے گردن تو اٹھاؤ
منھ فاطمہ کے لال سے کیوں منھ موڑ کے آئیں

بھائی سے جدا ہوتی نہ تھیں تم کبھی اک دم
آرام سے یثرب میں رہا کرتے تھے باہم
کر دو مری تسکین کہ کہاں سرورِ دیں ہیں
اس ذکر سے سینہ میں ہوا دل تہہ و بالا
چھاتی تو بھر آئی تھی مگر رونے کو ٹالا
تھا سوچ کہ اس راز کا کہنا نہیں اچھا

فرمایا کہ اے ہند کدھر دھیان ہے تیرا
بطحا میں سکونت نہ مدینہ میں ہے ڈیرا
ماں فاطمہ میری نہ پدر شیرِ خدا ہے
عاقل ہیں خواصیں تری اور تو بھی ہے دانا
ہوتے جو شہنشاہِ رسالت مرے نانا
بھوکوں کو کھلاتے ہیں ہمیں دیتے نہ حیدر

انصاف سے تو کہہ کہ تو ہے صاحبِ ادراک
عریاں کبھی اس بی بی کا رہتا تھا سرِ پاک
شاہزادی کو دی بیکس و مجبور سے نسبت
کچھ سوچ کر بے ساختہ کی ہند نے اک آہ
اس حسن سے ہے صاف عیاں قدرتِ اللہ
للہ کہو حضرتِ زینب تو نہیں تم

میں نے تمھیں پہچان لیا اب نہ چھپاؤ
جی بھر کے بلائیں تو میں لوں بیبی کی آؤ
ہے ہے مرے آقا کو کہاں چھوڑ کے آئیں
کس طرح ہوئے تم سے جدا قبلۂ عالم
کیا ہو گیا کیوں تم نے بچھائی صفِ ماتم
شبیر کے دشمن تو کہیں قید نہیں ہیں

تھرا کے بہت آپ کو زینب نے سنبھالا
چپ رہ گئی کچھ حرف زباں سے نہ نکالا
دل کہتا تھا خاموش بھی رہنا نہیں اچھا
بیٹا نہ جہاں میں ہے نہ بھائی کوئی میرا
کیا سمجھی ہے کس وہم نے دل کو ترے گھیرا
کس بی بی سے نسبت مجھے دی تو نے یہ کیا ہے

وہ قید کے لائق تھی جو زینب مجھے جانا
کچھ قید سے مشکل تھا نواسے کو چھڑانا
زنداں میں ہماری ہی خبر لیتے نہ حیدر
زینب کو کبھی دیکھا تھا چہرے پہ ملے خاک
ایسا ہی پہنتی تھیں وہ پیراہنِ صد چاک
تو خاک کو دیتی ہے عجب نور سے نسبت

شبیر کی ہوتی جو بہن ہیں جگر افگار
مقدور کسی کا تھا جو دیتا مجھے آزار
جس بی بی کا شوہر ہو بنِ جعفر طیار
کر سکتا ہے کوئی اُسے زنداں میں گرفتار
ماں اُس کی محمدؐ سے شہنشاہ کی بیٹی
رسّی میں بندھی ہوتی ید اللہ کی بیٹی

گھبرا کے کہا ہند نے ہے ہے میں کروں کیا
یہ راز کسی طرح سے مجھ پر نہیں کھلتا
میں کہتی ہوں زینب ہو تھیں دخترِ زہرا
کہتی ہیں مجھ کو نہیں کچھ اُن سے علاقہ
کب اُن سے کھلا کچھ جو کسی اور سے پوچھوں
سب حال چھپاتے ہیں میں کس طور سے پوچھوں

کہنے لگی ایک جاریۂ ہندِ خوش انجام
کوٹھے پہ محل کے جو چڑھی تھی میں سرِ شام
برپا تھا اسی گھر میں عجب طرح کا کہرام
میں دیر تلک بیٹھ کے روئی تھی لبِ بام
ذکر ان کی زبانوں پہ نہ تھا اور کسی کا
تھا شور فقط ہائے حسین ابنِ علی کا

زینب جنھیں تم سمجھی ہو ان کا تھا عجب حال
کرتی تھیں بہی سینہ زنی کھولے ہوئے بال
کہتی تھیں جلا خیمہ ہوئے قید لٹا مال
لی کچھ نہ بہن کی خبر اے فاطمہ کے لال
اب تک نہ ملا غسل نہ تربت میں گڑے ہو
گردن کو کٹائے ہوئے جنگل میں پڑے ہو

آنکھوں میں بھرے اشک یہ لڑکی جو ہے خاموش
کرتے پہ لہو جس کے ہے زخمی ہے بنِ گوش
اُس وقت یہ تھا باپ کی الفت کا اسے جوش
سر پیٹتے ہی پیٹتے بس ہو گئی خاموش
ہوش آیا تو چلائی کہ آؤ مرے بابا
چھاتی پہ سکینہ کو سلاؤ مرے بابا

اس وقت نہیں بولتی دہشت سے تمھاری
شبیر کی بیٹی ہے یہی ظلم کی ماری
سچ سمجھی ہو میں آپ کی پہچان کے واری
بی بی یہی زینب ہو ید اللہ کی پیاری
جز دخترِ زہرا یہ نہیں شان کسی کی
شبیر کا پہرا دو نواسی کو نبی کی

یہ سنتے ہی زینب کو نہ کچھ بات بن آئی
بس اُٹھ کے پچھاڑ اس نے وہیں خاک پہ کھائی
چلائی یہ سر پیٹ کے اور رو کے دُہائی
اے ہند شہادت شہِ مظلوم نے پائی
مظلوم کو مغموم کو دکھ پائے کو مارا
ہے ہے مرے آگے مرے ماں جائے کو مارا

ہے ہے مرے آگے انھیں گھوڑے سے گرایا
ہر زخم سے پھوٹ کے بہا خوں کہ غش آیا
جلاد نے جب حلق پہ خنجر کو پھرایا
زہرا کھڑی چلاتی تھی ہے ہے مرا جایا
تعظیم کو اماں کی نہ اٹھ سکتے تھے بھائی
کٹتا تھا گلا اور مرا منہ تکتے تھے بھائی

افسوس ہے افسوس ہے فریاد ہے فریاد
خاتونِ قیامت کی کمائی ہوئی برباد
مظلوم پہ سید پہ مسافر پہ یہ بیداد
گردن کی رگیں تیغ تلے چھاتی پہ جلاد
دولت کو ید اللہ کی لوٹا مرے آگے
فوارۂ خوں حلق سے چھوٹا مرے آگے

آگے مرے تن سے سرِ شبیر اتارا
ماں جائے کے بدلے مجھے برچھی سے نہ مارا
وہ اٹھ گیا دنیا سے جو وارث تھا ہمارا
تو نے جسے دیکھا تھا وہ گھر لٹ گیا سارا
سینہ سے مری جان سفر کر نہیں جاتی
بچوں کو تو موت آگئی ہیں مر نہیں جاتی

وہ بولی کہ اللہ نے دی تھی کبھی اولاد
فرمایا کہ ہاں بیٹوں سے گھر تھا کبھی آباد
وہ قتل ہوئے ایک یہ ہے قید کی بیداد
اٹھارہ برس کی مری دولت ہوئی برباد
گھر لٹ گیا بے وارث و والی ہوئی بی بی
بچوں سے بھری گود یہ خالی ہوئی بی بی

کیا کیا نہ ستم ہو گئے کس کس کا کہوں حال
اکبر سا بھتیجا جسے اٹھارھواں تھا سال
ہمشکلِ پیمبر تھا وہی صاحبِ اقبال
جو کوٹتی ہے سینہ وہ اس بی بی کا تھا لال
کیا شرح کروں بانوئے مغموم کے آگے
نیزے اسے مارے شہِ مظلوم کے آگے

دو بیٹے مرے مارے گئے عاشقِ شبیر
قاسم سے بھتیجے پہ چلی ظلم کی شمشیر
عباس دلاور کی ملی خاک میں تصویر
بے جرم گلے پر علی اصغر کے لگا تیر
سو داغ ہیں کچھ ایک تو مجھ کو نہیں غم ہے
یہ رانڈیں ہیں اور عابدِ بیمار کا دم ہے

زینب سے حقیقت جو سنی ہند نے ساری
زنداں میں ہوا حشر بپا کی گریہ و زاری
ہاتھوں کو اٹھا کر سوئے مقتل یہ پکاری
یا شاہ میں قربان غریبی پہ تمھاری
بسمل تہِ شمشیرِ دو دم ہو گئے آقا
پردیس میں تم پہ یہ ستم ہو گئے آقا

ای شاہِ غریباں ترے بچوں کے میں قرباں ٭ جنگل میں وطن چھوڑ کے سب ہو گئے بے جاں
زنداں میں گرفتار ہوئی زینبِ ذی شاں ٭ بطحا ہوا برباد مدینہ ہوا ویراں
ای تشنہ لب و صابر و شاکر ترے صدقے ٭ ای قبرِ پیمبر کے مجاور ترے صدقے

پھر کہنے لگی قدموں سے زینب کے لپٹ کر ٭ ہی ہی مری بی بی پہ ستم ہو گئے تم پر
کن آنکھوں سے دیکھوں یہ اسیری یہ کھلا سر ٭ صدقے گئی لونڈی ہوں میں اوڑھے ہوئے چادر
صندوق مرے گھر میں بھرے زیور و زر ہے ٭ درکار ہو جو کچھ وہ منگا لو مرے گھر سے

زینب نے کہا تجھ کو مبارک کرے اللہ ٭ زیور سے کہیں سوگ نشیں ہوتے ہیں آگاہ
سر پر ابھی کس طرح سے اوڑھوں ردا آہ ٭ محتاج کفن رن میں ہو لاشِ شہِ ذی جاہ
اب چہروں کا پردا یہ کھلے مو ہیں ہمارے ٭ رسّی کے نشاں جوشنِ بازو ہیں ہمارے

ہم بے سر و سامانوں کو کیا چاہیئے ساماں ٭ ملبوس سیہ بال کھلے چاک گریباں
درکار نہیں کچھ سب مجھے اسبابِ گراں ٭ سر شہ کا منگا دے تو بڑا ہو ترا احساں
مدت سے جو دیکھا نہیں دل غم سے بھرا ہے ٭ سنتی ہوں کہ حاکم کے خزانہ میں دھرا ہے

یہ ہند نے سنتے ہی منگایا سرِ شبیر ٭ حاکم سے کوئی پوچھ کے لایا سرِ شبیر
ڈیوڑھی پہ ہوا شور کہ آیا سرِ شبیر ٭ سجّاد نے آنکھوں سے لگایا سرِ شبیر
تھرّاتے ہوئے خاک سے تعظیم کو اُٹھے ٭ قیدی سرِ شبیر کی تسلیم کو اُٹھے

ڈیوڑھی پہ گئی ہند سراسیمہ و مضطر ٭ اور نوچ کے سب پھینک دیا خاک پہ زیور
ڈیوڑھی سے پھری لے کے جو شہ کا سرِ اطہر ٭ زنداں کی زمیں ہو گئی پرتو سے منور
چلائی سکینہ شہِ والا کا سر آیا ٭ دوڑو پھوپی اماں مرے بابا کا سر آیا

زنداں میں جو لائی سرِ شہ ہندِ دل افگار ٭ سب بی بیاں اُس سر پہ گریں دوڑ کے اک بار
چلاتی تھی سر پیٹ کے یوں زینبِ ناچار ٭ اس شکل کے قربان بہن یا شہِ ابرار
سب روکتے تھے اور نہ ہٹتی تھی سکینہ ٭ گر گر کے سرِ شہ سے لپٹتی تھی سکینہ

ماں کہتی تھی دم تن سے نکل جائے گا واری
منہ ڈھانپ کے کُرتے سے کرو گریہ و زاری
سر پیٹ کے چلاتی تھی وہ درد کی ماری
اب جاتے ہیں۔ ہم لوگوں سے رخصت ہے ہماری
روتے ہوئے تشریف جو یاں لائے ہیں بابا
اقرار تھا لینے کو ہمیں آئے ہیں بابا

یہ کہتے ہی لپٹی سرِ سرور سے وہ مضطر
بوسے لیے اور پیار سے منہ رکھ دیا منہ پر
وا ہو گئے سوکھے ہوئے شہ کے لبِ اطہر
چپ ہو گئی وہ منہ میں زباں باپ کی لے کر
ماں بہنوں پہ مرنا بھی نہ ظاہر ہوا اُس کا
اک آہ کے ہمراہ دم آخر ہوا اُس کا

بانو نے کہا باپ سے بس مل چکیں واری
اب آؤ میں صدقے گئی گودی میں ہماری
دیکھا جو بدن سرد تو زینب یہ پکاری
گودی میں کسے لو گی سکینہ تو سدھاری
تنہا ہوئیں تم۔ داغ تمہیں دے گئے شبیر
لینے جسے آئے تھے اُسے لے گئے شبیر

چلانے لگیں پیٹ کے سر بانوئے ذیشان
ہے ہے مری بچی تری مظلومی کے قربان
تم ہائے پدر ہائے پدر کہتی تھیں ہر آن
ہچکی بھی نہ آئی۔ کوئی دیتا نہیں یوں جان
کیا شاد گئیں باپ کے ہمراہ سکینہ
کہتے ہیں اسے عشقِ پدر واہ سکینہ

خاموش انیس اب کہ جگر سینہ میں شق ہے
اب تابِ سماعت نہیں دل کو یہ قلق ہے
حق یہ ہے کہ بس مرثیہ گوئی ترا حق ہے
جو بند ہے ماتم کے مرقع کا ورق ہے
سب راست ہیں باتیں سخنِ لاف نہیں ہے
افسوس مگر خلق میں انصاف نہیں ہے

رباعی

ہر شب غمِ شہ میں جان کھویا کیجے
ہر روز منہ آنسوؤں سے دھویا کیجے
بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ انیس
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجے

مرثیہ (۲۸)

یہ مرثیہ میر محمد صاحب مرحوم میر صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ کا مشہور ہے لیکن میر انس مرحوم نے اس بات کی شہادت دی کہ "بھیّا نے یہ مرثیہ میر محمد کو کہہ دیا تھا مجھے معلوم ہے"

اس مرثیہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ میر صاحب اپنے لیے جس کد و کاوش سے مرثیہ کہتے تھے اور یہاں کہیں اہل بصیرت کی نظر میں آورد کی شان بھی اس میں نظر آجاتی تھی وہ بات اس میں نہیں ہے بہرسر آمد قلم برداشتہ انیس کا کلام ہے جسے یہ دیکھنا ہو کہ رو میں میر انیس کیسا کہتے تھے وہ اس مرثیہ کو پڑھ کر دیکھے تمام بند مشاقانہ ہیں جو لوگ سخن شناس ہیں اور اس صاحبِ کمال کے طرزِ بیان و زبان سے آشنا ہیں وہ میر انس کی اس شہادت کی بلاشبہ تصدیق کریں گے۔" (مؤلف)

رن میں جب وہ حرِ ذی شان نے شہادت پائی — قتل ہوا شاہ کے مہماں نے شہادت پائی
اسدِ بیشۂ ایماں نے شہادت پائی — یاورِ شاہِ شہیداں نے شہادت پائی
کبھی اس طرح نہ مہرِ فلک آرا چمکا — جس طرح حُرؓ دلاور کا ستارا چمکا

شرفِ زہد و عبّاد ہوا واہ رے حُرؓ — زینتِ گلشنِ ایجاد ہوا واہ رے حُرؓ
ثانیِ بوذرؓ و مقدادؓ ہوا واہ رے حُرؓ — شاہ کا بندۂ آزاد ہوا واہ رے حُرؓ
خاکساری ہو تو سر عرش سے جا ملتا ہے — یوہیں آقا کی غلامی کا صلا ملتا ہے

وہی عاقل ہے جو عقبےٰ کا نہ جادہ چھوڑے — مال مصرف میں کفن سے نہ زیادہ چھوڑے
نفسِ امارۂ بدخو کا ارادہ چھوڑے — ورقِ نیکیِ اعمال نہ سادہ چھوڑے
کھائے کچھ گور کے پھر منہ کا نوالا ہوگا — قبر میں فوج نہ ہوگی نہ رسالا ہوگا

خوب سمجھا وہ کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے — جز نہ مرتے ہوئے چھوٹے ساتھ وہ دولت کیا ہے
چار دن گر ہے حشمت تو وہ حشمت کیا ہے — گر ہے دانا تو زمیں کیا ہے زراعت کیا ہے
قبر مل جاتی ہے یا خاک میں تن ملتا ہے — مالِ دنیا سے بلا بھی تو کفن ملتا ہے

کیوں نہ حیرت ہو رفیقانِ شہِ والا کو   حسنِ تقدیر نے اعلیٰ کیا یوں ادنےٰ کو
چاہیئے جانبِ انجام نظر دانا کو   بڑھ کے اک قطرے نے شرمندہ کیا دریا کو
کس جگہ لطفِ شہِ صابر و شاکر سے گیا   پہلے جنت میں حبیب ابنِ مظاہر سے گیا

واہ کیا رتبۂ عالی حرؓ ذی شاں کو ملا   آبِ کوثر شہِ مظلوم کے مہماں کو ملا
جس کا جویاں تھا وہ فردوس کے خواہاں کو ملا   وہ ملا جو کہ نہ ہرگز کسی انساں کو ملا
باغِ جنت میں بھی ہمسایۂ حیدر پایا   گھر بھی حضرت کے رفیقوں کے برابر پایا

پسرِ سعد نے شیطاں کی طرح بہکایا   دام تزویر میں لیکن نہ وہ دانا آیا
نہ تھا فوج میں جنت کا جو رستا پایا   شہِ والا کی حضوری میں مقدر لایا
شادِ حیدر تو خوشی حضرتِ شبیر ہوئے   دوست اللہ کے اٹھ اٹھ کے بغلگیر ہوئے

کیوں نہ ہو ابنِ یداللہ کا عاشق تھا حرؓ   جو ملا اوج اسی اوج کے لائق تھا حرؓ
گو بظاہر تھا منافق پہ موافق تھا حرؓ   جو کہا تھا وہ کیا قول کا صادق تھا حرؓ
اس کی مظلومی پہ کیونکر نہ محب بہتے روئیں   جس کو بھائی کی طرح حضرتِ شبیر روئیں

نہ رہا چند نفر کا جو رسالا نہ رہا   کونسا چاند کا نقصاں ہے جو ہالا نہ رہا
موںہہ تو خولی کی طرح حشر میں کالا نہ رہا   کون سے رتبے میں لاکھوں سے دوبالا نہ رہا
یوں بھی دنیا سے مسافر کوئی کم نکلا ہے   زانوئے حضرتِ شبیر پہ دم نکلا ہے

اے خوشا حال کہ خاکِ درِ شبیر ملی   نیک صحبت کو بشر سمجھے کہ اکسیر ملی
تارے سے نور ہوا عزت و توقیر ملی   شرط انصاف ہے ایسی کسے تقدیر ملی
صحبتِ بادشہِ کون و مکاں میں پہنچا   پاؤں دوزخ سے بڑھاتے ہی جناں میں پہنچا

مل کے آنکھوں کو جو چومے قدمِ شاہِ زماں   تیر گئی رخ کی سمت کہ ہوئی سجدے کا نشاں
ہاتھ باندھے ہوئے آیا تو کھلے بابِ جناں   حر کہاں زانوئے فرزندِ یداللہ کہاں
لاکھ مردود جو بہکائیں تو کیا ہوتا ہے   بگڑی بنجاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

اک غلامی میں شہنشاہ کی کیا کیا پایا — کس نے پایا ہے زمانے میں یہ اعلیٰ پایا
حر کو حوریں بھی ملیں قصرِ معلّیٰ پایا — وہم میں بھی جو نہ آتا تھا وہ پایا پایا
بارک اللہ کی گروہوں سے صدائیں آئیں — راہ میں تھا کہ بہشتوں کی ہوائیں آئیں

جیتے جیسا کہیں دنیا سے کیا تھا جو سفر — آبِ کوثر جو ملا سرد ہوئے قلب و جگر
گلِ شبنم کی طرح جسم عرق میں تھا جو تر — ہر طرف سے تھا اُسی سمت ہواؤں کا گزر
کبھی ماتھا کبھی چہرہ کبھی سینہ پونچھا — اپنے رومالوں سے حوروں نے پسینہ پونچھا

آگے رکھتا تھا طبق میووں کے رضواں لاکر — کوئی ہاتھوں میں لیے آتا تھا جامِ کوثر
شوق میں جب کہ لپٹ جاتی تھیں حوریں آکر — حرِ ذی جاہ جھکا لیتا تھا سر شرما کر
مسکرا دینے نے حوروں کے بھی دل مل ڈالے — ڈالیاں پھولوں کی تھیں حوروں نے آنچل ڈالے

ڈالیاں سامنے ہیں پھولوں کی جس طرح دلہن — لہلہاتے ہیں نئے رنگ سے جنت کے چمن
بلبلیں شاخِ گلِ تازہ پہ تھیں چہچہ زن — مسکراتے ہیں کھلے جاتے تھے غنچوں کے دہن
خوانِ نعمت کہیں ساغر تھا کہیں پانی کا — شور تھا شاہ کے مہمان کی مہمانی کا

نظر آتے تھے جو کوثر کے چھلکتے ہوئے جام — منہ لگاتا تھا نہ پانی کو حرِ نیک انجام
کہتا تھا کچھ نہیں پانی سے زباں کو اب کام — دشتِ غربت میں کئی روز سے پیاسے ہیں امام
تیسرا دن ہے کہ پانی جو نہیں پاتے ہیں — بچے گھبرا کے قناتوں سے نکل آتے ہیں

حر کا ماتم تھا کہ مرنے گئے میداں میں پسرؑ — لڑکے لاکھوں سے ہوا خاتمہ اُن کا بالخیر
باغِ جنت کی دکھائی انھیں تقدیر نے سیر — پہلے مقتل میں عزیزوں سے فدا ہو گئے غیر
صبح سے کرتے تھے دونوں جو دعا مرنے کی — پائی مسلم کے یتیموں نے رضا مرنے کی

گھر میں بن باپ کے بچوں کی جو لاشیں آئیں — اُٹھ کے ماں نے صفِ ماتم پہ پچھاڑیں کھائیں
عزتیں دونوں یتیموں نے برابر پائیں — بنتِ زہرا کبھی روئیں تو کبھی چلائیں
آہ و زاری میں کبھی سوئے نجف دیکھتی ہیں — کبھی منہ پھیر کے بیٹوں کی طرف دیکھتی ہیں

دونوں بیٹوں سے اشارا تھا کہ رخصت مانگو　　سرخرو مجھ کو کرو اذنِ شہادت مانگو
جلد اللہ سے مر جانے کی ہمت مانگو　　منہ میں خالق نے زباں دی ہے اجازت مانگو
نیمچے ہاتھوں سے چھوڑو سپروں کو رکھدو　　قدمِ شاہ پہ جھک جھک کے سروں کو رکھدو

رات کو کہتے تھے جو کچھ وہ سخن بھول گئے　　حسنِ تقریر میں اندازِ حسن بھول گئے
دارو گیرِ اسدِ قلعہ شکن بھول گئے　　کیسے پوتے ہو کہ دادا کا چلن بھول گئے
بچے شیروں کے بگڑ جاتے ہیں اڑتے ہیں　　دیکھو لاشوں کو جو غازی ہیں وہ یوں لڑتے ہیں

دردِ دل کہتے ہیں آقا سے حیا واہ ری شرم　　چپ بھی بیٹھے ہیں طلبگارِ رضا واہ ری شرم
ایک مطلب نہ ہوا تم سے ادا واہ ری شرم　　سب کے پیچھے تمہیں رہ جاؤ گے کیا واہ ری شرم
شہ کو صدقے گئی ماموں نہ کہو باپ کہو　　میں نہ بولوں گی جو کہنا ہو وہ تم آپ کہو

اس خموشی کا سبب کیا ہے خدا خیر کرے　　مجھ کو تو اور بھی دھڑکا ہے خدا خیر کرے
اب تو چپ بیٹھنے کا چرچا ہے خدا خیر کرے　　عقلیں ایسی نہ سن ایسا ہے خدا خیر کرے
کام آجائے جو اولاد وہی کام کی ہے　　ہائے تشویش بزرگوں کے مجھے نام کی ہے

قفلِ مطلب کی ہے مفتاح زباں کی تیزی　　وقت پر چاہیئے بلبل کی طرح گل ریزی
طبع رنگیں ہو تو مشکل نہیں رنگ آمیزی　　بات میں لطف ہو تقریر میں مطلب خیزی
شرم کس بات کی مطلب کے ادا کرنے میں　　زندگی موت ہے عرصہ نہ کرو مرنے میں

ماں کے پاس آکے یہ کہنے لگی وہ گل اندام　　ابھی روتے ہیں برادر کے یتیموں کو امام
جب مناسب ہو تو کہتے ہیں بزرگوں سے کلام　　آپ گھبرائیں نہ لیتے ہیں ہم ان کے غلام
ساتھ والوں کے سوئے خلد بڑھے جاتے ہیں　　کیا ہم ایسے ہیں کہ مرنے سے ڈرے جاتے ہیں

شہ نے رخصت نہیں دی کہ رضا ہم نے نہ لی　　کیا سبب تھا کہ رہِ ملکِ بقا ہم نے نہ لی
شاہ مانع تھے کہ فردوس کی جا ہم نے نہ لی　　کون کہتا ہے کہ دردِ دل کی دوا ہم نے نہ لی
اذن ملتا تو پرے توڑ کے مارے جاتے　　سب سے پہلے ہمیں کوثر کے کنارے جاتے

جا کے دم بھر میں الٹ دیں گے یہ لشکر کیا ہے
پسر سعد ہے کیا شمر بد اختر کیا ہے
کوئی ہم سے بھی جگرداری میں برتر کیا ہے
لاکھ سر ماؤں پہ صدقے ہیں یہ اک سر کیا ہے
چھین کر نیزوں کو تنکوں کی طرح توڑیں گے
منہ نہ پھر دیکھئے گا آپ جو منہ موڑیں گے

فوج کیا آگ کا دریا ہو تو جھیلیں اس کو
نہ رکیں ہاتھ ہزیمت جو نہ دے لیں اس کو
کوفہ و شام کے طالب ہوں تو لے لیں اس کو
کوہ بھی سامنے آ جائے تو ریلیں اس کو
اپنے زوروں کو شجاعان عرب جانتے ہیں
ہم بھی حیدر کے نواسے ہیں یہ سب جانتے ہیں

شہ سے ضد کر کے اگر اذن وغا لیتے ہم
عہدۂ شیر خدا بھی بخدا لیتے ہم
مشک ہوتی تو ابھی نہر کو جا لیتے ہم
علم فوج بھی ملتا تو اٹھا لیتے ہم
شام تک فتح کے نقاروں کا غل کر دیتے
توڑ کر کوفے کا در نہر پہ پل کر دیتے

کہا زینب نے کہ سچ کہتے ہو تم ہاں واری
یوہیں آقا کی مدد چاہیے اماں واری
کیا کروں میں مری خاطر ہے پریشاں واری
لاکھ تشویشیں ہیں اور ایک مری جاں واری
سب لٹیں فاطمہ زہرا کی کمائی بچ جائے
چاہتی ہوں کسی صورت سے یہ بھائی بچ جائے

ذکر یہ تھا کہ ادھر طبل بجا لشکر میں
ہو گیا ماندوں کے رونے سے تلاطم گھر میں
اٹھ کے پہنی جو زرہ ابن حسن نے بر میں
تھرتھری پڑ گئی زینب کے تن اطہر میں
کچھ بھتیجے سے جو کہنا نہ مناسب دیکھا
شہ کی ہمشیر نے پھر بیٹوں کی جانب دیکھا

ہاتھ جوڑے ہوئے گئے حضرت کے قریں دو دلبر
شاہ نے چھاتی سے لپٹا لیے ان دونوں کے سر
عرض کی اے شہ ذی جاہ سلیماں افسر
آرزو ہے کہ ہم اب صدقے ہوں ان قدموں پر
ہم کو جب تک کہ سرافرازی کا خلعت نہ ملے
قاسم و اکبر و عباس کو رخصت نہ ملے

شہ نے فرمایا کہ کیا کہتے ہو اے دلدارو
منتیں کر کے کلیجے پہ نہ چھریاں مارو
لشکر شام میں کیونکر تمھیں بھیجوں پیارو
تیرہ ہو گا یہ گھر اے عرش خدا کے تارو
دل کو خوں کرتا ہے آوارہ وطن کا رونا
مجھ سے دیکھا نہیں جائے گا بہن کا رونا

اُٹھ کے زینب نے کہا آپ یہ فرماتے ہیں کیا
میں بھی صدقے مرے ماں باپ بھی حضرت پہ فدا
میری خاطر سے انھیں دیجیے اب ان کی رضا
مجھ کو ہے فخر کنیزی پہ علی و زہرا
نہ ستم دیدہ نہ آوارہ وطن کہتے ہیں
آپ آقا ہیں کہ لونڈی کو بہن کہتے ہیں

باپ ان دونوں کا ہے کون غلام آپ کا ہے
صورتِ ابرِ کرم خلق میں عام آپ کا ہے
آج لڑ بھڑ کے یہ مر جائیں تو نام آپ کا ہے
صبر اب کیجیے دونوں کو یہ کام آپ کا ہے
سج لیں ہتھیار ذرا بیٹھ کے دم لے لیجے
میں اگر روؤں تو رونے کی قسم لے لیجے

شہ نے فرمایا بہت خوب بہت خوب بہن
خیر بہتر ہے جو کچھ ہے تمھیں مطلوب بہن
مجھ سے چھٹتے ہیں یہ دونوں مرے محبوب بہن
اب مری زیست نہ ہوگی کسی اسلوب بہن
نہیں رُکتے چمنِ دہر سے جانے والے
پہلے اُٹھتے ہیں مری لاش اُٹھانے والے

ماں نے لے جا کے جو پوشاک انھیں پہنائی
شان بھائی کی لگا دیکھنے ہنس کر بھائی
فضہ چھوٹی سی جو ہتھیاروں کی کشتی لائی
واہ رے صبر کہ خود ماں نے کمر بندھوائی
گھر لٹے اور نہ زباں پر بھی صدا آہ کی ہو
یہ اُسی سے ہو جو بیٹی اسد اللہ کی ہو

سج چکے جسم پہ زیور کی طرح جب ہتھیار
کر کے تسلیم چلے خیمے سے وہ گل رُخسار
دل کو زینب کے نہ آتا تھا کسی طرح قرار
روتی تھی عون و محمد سے لپٹ کر ہر بار
آگئے آگے تو وہ ہیں نیمچوں کو تولے ہوئے
صحن میں پیٹتی ہیں بیبیاں سر کھولے ہوئے

کہیں غل تھا کہ خدا حافظ و ناصر بچو
ہائے اے گلشنِ ہستی کے مسافر بچو
کہتی تھی ماں کہ مرے صابر و شاکر بچو
تم نے چھوڑا مجھے پردیس میں آخر بچو
میں نہیں روتی ہوں آنسو نہ بہاتے جاؤ
واری اماں مجھے صورت تو دکھاتے جاؤ

خیر تھمنے کا نہیں وقت سدھارو جاؤ
میرے بچو مرے شیرو مرے پیارو جاؤ
کام بگڑے ہوئے امت کے سنوارو جاؤ
جاؤ اے عرشِ معلیٰ کے ستارو جاؤ
منزلیں قبر کی نزدیک ہیں گھر دور رہے
اتنا کہتی ہوں کہ دریا سے نظر دور رہے

دولھنیں بن کے جو شہزادوں کے رہوار آئے
تھامنے بازووں کو سید ابرار آئے
چڑھ کے گھوڑوں پہ جو میداں میں وہ جرار آئے
غل ہوا لخت دل حیدر کرار آئے
مینہ سروں کا کوئی دم میں لب جو برسے گا
آج ان چھوٹی سی تیغوں سے لہو برسے گا

کیا کلیجے ہیں صغیروں کے شجاعت دیکھو
جنگ کے شوق میں چہروں کی بشاشت دیکھو
آیتیں مصحف ناطق کی ہیں صورت دیکھو
نرگسی آنکھوں کی طفلی میں جلالت دیکھو
قرۃ العین محمد سے شہنشاہ کے ہیں
آنکھیں آہو کی ہیں تیور اسد اللہ کے ہیں

ماں نے پہنائی ہے دولھا سا بنا کر پوشاک
آستینوں کے ہیں کس حسن سے الٹے ہوئے چاک
نور کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں ساعد پاک
نہ لڑائی سے انھیں خوف نہ مرجانے سے باک
ان میں جوہر اسد اللہ کی شمشیر کے ہیں
بھول کر منھ پہ نہ جانا یہ پسر شبیر کے ہیں

کس کے پوتے ہیں یہ جرار نواسے کس کے
ضرب اسے کہتے ہیں سکتے ہیں دلوں پر جن کے
عرب و روم کے سردار ہیں شاہد اس کے
مر گئے ٹاپوں سے دلدل کی جواں پس پس کے
اڑ کے جاتے ہیں جدھر صید کی بو ہوتی ہے
شیر کے بچوں میں بھی شیر کی خو ہوتی ہے

فاطمہؑ ان کی ہے نانی تو علی نانا ہے
ضرب کرار کو کروبیوں نے مانا ہے
شیر کے بچے ہیں تم نے انھیں کیا جانا ہے
بھاگتے ہیں وہ جنھوں نے انھیں پہچانا ہے
خود کٹتے ہیں سپر کٹتی ہے سر کٹتے ہیں
ضربت ایسی ہو تو جبریل کے پر کٹتے ہیں

یہ تہور یہ بزرگی یہ شرف اس سن پر
زلفیں چہروں پہ ہیں یا رات کا سایا دن پر
آنکھ وہ جان فدا کرتی ہیں یاں جن پر
ہے غضب پیاس میں وہ روز کی یہ دھوپ ان پر
واں یہ گلرو ہوں جہاں چھاؤں گھنیری ہووے
عمر بھر گر انھیں دیکھے تو نہ سیری ہووے

چین پیشانیاں شمشیر علی کی ناہیں
خم ابرو حرم کعبہ کی ہیں محرابیں
حشر برپا ہو جو گھوڑوں کو یہ غازی دابیں
دونوں بن بن کے ہنانے کو نہ کیونکر چاہیں
کون سنتا ہے نسیم سحری کی آواز
ہنہنانے کی صدا ہے کہ پری کی آواز

نرگسی آنکھوں پہ ابرو نہیں جرّاروں کے | ہیں غزالِ ختنی سائے میں تلواروں کے
دیکھو آنکھوں کے ادھر رنگ کو رخساروں کے | پھول سے کھلے ہوئے ہیں سامنے بیماروں کے
لعلِ لب ایسے کہ پریوں کا بھی دل شیدا ہو | صاف دانتوں سے ستاروں کی چمک پیدا ہو
پسرِ سعدِ لعیں فوج سے نکلا ناگاہ | دوڑے ہر صف کے جمانے کو نقیبانِ سیاہ
ہر طرف ڈھالوں کا چھایا ہوا تھا ابرِ سیاہ | کہیں تلواروں کی کثرت سے نہ تھی جائے پناہ
شام کی فوج نے ہر سمت نشاں کھولے تھے | قدر اندازوں نے ترکش کے دہاں کھولے تھے
چوب پڑنے لگی نقارۂ رزمی پہ اُدھر | غیظ میں آئے ادھر رحمتِ جانِ حیدر
بڑھ کے فرمایا کہ اے سعد کے منحوس پسر | سامنے شیروں کے آجنگ کا دعویٰ ہے اگر
ڈر سے گر تو نہیں بڑھتا تو ہمیں آتے ہیں | دیکھ کیونکر ترا سر کاٹ کے لے جاتے ہیں
او لعیں جعفرِ طیار کے پیارے ہم ہیں | جن سے ہے عرش کی رونق وہ ستارے ہم ہیں
مالکِ صبر ہیں گو پیاس کے مارے ہم ہیں | ہمتیں دیکھ کہ دریا کے کنارے ہم ہیں
لب ہلا دیں تو ملک بہرِ سلام آتے ہیں | ابھی کوثر کے چھلکتے ہوئے جام آتے ہیں
چھوٹے بھائی نے صدا دی کہ حضور آپ بڑھیں | صید دب دب کے ہٹا جاتا ہے دور آپ بڑھیں
اپنے لشکر پہ ہے ظالم کو غرور آپ بڑھیں | پھر نہ ہاتھ آئے گا غدّار ضرور آپ بڑھیں
توڑیے بڑھ کے صفیں فوج کی برباد ہو | اس کا سر لائیں تو اماں کو بڑی شادی ہو
سن کے یہ عون نے فرمایا کہ بہتر چلیے | چلیے اے قوتِ بازوئے برادر چلیے
مصلحت خوب ہے یہ پہلے اسی پر چلیے | کیجے رہواروں کو مہمیز برابر چلیے
اپنے گھوڑے بھی وہیں ہوں گے جہاں جائے گا | بچ کے اب شیروں کے پنجے سے کہاں جائے گا
کہہ کے یہ دونوں دلیروں نے دبائے گھوڑے | بن گئے اُڑ کے پریزادوں کے سائے گھوڑے
منھ سے ہاں کہنے کی بھی تاب نہ لائے گھوڑے | قلبِ لشکر میں صفیں پھاند کے آئے گھوڑے
گر گئے خود جفاکار یہ جھپکے ڈر سے | مل گئے نعل کی کیلوں کے ستارے سر سے

کثرتِ فوج میں دونوں کے جو رہوار پھرے
جنگ کو بڑھ کے سوارانِ جفاکار پھرے
تنگ کاوے میں بھی اس طرح وہ جاندار پھرے
جس طرح صفحۂ قرطاس پہ پرکار پھرے
یکہ تازی نہ فقط بہار شکن بھول گئے
چوکڑی آہوئے صحرائے ختن بھول گئے

کیا لکھے وصفِ کمیت قلمِ تیز رقم
نہیں تھمتے کوئی ساعت کوئی لحظہ کوئی دم
وہ سبک پا ہیں کہ غنچوں پہ جو رکھدیں قدم
کھلتی کلیوں کا تبسم نہ زیادہ ہو نہ کم
لاکھ بن بن کے چلے کبک تو کیا چلتی ہے
گھوڑے چلتے ہیں کہ گلشن میں صبا چلتی ہے

نظر آجائے لہو تن کا وہ جلدیں باریک
کہیے ابریشمِ چینی تو ہے تشبیہ رکیک
تازیانہ ہو نسیمِ سحری کی تحریک
سرعتیں خون کے ہمراہ ہیں رگ رگ میں شریک
برچھیوں اُڑ جانے کا جس دم محل آجاتا تھا
اعتقادِ حکما میں خلل آجاتا تھا

منکے گردن کے مہِ نو سے کشادہ سینے
جن سے شرمندہ تھا مہتاب مجلّیٰ آئینے
سینے کیا صبر کی دولت کے وہ تھے گنجینے
پاس دریا تھا نہ لیکن گئے پانی پینے
تیسرے فاقے میں مرنے کو جیئے تھے دونوں
ساتھ حیدر کے نواسوں کا دیئے تھے دونوں

شہسواری کا وہ انداز وہ رانیں باگیں
ران پٹڑی کا وہ جمنا وہ عناں کی لاگیں
وہ سبک دَو کہ کریں صید جو آہو بھاگیں
سوتی آنکھوں میں جو دوڑیں تو مردم جاگیں
لاکھ دو لاکھ پہ بھاری ہیں جو جرار ایسے ہوں
گھوڑے چالاک ہوں ایسے تو سوار ایسے ہوں

شور تھا جھوم کے ان دونوں کا آنا دیکھو
تیر کی طرح کمانداروں پہ جانا دیکھو
غیظ میں تھوتھنیاں سینوں پہ لانا دیکھو
تھم کے غصّے میں دہانے کا چبانا دیکھو
جسم دونوں کے گلِ تر سے کہیں خوشبو ہیں
چوٹیاں بال کی ہیں حور کے یا گیسو ہیں

دیکھو ان کو تو نہ طاؤس کا چلنا دیکھو
جھوم کر تیغوں کے نیچے سے نکلنا دیکھو
کالی آنکھوں کا شجاعت سے اُبلنا دیکھو
دیکھو غصّے میں کنوتی کا بدلنا دیکھو
کٹ ہی جاتی ہیں ہوا جسم کو گر لگتی ہے
ایسی آنکھیں ہوں تو پریوں کی نظر لگتی ہے

پڑ گئی فوج میں ہلچل جدھر آئے دونوں
لٹ گیا نیزوں کا جنگل جدھر آئے دونوں
چھٹ گئے ڈھالوں کے بادل جدھر آئے دونوں
پس گئے سینکڑوں پیدل جدھر آئے دونوں
بجلیاں کوند رہی تھیں سپہِ دشمن میں
سر برستے تھے کہ ساون کی جھڑی تھی رن میں

آستینوں کو جو الٹے ہوئے ہیں کہنیوں تک
زلزلہ دشت میں برپا تھا لرزتے تھے فلک
یاد آتی ہے جو تیغِ شہِ مرداں کی چمک
پر سمیٹے ہوئے گردوں پہ یہ کہتے ہیں ملک
یاد ہے دن پرِ جبریل کے کٹ جانے کا
آج پھر خوف ہے گیتی کے الٹ جانے کا

سر اٹھے تھے نہ ابھی خاک سے پامالوں کے
نیچے بڑھ کے چلے ابر اٹھے ڈھالوں کے
چاک سینے ہوئے ہر صف میں زرہ والوں کے
زخم کیا کھل گئے منہ زخموں کے پرکالوں کے
نیچے آ کے جدھر سن سے نکل جاتے تھے
خوں کا کیا ذکر ہے دم تن سے نکل جاتے تھے

ہاتھ دونوں کے وہ چھوٹے سے وہ پیاری تیغیں
ڈر کے ہاتھوں سے ٹپک دیتے تھے ناری تیغیں
دھار منہ پر جو پڑی ہو گئیں عاری تیغیں
نیچے تھے کہ چمکتی تھیں وہ دو دھاری تیغیں
نہ پرے تھے نہ صفیں لشکرِ کفار کی تھیں
تیزیاں سب اسد اللہ کی تلوار کی تھیں

ان کے لوہے کو نمودار جو ان مانتے تھے
ڈھالیں صد چاک تھیں تلواروں میں دندانے تھے
دوش تک جس کے وہ پہونچے کہ جدا شانے تھے
انگلیاں تھیں نہ کلائی تھی نہ دستانے تھے
خاک میں برچھیوں والوں کے بھی دل ملتے تھے
باغِ زہرا کے قلم کرنے کے پھل ملتے تھے

نہ کسی سنگ پہ وہ رکتی تھی نہ آہن پہ
نیچے سر پہ کبھی تھے تو کبھی گردن پہ
کبھی چار آئینوں پر تھی تو کبھی توسن پہ
کبھی سینے پہ وہ چمکی تو کبھی جوشن پہ
بند ہو جاتی ہیں آنکھیں وہ چمک تھی واروں میں
صاف آوازِ انا البرق تھی تلواروں میں

کھا گئے اُن کے وہ باڑھ اور وہ اُن کی چم چم
چھوڑتی تھی نہ زرہ میں نہ چہرے پہ جھلم
چھپکے چار آئینوں میں صورتِ حرفِ مدغم
یوں نکلتے کہ پھڑک جاتا تھا دشمن کا بھی دم
سایہ پڑ جاتا تھا جس پر اُسے تب آتی تھی
تابش ایسی تھی کہ بجلی بھی تڑپ جاتی تھی

نیچے دونوں مہِ نو سے وہ جو ہر ان کے
جو تھے سر ہنگ کہیں تن تھے کہیں سر ان کے
کس کا منہ تھا کوئی آجائے جو منہ پر ان کے
وار چلتے تھے ہر اک صف میں برابر ان کے
تیغیں بڑھ کر صفِ ہیجا سے جو پھر پڑتی تھیں
ایک سوار پہ دو بجلیاں گر پڑتی تھیں

غول تر بھر ہوئے جس دل میں در آئے وہ دلیر
کبھی اس پر کبھی اُس فوج پر آئے وہ دلیر
الاماں کا ہوا اک غل جدھر آئے وہ دلیر
آئے تلواروں میں جب نہ سپر آئی وہ دلیر
شیر سینوں کو سپر کرتے تھے تلواروں میں
منہ چھپانا بھی بڑا عیب ہے جراروں میں

سن سے چل جاتے تھے جب فوج پہ تلوار کے ہاتھ
چہرے کٹ جاتے تھے دس بیس کے دو چار کے ہاتھ
ہاتھ آئے تھے انھیں حیدرِ کرار کے ہاتھ
ایسے تیار تھے کب جعفرِ طیار کے ہاتھ
یوں سواروں کو اٹھا کر وہ پٹک دیتے ہیں
جس طرح گرد کو دامن سے جھٹک دیتے ہیں

ترکش اعدا کے مع تیر و کماں چھین لیے
ڈانڈ نیزوں کی قلم کر کے سناں چھین لیے
پہلوانوں سے کئی گرزِ گراں چھین لیے
زور دادا کا دکھایا تو نشاں چھین لیے
اوج لشکر کا ہوا پست پھریرے ٹوٹ گئے
بھاگے سردار علمداروں کے جی چھوٹ گئے

بھاگ جانے پہ جو دل فوجِ گراں نے باندھا
کس کے کمروں کو ہر اک پیر و جواں نے باندھا
پشت پر تیروں کو ہر ایک کماں نے باندھا
امن نے کوچ کیا رختِ اماں نے باندھا
کون سے لوہے کی دیوار نہیں سرکی تھی
خوف سے پاؤں کے نیچے کی زمیں سرکی تھی

کیا جگر تھا جو نکل کر کوئی میداں پکڑے
سر نہ ہو تیغ اگر رستمِ دستاں پکڑے
پاؤں گھوڑے کے زمیں نے دمِ جولاں پکڑے
موت نے بھاگنے والوں کے گریباں پکڑے
بیڑے دوڑیں کہ بچیں موت کہاں تھمتی ہے
پاؤں جب اُٹھ گئے پھر فوج کہاں تھمتی ہے

پسرِ سعد کے خیمے پہ چلے تھے اک بار
پہلواں سامنے دوڑ آگئے باندھے ہتھیار
تول کر نیزوں کو ہاتھوں میں پکارے غدار
کدھر آتے ہو بس اب آگے نہ بڑھیو زنہار
بجلیاں تیغیں ہیں نعروں میں صدا رعد کی ہے
ہم نگہباں ہیں یہ ڈیوڑھی پسرِ سعد کی ہے

گرد خیمہ ہیں زرہ پوشوں کے سنگیں پہرے
جن کی تلواروں کے ہیں زخم سناں سے گہرے
خوف سے شیروں کے ہو جاتے ہیں پانی زہرے
جان کیا ہے جو ادھر آ کے پرندہ ٹھہرے
برچھیاں ہیں تبر و تیر ہیں تلواریں ہیں
یہ قناتیں نہیں فولاد کی دیواریں ہیں

بڑھ کے نعرہ کیا چھوٹے نے کہ ہٹتے بھی ہیں شیر
برق چھپ جاتی ہے چمکے جو ہماری شمشیر
رعد کیا روح امیں مانتے ہیں ہم ہیں وہ دلیر
کونسا ہے وہ زبردست جو ہم سے نہیں زیر
خیر کی حق سے دعا پیر و جواں مانگتے ہیں
جن انھیں تیغوں سے جانوں کی اماں مانگتے ہیں

برچھیاں کیا یہ تبر کیا ہیں یہ تلواریں کیا
در خیبر سے بھی ہیں سخت یہ دیواریں کیا
شرم کی بات ہے روباہوں کو للکاریں کیا
تم تو پہلے ہی سے ڈرتے ہو تمھیں ماریں کیا
جھپکیاں سن کے کہیں شیر بھی تھم جاتے ہیں
پسر سعد کا سر لینے کو ہم جاتے ہیں

عون نے بھائی سے فرمایا کہ بس ہیں نہیں ہم
چار ہو جائیں گے اک ضرب میں دونوں اظلم
کب سے تم لڑتے ہو دم لے لو ٹھہر کر کوئی دم
عرض کی اس نے یہ ممکن نہیں خالق کی قسم
روکتے ہیں مجھے لڑنے سے یہ پیار آپ کا ہے
وہ ہیں اک صید مرا ایک شکار آپ کا ہے

والدہ در سے استادہ ہیں پردے کے ادھر
چھوٹے ماموں سے وہ پوچھیں گی لڑائی کی خبر
جب سنیں گی کہ لڑا دو سے فقط ایک پسر
کیا تعجب ہے مجھے دودھ بھی بخشیں نہ اگر
کہیں گی بھائی کی بھائی نے نہ ہمراہی کی
چھوٹے بیٹے نے بڑی جنگ میں کوتاہی کی

کہہ کے یہ دونوں بڑے کاندھوں پہ رکھے بھالے
معرکے میں کہیں رکتے بھی ہیں مرنے والے
گو وہ ہیں کمسن و کم سال یہ بھولے بھالے
جنگ بھالوں کی بھی گویا ہیں یہ دیکھے بھالے
ان میں جو کچھ کہ ہنر ہیں وہ خداداد ہیں سب
جتنی چوٹیں ہیں علی کی وہ انھیں یاد ہیں سب

نہیں ان دونوں کو تعلیم کی حاجت زنہار
شیر کے بچوں کو بھی کوئی سکھاتا ہے شکار
نیزہ بازی تو ہے کھیل ان کا یہ ہیں وہ جرار
جن کو اللہ نے خود عرش سے بھیجی تلوار
کیا عجب چھین کے نیزے کو جو صفدر توڑیں
جن کے نانا اسد حق در خیبر توڑیں

دونوں سفاک ہلانے لگے بھالے بڑھ کر
دل بڑھانے لگے سب برچھیوں والے بڑھ کر
آگئے گرد سواروں کے رسالے بڑھ کر
نیزے زنبورکے بھی پیادوں نے سنبھالے بڑھ کر
غل تھا عون اٹھنے سے گردوں پہ شفق پھولے گی
جو بچے گا یہ لڑائی نہ اسے بھولے گی

چوٹیں دہنے لگیں کھلنے لگے نیزوں کے بند
آسماں نے کیا دونوں پہ ستاروں کو سپند
بجلیاں کوندتی تھیں پھرتے تھے اس طرح سمند
پڑھنے دیتے تھے نہ دونوں کو علی کے فرزند
ہوش گم ہوگئے تھے بن گئی تھی جانوں پر
ڈانڈیں پڑتی تھیں کبھی سر پہ کبھی شانوں پر

پہلوانوں نے بہت وار کیے ہٹ ہٹ کے
دونوں شیروں نے جواب ان کو دیئے ڈٹ ڈٹ کے
تھام کر بھالوں کو نوکیں جو دیئے دو جھٹکے
چھین کر خاک پہ ان دونوں کے نیزے پٹکے
پست ناری ہوئے یہ خاک سے آواز آئی
احسن اللہ کی افلاک سے آواز آئی

نظر آئیں جو سنانیں کہیں اور ڈانڈ کہیں
ہٹکے قبضوں میں کمانیں ستم ایجادوں نے لیں
جوڑ کر تیروں کو چلّوں میں پکارے وہ لعیں
ہیں یہ پیغام قضا اے دل و جان شہِ دیں
خیر نیزے تو گئے ہاتھ سے جانبازی میں
کوئی ہمسر نہیں اپنا قدر اندازی میں

چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی نے دیکھا ہنس کر
عرض کی اس نے اجل بول رہی ہے سر پر
نیمچے لیجیے ادھر آپ کھڑے ہوں ہم اُدھر
تیر جو آئے قلم کیجیے بے خوف و خطر
دم میں ہونٹوں پہ ستمگاروں کی جانیں ہونگی
تیر بے پر ہوں گے نہ چلتے نہ کمانیں ہونگی

جانب عون جو سرکش نے کیا تیر کو سر
چھوٹے بھائی نے قلم کر دیا اس کو بڑھ کر
کیا چھوٹے کی طرف تیر نے جس وقت گزر
عون کی تیغ سے تھا نصف ادھر نصف اُدھر
تیر کٹ کٹ کے ادھر اور اُدھر گرتے تھے
گھوڑے شہزادوں کے بجلی کی طرح پھرتے تھے

دونوں ترکش ہوئے خالی تو پکارے وہ واہ
نیزہ بازی تو وہ اور یہ قدر اندازی واہ
ان کمانوں کی خطا کیا یہ ہمارا ہے گناہ
انہیں تنکوں پہ تمہیں ناز تھا سبحان اللہ
نیمچے وہ ہیں کہ فولاد کو کھا جاتے ہیں
شیر ان آنکھوں سے آنکھوں کو چرا جاتے ہیں

یہ گماں تھا کہ ہے دو ٹانگ کی ایک ایک کماں
ورہیں لاکھوں پہ غلامانِ شہنشاہِ زماں
گر خدا چاہے تو ہر جنگ بھی سرسری ہے
ہم جگر گوشۂ حیدر ہیں غیور ابنِ غیور
تم ہو بدکیش و خطاکار جہاں میں مشہور
تم سے لڑلیں تو پھر اس فوج پہ جانا ہے ہمیں
سن کے یہ دونوں شریروں نے علم کیں تیغیں
کبھی سیدھا انھیں دیکھا کبھی خم کیں تیغیں
یاں سے دو تین شب ور و کے پیاسے بھی بڑھے
اے زباں جوہرِ تیغِ شہِ مرداں دکھلا
اے قلم غازیوں کے حرب کا میدان دکھلا
تھم کے چلتی نہیں تلوار جہاں چلتی ہے
سن سے تلواروں کے چلنے کی صدا آجائے
سامنے معرکۂ دشتِ بلا آ جائے
ابر ڈھالوں کا وہ کالا وہ چمک دھاروں کی
یا علی اور طبیعت کو روانی دیجے
دمِ اوصافِ زباں سیف زبانی دیجے
دفترِ رزم کو خونریز رسالا کردوں
عمرو و انتر ہیں اُدھر حیدر و جعفر ہیں ادھر
خار سر کھینچے ہیں اُس سمت گلِ تر ہیں ادھر
رعب یہ ہیں کہ لہو جسم کے گھٹ جاتے ہیں

نہیں ملنے کی انھیں تیر سے پہلو سے اماں
کریں اک وار تو دو ہوکے گرے پیلِ دماں
زیست جب تک ہے یونہیں معرکہ سر ہوتی ہے
سہمگیں کیوں ہو کمانوں سے ہے فہم و شعور
کھینچو تیغیں کہ شجاعوں کا یہی ہے دستور
سرِ سرکردۂ لشکر ابھی لانا ہے ہمیں
برق شرما گئی یوں دھوپ میں چمکی تیغیں
آنکھ خورشید نے جھپکائی یہ دمکی تیغیں
نیمچے تول کے حیدر کے نواسے بھی بڑھے
جنگِ خیبر میں جو گزرا ہے وہ ساماں دکھلا
جلد دشمن کو فراقِ جسد و جاں دکھلا
غل ہو مجلس میں کہ تیغِ دو زباں چلتی ہے
جس سے سر اڑتے ہیں تیغ سے وہ ہوا آجائے
جو بہادر ہیں انھیں جوشِ وغا آجائے
بجلیاں آنکھوں میں چھپنے لگیں تلواروں کی
محوِ دشمن بھی ہوں وہ سحر بیانی دیجے
دستِ مداح میں تیغِ صفہانی دیجے
آپ حامی ہوں تو فوجیں تہ و بالا کردوں
اُس طرف دیو سیہ دو مہ انور ہیں ادھر
سامنے گرگ ہیں دو شیرِ دلاور ہیں ادھر
جب یہ بڑھتے ہیں تو وہ کانپ کے ہٹ جاتے ہیں

پے عصمتِ آلِ نبی

طبلِ رومی پہ لگی چوب کھلے سرخ نشاں
غل وہاں کا تھا کہ اللہ و محمد کی اماں
بڑھ کے کڑکیت صدا دیتے ہیں ہاں شیرو ہاں
نام کا دن ہے یہی گو یہی ہے میداں
دونوں ہیں شیرِ درندہ نہ لپٹ کر لڑنا
ان کے پنجوں میں نہ آجائیو ہٹ کر لڑنا

لو گئے برق سے شہزادوں کے رہوار اُدھر
لو بس اب گرم ہوا موت کا بازار اُدھر
لو گریں بجلیاں دو تیغوں کے اک بار اُدھر
لو پرے ہٹ گئے چلنے لگی تلوار اُدھر
کوہ تھرّا رہے ہیں ظلم کا بن ہلتا ہے
نعرۂ یا اسد اللہ سے رن ہلتا ہے

کوششیں دونوں طرف ہوتی ہیں کد ہوتی ہے
جب یہ بڑھتے ہیں تو حیدر کی مدد ہوتی ہے
سچ ہے جراروں پہ تائید احد ہوتی ہے
ضرب جو ڈھالوں پہ پڑتی ہے وہ رد ہوتی ہے
سرخ ہے خون سے منہ چھوٹی سی شمشیروں کا
وار خالی نہیں جاتا ہے کوئی شیروں کا

گرد جھرمٹ ہوئے ہیں فوج کے سالاروں کے
غول ہیں تیر کے چلے پہ کمانداروں کے
ان کے ہر وار پہ دل ہلتے ہیں جراروں کے
چار ہالے سے نظر آتے ہیں تلواروں کے
گرد سے شام کے آثار نظر آتے ہیں
نہ تو اسوار نہ رہوار نظر آتے ہیں

بھائی سے بھائی یہ کہتا ہے کہ قرباں بھائی
بڑھ گئے اک وار سے اک وار چلے ہاں بھائی
عرض کرتا تھا وہ خالق ہے نگہباں بھائی
لے لیا شاہ کے اقبال سے میداں بھائی
دم میں گر پڑتی ہیں پرّے کی جو دیواریں ہیں
پسرِ سعد ہے اب اور یہ تلواریں ہیں

بجلیاں گرتی ہیں کس طرح ستم گر روکیں
پرزے ڈھالوں کے ہیں تیغیں جو سپر پر روکیں
جن کی ضربت کو نہ جبریل کے شہپر روکیں
اُن کی تلواروں کو روکیں تو وہ کیونکر روکیں
رن میں تیغ شہِ مرداں نے پرے توڑے ہیں
جوہر حسب پہ کھلیں یہ وہ ہنر جوڑے ہیں

شیر سے بڑھتے ہیں جب یہ تو سمٹتے ہیں وہ سگ
تھرتھراتے ہیں لرزتے ہیں دبکتے ہیں وہ سگ
ساتھ والوں کو عجب یاس سے تکتے ہیں وہ سگ
نیچے ان کے جب آتے ہیں جھجکتے ہیں وہ سگ
موت گردن پہ ہے کیا ہوگا جو منہ موڑتے ہیں
صید کو شیر کے بچے بھی کہیں چھوڑتے ہیں

سینے تانے ہوئے جب بڑھتے ہیں وہ غیرتِ ماہ
فوجِ دشمن سے صدا آتی ہے ماشاء اللہ
نظرِ غیظ وہ آفت ہے کہ خالق کی پناہ
چشمِ بد بیں میں سناں بن کے در آتی ہے نگاہ
قل تھا شق القمر اعجاز وہ کمال ان کا ہے
کور ہو جاتا ہے دشمن وہ جلال ان کا ہے

ہاں خبردار یہ کہہ کر جو وہ صفدر آئے
ملک الموت بھی کھولے ہوئے شہپر آئے
پہنچے دونوں کے آئے تو برابر آئے
تن رہے گھوڑوں پہ سر کٹ کے زمیں پر آئے
ایک اک ضرب میں طے مرحلۂ جنگ کیا
دوسرے وار میں گھوڑے کو بھی چورنگ کیا

لپکے جب تیغِ اجل مرگ کا پیغام آئی
دوستنا دوڑے نہ مدد کو سپہ شام آئی
نہیں بچتی کبھی ماہی جو تہِ دام آئی
ہاتھ دستانوں نے پکڑے نہ زرہ کام آئی
ڈر کے باگوں کو اُدھر فوجِ ستم نے روکا
موت کو خود نے روکا نہ جھلم نے روکا

کہہ کے تکبیر سوئے فوج جو وہ ماہ بڑھے
جوش میں آ کے علمدارِ فلک جاہ بڑھے
لڑکھڑاتے ہوئے مقتل کی طرف شاہ بڑھے
قاسمِ ابنِ حسن آپ کے ہمراہ بڑھے
ابر سے شام کے مینہ تیروں کا پڑتے دیکھا
دونوں بچوں کو زرہ پوشوں سے لڑتے دیکھا

بیٹھی تھیں زینبِ ناشاد جو پردے کے اُدھر
علی اکبر نے انھیں آ کے یہ دی تھی خبر
کیا لڑے ہیں پسرِ شاہ سے حضرت کے پسر
دیکھیے کشتوں کے پشتے ہیں وہ لاشے ہیں وہ سر
تیغیں جب چلتی ہیں سر خاک پہ گر پڑتے ہیں
شور ہے خیبریوں میں کہ علی لڑتے ہیں

پہلواں جنگ کو دو نکلے تھے عفریت خصال
آپ کے پیاروں نے دکھلا دیا حیدر کا جلال
دونوں شیروں نے کیے وار جو ہنگامِ جدال
دھڑ سے سر کٹ کے گرے بولے کہ ہلا دشتِ قتال
خوں نے بہہ بہہ کے تلاطم لبِ جو دکھلایا
تیغوں پر کہیں دھبا نہ لہو کا آیا

یہ سخن سن کے رخِ پاک پہ سرخی آئی
اشک ٹپکا کے کہا ان پہ گئے کیوں بھائی
صدقے اس شفقت و الطاف پہ اماں جائی
دھوپ میں پیاس میں تکلیف عبث فرمائی
وہ خداوند ہیں آقا ہیں امام اُن کے ہیں
ہم ہیں لونڈی مرے فرزند غلام اُن کے ہیں

بیبیاں صحن میں روتی تھیں جو کھولے ہوئے سر
بولی یہ اُن کی طرف دیکھ کے شہ کی خواہر
ابھی لڑتے ہیں ہزاروں سے مرے نورِ نظر
شور برپا ہے اماں مانگتے ہیں بانیِ شر
چاند سے کاندھوں پہ چھوٹے ہوئے شملے دیکھو
آؤ لوگو مرے فرزندوں کے حملے دیکھو

جنگ ہے اب پسرِ سعد کی خیمے کے قریں
نہیں معلوم کہاں جاکے چھپا ہے وہ لعیں
دل کو تھامے ہوئے دوڑے گئے ہیں سرورِ دیں
پاس ماموں ہیں مدد پر انھیں درکار نہیں
مل گیا گر تو صفیں فوج کی توڑیں گے وہ
پسرِ سعد کا سر تن پہ نہ چھوڑیں گے وہ

سب نے رو رو کے کہا کہنا ہے کیا دونوں کا واہ
آپ سی ماں ہوں تو ایسے ہوں پسر غیرتِ ماہ
جنگ اس عمر میں لاکھوں سے یہ عزت و جاہ
دن وہ اللہ دکھائے کہ رچے دونوں کا بیاہ
سہرے باندھے ہوئے گھوڑوں پہ وہ ذیشان چڑھیں
سایۂ شاہِ فلک جاہ میں پروان چڑھیں

سر کو نہوڑا کے کہا حضرتِ زینبؑ نے کہ ہاں
یہی شادی ہے کہ بچ جائیں امامِ دو جہاں
دونوں معصوم کہاں فوج کا انبوہ کہاں
بیکس و بے وطن و فاقہ کش و تشنہ دہاں
ہاں صغیروں کو بھی اللہ ظفر دیتا ہے
پر مرا دل مجھے ماتم کی خبر دیتا ہے

جب سے وہ لڑتے ہیں ماں کی یہ آتی ہے صدا
پیاری بیٹی کا مرے لٹتا ہے گھر واویلا
گوشۂ قبر کو اب چھوڑیے یا شیرِ خدا
بیکسوں پر یہ تمھاری ہے مصیبت یہ جفا
گھر گئے فوج میں دو روز کے پیاسے میرے
ہائے معصوم مرے ہائے نواسے میرے

ذکر یہ تھا کہ اُدھر بجنے لگا طبلِ ظفر
گر پڑی بنتِ علی تھام کے ہاتھوں سے جگر
بڑھ کے میداں سے یہ عباسؑ نے دی شہ کو خبر
چلیے گھوڑوں سے گرے حضرتِ زینبؑ کے پسر
ہم جئیں ہائے غضب اور وہ خوش اقبال نہ ہوں
فوج اُمڈ آئی ہے لاشے کہیں پامال نہ ہوں

کوٹ کر ہاتھوں سے چھاتی شہِ بے پر دوڑے
کہیں بسمل سے گرے اور کہیں اُٹھ کر دوڑے
تیغ تولے ہوئے عباسؑ دلاور دوڑے
چھوڑ کر خیمے کا پردا علی اکبر دوڑے
گرد لاشوں کے جو پہنچے یوں وہ جفا جو بھاگے
جس طرح شیر کی بو سونگھ کے آہو بھاگے

شہ نے ریتی پہ تڑپتے ہوئے پائے لاشے
بڑھ کے عباسِ دلاور نے اٹھائے لاشے
گود میں خیمے کی ڈیوڑھی پہ جو لائے لاشے
فضّہ چلائی کہ سیدانیو آئے لاشے
نہ ابھی خاکِ عزا بالوں پہ ڈالو لوگو
مل کے سب حضرتِ زینب کو سنبھالو لوگو

کہا زینبؓ نے جو سب اٹھ کے لگے پیٹنے سر
ابھی ہے ہے نہ کرو صاحبو ٹھہرو دم بھر
شادیاں ہو چکیں پروان چڑھے میرے پسر
کوئی دیکھو کہ محافے دلہنوں کے ہیں کدھر
دولہ والوں کی صدا ز برقات آتی ہے
ہیں یہ لاشے مرے بچوں کی برات آتی ہے

ماتمی صف پہ جو لاشوں کو لٹایا لاکر
حشر برپا کیا بیبیوں نے پچھاڑیں کھاکر
ہاتھ بانو نے جو سینوں پہ رکھے گھبراکر
شاہ کہنے لگے آنکھوں سے لہو برساکر
غش تھے جب فوج سے لیکر انھیں ہم نکلے ہیں
ابھی دونوں کے مری گود میں دم نکلے ہیں

موت بچپن میں گلو گیر ہوئی ہائے غضب
خانہ بربادیٔ ہمشیر ہوئی ہائے غضب
ان کے بچنے کی نہ تدبیر ہوئی ہائے غضب
یوں تلف دولتِ شبیر ہوئی ہائے غضب
پہلے نیزے پہ سوئے شام مرا سر جاتا
جیتے پہ کاش حسین ابنِ علی مر جاتا

پوچھا بانو نے کہ مرتے ہوئے کی تھی کوئی بات
ماں کے عاشق تھے یہ دونوں پسرِ نیک صفات
رو کے فرمانے لگے شاہ رفیع الدرجات
نزع میں بھی یہی کہتے تھے تڑپ کر ہیہات
تیر پہلو سے کلیجوں سے سنانیں نکلیں
ہائے اماں کے نہ آغوش میں جانیں نکلیں

متصل ہچکیاں آتی تھیں کہ مشکل تھا کلام
جوڑ کر ہاتھ کہا مجھ سے کہ یا شاہِ انام
دیجے گا ماں کو یہ ہم دونوں کی جانب سے پیام
آپ کا حکم جو کچھ تھا وہ بجا لائے غلام
تشنگی بھی ہے جراحت بھی ہے کاری اماں
دودھ بخشو تو بجھے پیاس ہماری اماں

ہم کو درپیش ہے اماں وہ مصیبت کا سفر
جس میں ہر گام پہ سو طرح کا ہے خوف و خطر
نہ خط آتا ہے جہاں سے نہ پہونچتی ہے خبر
کس کو معلوم ہے منزل ہے کدھر راہ کدھر
دم لحد کی شبِ تاریک میں گھٹ جائے گا
قبر میں بھائیوں کا ساتھ بھی چھٹ جائے گا

سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھیں جو چپ خواہرِ شاہ
شور والا کا بیاں سُن کے ہوا حال تباہ
بے قراری ہیں جو کی بیٹوں کے لاشوں پہ نگاہ
منہ سے نکلا یہ غش آنے ہیں کہ انا للہ
چھیدا آہوں نے جگر تیر سہ پہلو ہو کر
خونِ دل بہنے لگا آنکھوں سے آنسو ہو کر

لیکے لاشوں کی بلائیں یہ پکاری زینبؑ
کیسی غفلت ہے یہ اس نیند کے واری زینبؑ
دیکھے کن آنکھوں سے یہ شکل بچاری زینبؑ
چونک اُٹھو نہ کرے گر یہ و زاری زینبؑ
جس پہ چل جائیں یہ چھریاں وہ بھلا کیا سنبھلے
کروٹیں لے لو تو اماں کا کلیجا سنبھلے

بس بہت سو چکے، اے گیسوؤں والو اُٹھو
اُٹھو اب اے مرے دُکھ درد کے پالو اُٹھو
غش پہ غش آتے ہیں اماں کو سنبھالو اُٹھو
آنکھیں ہاتھوں سے ملو نیند کو ٹالو اُٹھو
طبل بجتے ہیں اُدھر فوج کا غل ہوتا ہے
واری اماں کوئی یوں جاگ کے دن سوتا ہے

شب کو میں کہتی تھی جب سو رہو دم بھر للہ
تم یہ کہتے تھے کہ آنکھوں میں زمانہ ہے سیاہ
جاگتے ہیں شہ دیں سو رہیں ہم اماں واہ
کیسی یہ بے خبری ہے کہ خبر کچھ نہیں آہ
سرد ہیں تن حرکت میرے حسینوں میں نہیں
ہے غضب آہ و شد و مد کی بھی سینوں میں نہیں

للہ الحمد کہ قربان ہوئے ماموں پر
گل ہیں یہ زخم ہیں یا نخلِ قدِ موزوں پر
صدقے ماں دونوں شہیدوں کے رخِ پرخوں پہ
ہائے تیروں کے یہ سوراخ تنِ گلگوں پر
وہی جانے کہ جو ماں بیٹوں سے چھٹ جاتی ہے
خوں کے قطروں سے مرے دودھ کی بو آتی ہے

دودھ ماں بخشے یہ ماموں سے کہا تھا پیارو
میں بھی قربان مرا دودھ بھی اے غمخوارو
اب بچھڑ جاؤ گے مادر سے مرے دلدارو
ساتھ لے لو مجھے اے صف شکنو جرّارو
نخلِ ماتم ہیں یہ شاخِ تر و تازہ نکلے
ساتھ دو بیٹوں کے اماں کا جنازہ نکلے

موت کی سر سے بلائیں نہ ہوئیں داہی ہے
خاک پر سوؤ گے اب چھوٹ کے مسند ہی ہے
تم کہاں اور وہ تاریکی مرقد ہی ہے
کیا غضب ہو گیا اے عونؑ و محمدؑ ہی ہے
گھر سے نکلوں گی جو پہلو میں نہ ہو گے بچو
رات کو کونسی بستی میں رہو گے بچو

ہائے پہلا یہ سفر خوف کا اور تنہائی
دھیان رکھنا کہیں چھٹ جائے نہ چھوٹا بھائی
کیا ہوا اس پہ حقیقت نہ کسی نے پائی
نہ پھرا کوئی مسافر نہ خبر کچھ آئی
قافلہ سے جو بھٹک جائے تو لُٹ جاتا ہے
راہ میں ساتھ تن و روح کا چھٹ جاتا ہے

بارک اللہ لڑے خوب عجب کام کئے
واہ ان چھوٹی سی عمروں میں بڑے نام کیے
طاقتیں گھٹ گئیں فاقے سحر و شام کیے
بخششِ اُمت عاصی کے سرانجام کیے
نیک بیٹے ہوں تو نام اب و جد کرتے ہیں
ہاں بہادر یوہیں آقا کی مدد کرتے ہیں

کس مصیبت میں پھنسے اے مرے پیارے بچو
کیسی غربت ہے میں قربان تمہارے بچو
دونوں ان لاشوں پہ کوئی مجھے وارے بچو
دس برس بعد مرے گھر سے سدھارے بچو
عوضِ غسل یہاں خاک میں تن ملتا ہے
قبر ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

دھوپ میں جلتے ہیں مسلم کے یتیموں کے بدن
ریت تربت ہے تو اس دشت کا داماں ہے کفن
لُٹ گیا حیدر و زہرا و محمد کا چمن
ہائے درپیش ہے تم کو بھی یہی رنج و محن
کبھی کھیلے بھی تو گھر میں مرے کھیلے ہوں گے
واری ماں رات کو جنگل میں اکیلے ہوں گے

چرخ نے کیا یہ مصیبت مرے سر پر ڈالی
موت نے کر دیے ہے ہے مرے پہلو خالی
ہائے یہ دشتِ پرآشوب یہ راتیں کالی
پاس ہوگی نہ یہ ماں پاؤں دبانے والی
مرنے والو تمہیں کاہے کو خبر ہووے گی
پیٹنے رونے میں اماں کی سحر ہووے گی

یوہیں بن بیاہے وطن میں تم اگر مر جاتے
جو زن و مرد ہیں پُرسے کے لیے سب آتے
تربتیں مرقدِ زہرا کے برابر پاتے
سہرے تابوت پہ خود سبطِ نبی بندھواتے
آہ و فریاد سے ہنگامۂ محشر ہوتا
ننگے سر باپ جنازے کے برابر ہوتا

تم نہ روئے مجھے اماں تمہیں روتی ہے ہے
یہ چھُری کس نے کلیجے میں چبھوئی ہے ہے
تم نہیں جاگتے قسمت مری سوئی ہے ہے
اب ہمارا نہ رہا خلق میں کوئی ہے ہے
کس کے اب ننھے سے ہاتھوں سے کفن پاؤں گی
قبر میں کون اُتارے گا جو مر جاؤں گی

دن کو میں دن کبھی سمجھی نہ کبھی رات کو رات — انھیں دونوں کی پرستاری میں گئی ری اوقات
سوتے ہیں ایک بچھونے پہ جو یہ نیک صفات — میں نے منھ ان کی طرف سے نہیں پھیرا ہیہات
دھیان تھا رنج و الم خواب میں یا بین نہوں — کبھی کروٹ نہیں بدلی کہ یہ بے چین نہوں

اے لوگو مرے عاشق تھے مرے رشکِ قمر — روتے تھے یہ تو میں کرتی تھی خوشامد دن بھر
شب کو منھ پھیرتی تھی ان کی طرف سے میں اگر — ہوتے تھے نیند میں بے چین مرے نورِ نظر
کہتے تھے آنکھ جھپک کر ابھی کھل جائے گی — موںھ ادھر کر لو تو اماں ہمیں نیند آئے گی

کہہ کے یہ لاشوں سے لپٹی جو وہ آوارہ وطن — گر پڑے ایک دلِ زار پہ دو کوہِ محن
اُٹھ کے بانو نے یہ کی عرض کہ اے شاہِ زمن — لاشے اُٹھوائیے مرجائے گی ناشاد دلہن
ہائے صدمہ ہے یہ اولاد کے مرجانے کا — خوف ہے منھ سے کلیجے کے نکل آنے کا

آئے لاشوں کے اُٹھانے کو جو شاہِ دوسرا — جوڑ کر ہاتھوں کو یہ حضرتِ زینب نے کہا
پھیرے سر پہ جو پُرانی ہے یہ زہرا کی ردا — دو کفن اس کے یہ نادار بہن تم پہ فدا
خانہ داروں کو پس از مرگ بھی خرسند کرو — اسی چادر میں انھیں خاک کا پیوند کرو

رُباعی

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں — توفیقِ رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیسؔ — کیوں رُک گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں

رُباعی

غفلت میں نہ عمر کو بسر کر — انجام پہ اک ذرا نظر کر
اس طولِ امل سے فائدہ کیا — کل کوچ ہے قصہ مختصر کر

مرثیہ (۲۹)

یہ شاید خلیق کا مرثیہ ہو ایک معتبر بستہ میں یہ مرثیہ میں نے دیکھا انیس کی جگہ مقطع میں تخلص خلیق کا تھا مگر
نول کشوری ایڈیشن جلد اول میں یہ مرثیہ انیس کے نام سے شایع ہوا ہے۔ ع۔ح (مولف)

شیریں سخنی ختم تھی ہمشکل نبیؐ پر
غنچہ دہنی ختم تھی ہمشکل نبیؐ پر
گل پیرہنی ختم تھی ہمشکلِ نبیؐ پر
نازک بدنی ختم تھی ہمشکلِ نبیؐ پر
آغوش میں خورشید امامت کے پلے تھے
سب عضوِ بدن نور کے سانچے میں ڈھلے تھے

تھا رشکِ مہِ چاردہم حُسن کا پرتو
نہ طور میں یہ نور نہ خورشید میں یہ ضو
تھیں ایک سراپا میں بھری خوبیاں سو سو
کٹتا تھا ترا شے ہوئے ناخن سے مہِ نو
اِس حسن پہ نہ مہر کو نہ ماہ کو دیکھا
دیکھا جو اُسے قدرتِ اللہ کو دیکھا

تھا فخرِ حسینانِ جہاں یوسفِ شبیر
صانع نے بنائی تھی فقط نور کی تصویر
کیا خلقِ حسن رکھتا تھا وہ صاحبِ توقیر
جھڑتے تھے عجب پھول دہن سے وقتِ تقریر
آواز سے جاں آتی تھی مردوں کے بدن میں
اعجازِ مسیحائی تھا ایک ایک سخن میں

آئینہ رُخ آئینہ روئے محمدؐ
اور گیسوؤں میں نکہت گیسوئے محمدؐ
اجلالِ علی خلقِ حسن خوئے محمدؐ
آتی تھی تنِ پاک سے خوشبوئے محمدؐ
تنہا تھا نہ حسنِ شہِ لولاک کا جلوہ
اس نور میں تھا پنجتنِ پاک کا جلوہ

تھا صورتِ محبوبِ خدا خلق میں ممتاز
قامت وہی موزوں وہی رفتار کا انداز
لہجہ بھی وہی اور وہی لب اور وہی آواز
تقریر وہ تقریر کہ ہو شبہ اعجاز
عالم کو یقیں سیدِ لولاک کا ہوتا
سایہ جو زمیں پر تنِ پاک کا ہوتا

گردن وہ کہ آئینۂ مہتاب سے شفاف — شانے وہ کہ دشوار ہے جن شانوں کا اوصاف
ہاتھ ایسے کہ آنکھوں پہ رکھیں صاحبِ انصاف — سینہ تھا کہ اک تختۂ بلور تھا تا ناف
یہ شور سدا رہتا تھا مشتاقوں کی صف میں — ہو موئے کمر بال ہے یا دُر نجف میں

قد غیرتِ شمشاد ہے رخ رشکِ چمن ہے — غنچہ ہے جہاں سر پہ گریبانِ دہن ہے
گویا ثمرِ نخل بدن سیبِ ذقن ہے — اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
کس شے میں ہے خوشبوئے رخ و کاکل سے زیادہ — وہ گل سے زیادہ ہے یہ سنبل سے زیادہ

جب گھر سے نکلتا تھا وہ شبیر کا دلدار — ہو جاتی تھی ایک ایک گلی مصر کا بازار
روز آتے تھے کوسوں سے زیارت کے طلبگار — ایک ایک سے آپس میں یہی کرتا تھا گفتار
جس نے کہ دیکھا ہو جوانی میں نبی کو — وہ دیکھ لے ہمشکلِ رسولِ عربی کو

جس روز سے پیدا ہوا وہ گیسوؤں والا — مادر کی طرح باپ نے آغوش میں پالا
فرماتے تھے منہ چوم کے ہر دم شہِ والا — ہمشکلِ پیمبر ہے مرے گھر کا اُجالا
کیونکر نہ فدا ہوں کہ یہ سایا ہے نبی کا — اس ماہ نے دیدار دکھایا ہے نبی کا

اوجھل کبھی آنکھوں سے نہ کرتے تھے پسر کو — اکبر ہی کا منہ دیکھ کے اُٹھتے تھے سحر کو
تسلیم کو جھکتا تھا وہ نہوڑا کے جو سر کو — کہتے تھے لگا چھاتی سے اس رشکِ قمر کو
اس چہرے کے اس زلفِ گرہ گیر کے صدقے — فرزندِ پیمبر تری تصویر کے صدقے

اکبر کو بھی تھا باپ سے اک عشق کا عالم — بے سبطِ نبی چین نہ آتا تھا کوئی دم
یہ عرض بھی جاتے جو کہیں سیدِ اکرم — یا شاہ ٹھہر جاؤ تو ہمراہ چلیں ہم
خوفِ نظرِ بد سے نہ لے جاتے تھے حضرت — چھپ کر علی اکبر سے چلے جاتے تھے حضرت

اُٹھتے جو نمازِ سحری پڑھنے کو سرور — اُٹھ بیٹھتے تھے ساتھ پدر کے علی اکبر
جاتے جو سوئے روضۂ پرنورِ پیمبر — پکڑے ہوئے انگلی پہ چلے جاتے تھے باہر
سب کہتے تھے شانِ قمر و مہر کو دیکھو — لو دن کو قرآنِ قمر و مہر کو دیکھو

عمامہ وہ چھوٹا سا وہ گیسو وہ رخِ پاک
چھوٹی سی عبا نور کا تن نور کی پوشاک
دیکھے سے جسے ہوئے قمر مثلِ کتاں چاک
تکمے سے گریبان کے خجل اخترِ افلاک
اک اوس سی پڑ جاتی تھی گلہائے چمن پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ اسی تن پر

فرزند سے مادر کی محبت تو ہے مشہور
بانو نے کبھی آنکھ سے اک پل نہ کیا دور
زینت وہی گھر کی تھی وہی آنکھوں کا تھا نور
ماں کو وہی منظور تھا جو باپ کو منظور
خوش دیکھ کے چھاتی سے لگا لیتی تھی بانو
روتا تھا جو فرزند تو رو دیتی تھی بانو

زلف و رُخِ اکبر پہ نظر تھی سحر و شام
اُس لال کی خدمت کے سوا اور نہ تھا کام
بانو کے تنِ پاک کی جاں تھا وہ گل اندام
ماں رہتی تھی بیدار پسر کرتا تھا آرام
نظروں سے چھپے گر نہ رہی جان بدن میں
جب آگئے باہر سے تو جاں آگئی تن میں

کنگھا نہ کیا زلفوں میں سر زانو پہ دھر کے
سرمہ کبھی آنکھوں میں دیا نورِ نظر کے
منہ رکھتی تھی منہ پر کبھی اُس رشکِ قمر کے
پروانہ سی پھرتی تھی کبھی گرد پسر کے
بوسے تنِ ہمشکلِ نبی بھاتی تھی اُس کو
منہ رکھتی تھی سینے پہ تو نیند آتی تھی اُس کو

بے دل نہ ہوا اکبر یہی رہتا تھا اُسے دھیان
جب کہتے یہ اماں تو وہ کہتی تھی میں قربان
پہلے ہی مہیا کیا تھا بیاہ کا سامان
کہتی تھی وہ جب بیبیاں کچھ آتی تھیں مہمان
ٹھہراؤ کہیں بیاہ مرے رشکِ چمن کا
سہرا ہے یہ اکبر کا یہ جوڑا ہے دُلھن کا

کیوں صاحبو بیٹا ہے مرا چودھویں کا ماہ
وہ دن ہو کہ اللہ بنائے اُسے نوشاہ
اب نامِ خدا بیاہ کے قابل ہے یہ ذیجاہ
جیسا ہے یہ ایسی ہی دُلھن دے اسے اللہ
جلدی کہیں حاصل مری اُمید ہو یارب
اس گھر میں قِران مہ و خورشید ہو یارب

یہ نذر ہے جس روز دُلھن بیاہ کے لاؤں
مرقد پہ محمدؐ کے میں لیکر اُسے جاؤں
اور گرد دُلھن دولھا کو روضے کے پھراؤں
پھر گھر میں بڑی دھوم سے لیکر اُسے آؤں
ہو ساتھ سواری کے ہجوم اہلِ وطن کا
آگے میں ہوں اور پیچھے محافہ ہو دُلھن کا

سنتے تھے جو یہ بانوئے آفاق کی تقریر　　منہ پھیر کے رو دیتے تھے تب حضرت شبیر
رونے کا سبب پوچھتی گر آن کے ہمشیر　　فرماتے تھے جو چاہے کرے مالکِ تقدیر
بہتر ہے جو اللہ کو منظورِ نظر ہے　　غم ہوگا کہ شادی کسے قسمت کی خبر ہے

زینب کی محبت سے تو ماہر ہے خدائی　　بلبل نے تو یہ گل کی محبت نہیں پائی
سب دولت و حشمت علی اکبر پہ لٹائی　　دم بھر نہ گوارا تھی بھتیجے کی جدائی
بیٹوں کو تو بھائی کی غلامی میں دیا تھا　　فرزندی میں ہمشکلِ نبیؐ کو لیا تھا

کہتی تھی ہر اک سے کہ خوشا میرے مقدر　　ماں فاطمہ زہرا ہے پدر ساقیِ کوثر
شبیر سا دنیا میں ملا ہم کو برادر　　بیٹا بھی دیا حق نے تو ہمشکلِ پیمبر
قایم رہے یہ گیسوؤں والا مرے گھر میں　　ہے نورِ محمدؐ سے اجالا مرے گھر میں

چھاتی سے لگاتی تھی جو اکبر کو بلا کر　　حیرت سے پسر دیکھتے تھے جانبِ مادر
فرماتی تھی عاشق ہوں تمہاری بھی مقرر　　پر سچ کہوں پیارے نہیں اکبر کے برابر
بیٹا مرا ہمشکلِ رسولِ دوسرا ہے　　تم ہو تو کفِ خاک ہو یہ نورِ خدا ہے

ہر چند نہیں تم میں کچھ اور ان میں جدائی　　صدقے گئی پر تم نے یہ دولت نہیں پائی
شہزادۂ عالم انھیں کہتی ہے خدائی　　آقا کے تو آقا ہیں یہ اور بھائی کے بھائی
خادم کی طرح ان کی غلامی میں رہو تم　　بھائی یہ کہیں گر تو خداوند کہو تم

صدقے گئی تم جانتے ہو رتبۂ حیدر　　ہم نامِ خدا شاہِ نجف ساقیِ کوثر
تھا فوق زمانے میں ید اللہ کو سب پر　　باندھے رہے ہاتھوں کو مگر پیشِ پیمبر
کعبے میں چڑھے دوشِ شہنشاہِ امم پر　　پر فخر سے آنکھوں کو بھی ملتے تھے قدم پر

کس شخص کی تصویر ہے یہ گیسوؤں والا　　چھوٹا ہے یہ رتبے میں بڑوں سے ہے دوبالا
تعظیم کیا کرتے ہیں اس کی شہِ والا　　میری بھی سعادت ہے جو اس لال کو پالا
دنیا میں سلامت جو یہ گلفام رہے گا　　ہمشکلِ پیمبر سے مرا نام رہے گا

نکلے گا جو اس گھر سے جنازہ مرا باہر
کاندھا مرے تابوت کو دے گا علی اکبر
زینبؑ کو یقیں تھا مجھے یہ دفن کریں گے
اب کاتبِ اخبارِ عزا کرتے ہیں تحریر
غربت میں گرفتارِ مصیبت ہوئے شبیرؑ
وہ پیاس سے مرتے تھے جو نازوں کے پلے تھے
تھی لاکھ جوانوں کی بہتر پہ چڑھائی
شہ دیکھتے تھے لٹتی تھی زہرا کی کمائی
جو شخص کہ زندہ تھا وہ مرنے پہ تُلا تھا
لہریں جو دکھاتا تھا اُنھیں چشمۂ کوثر
گرمی میں پسینے سے جو ہوتا تھا بدن تر
کہتے تھے کہ خادم ہیں ولی ابن ولی کے
جب ہو چکے قاسم کو شہِ بیکس و بے آس
بھائی جو ہوا قتل تو جینے سے ہوئی یاس
بیتاب تھے تھامے ہوئے ہاتھوں سے کمر کو
شہ چاہتے تھے مرنے کو پہلے ہمیں جائیں
اکبر کا ارادہ تھا کہ ہم برچھیاں کھائیں
جب شاہ نظر کرتے تھے شمشیرِ دودم پہ
شہ کہتے تھے فرزند کو چھاتی سے لگا کر
پھر آہ یہ چاند سی تصویر دکھا کر
منہ معرکۂ جنگ سے موڑا نہیں جاتا

تم دونوں ادھر اور اُدھر ہو گئے کھلے سر
یہ گریہ و زاری کی ہی جا ولے مقدّر
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی پہلے مریں گے
اٹھارہ برس کے ہوئے جب اکبرِ دلگیر
دعوت کے عوض جمع تھے تیغ و تبر و تیر
تلواریں تھیں اور آلِ محمدؐ کے گلے تھے
غل تھا کہ کرو فاطمہ کے گھر کی صفائی
بابا سے بچھڑتا تھا پسر بھائی سے بھائی
حوریں نظر آتی تھیں درِ خلد کھلا تھا
جا پڑتے تھے ہنستے ہوئے تلواروں کے منھ پر
جنت کے دریچوں سے ہوا آتی تھی فر فر
سو سر ہوں تو قربان حسین ابن علی کے
گلچینِ گلستانِ شہادت ہوئے عباس
کوئی علی اکبر کے سوا پھر نہ رہا پاس
تکتا تھا پسر باپ کو اور باپ پسر کو
سینے کو سپر کر دیں کلیجے کو بچائیں
میدان سے بابا مجھے لاشے کو اُٹھائیں
ہمشکلِ نبی دوڑ کے گرتے تھے قدم پہ
زینب کو تو دیکھ آؤ ذرا خیمے میں جا کر
وہ کہتا تھا ہاں جائیں گے ہم برچھیاں کھا کر
اس وقت میں حضرت کو تو چھوڑا نہیں جاتا

شہ کہتے تھے ای جانِ پدر ہم کو نہ روکو
ماں بہنوں کی لو جا کے خبر ہم کو نہ روکو
اُمت پہ فدا کرنے دو سر ہم کو نہ روکو
احسان تمھارا ہی اگر ہم کو نہ روکو
ہم نے وہ سہے رنج کہ کچھ کہہ نہیں سکتے
اللہ ہم اک داغِ پدر سہہ نہیں سکتے

جب جانیں کہ صابر ہو تم ای اکبرِ دلگیر
دیکھا کرو اور ہم پہ چلیں نیزہ و شمشیر
خنجر مری گردن پہ ہو اور سینے پہ ہو بے پیر
اُس وقت کہو تم یہی جو خواہش تقدیر
ریتی پہ ہمارے تنِ صد پاش کو دیکھو
ٹکڑے سُمِ اسپاں سے مری لاش کو دیکھو

اکبر نے کہا خالقِ اکبر نہ دکھائے
یا شاہ کہاں سے یہ کلیجہ کوئی لائے
شہ بولے پدر دیکھے پسر برچھیاں کھائے
دُنیا میں سہے پیر جواں مرنے کو جائے
جو کہتے ہو بابا سے بجا کہتے ہو بیٹا
انصاف بھی لازم ہی یہ کیا کہتے ہو بیٹا

جو ہم نے سہے زخم یہ دل پر کوئی کھاتا
ننھے سے کوئی بھانجے ہاتھوں سے گنواتا
عباس سے بھائی کا کوئی داغ اُٹھاتا
ایوب سے صابر کا کلیجہ نکل آتا
شبیر کسی رنج میں مجبور نہیں ہی
پر داغِ پسر سہنے کا مقدور نہیں ہی

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ یا سیدِ ابرار
یاد آپ کریں صبرِ خلیلِ جگر افگار
خود بیٹے کی گردن پہ رکھا خنجرِ خونخوار
فرمایا کہ سچ کہتے ہو پر ای مرے دلدار
زندہ پسر اُن کا تو ملا اُن کے گلے سے
تم پھر کے نہیں آؤ گے تیغوں کے تلے سے

وہ جان کا اکبر ترے جانے میں زیاں ہی
تو زینبِ بیکس کے تنِ زار کی جاں ہی
مرنا ترا دیکھے یہ اُسے تاب کہاں ہی
بانو کا تو پھر حق بطرف ہی کہ وہ ماں ہی
مادر کو قسم رونے کی دے لوگے تو جانا
زینب سے رضا مرنے کی لے لوگے تو جانا

ہمشکلِ نبی کو تو نہ کچھ بات بن آئی
فضہ نے خبر جا کے یہ بانو کو سنائی
لو بی بی ہوئی شاہ کے لشکر کی صفائی
اب باپ میں اور بیٹے میں ہوتی ہی جدائی
کچھ پہلے تو باتیں تھیں شہنشاہِ امم سے
اب لپٹے ہوئے روتے ہیں بابا کے قدم سے

بانو نے کہا شاہ کو کیا مد نظر ہے وہ بولی کہ آفت میں محمد کا پسر ہے
نہ ہوش تمہارا ہے نہ کچھ اپنی خبر ہے ہر مرتبہ جھک جاتے ہیں یہ درد جگر ہے
صابر ہیں پہ مضطر انھیں ہوتے نہیں دیکھا میں نے کبھی اس درد سے روتے نہیں دیکھا
بیتابی ہیں بیٹے سے لپٹ جاتے ہیں ہر بار گہ روتے ہیں پڑھتے ہیں کبھی درد کے اشعار
فرماتے ہیں صدقے ترے ای میرے مددگار چھاتی سے لپٹ جا کہ پدر تجھ کو کرے پیار
طاقت نہیں اب ضعف سے تھراتے ہیں شبیر اکبر تو ہیں زندہ پہ موئے جاتے ہیں شبیر

گھبرا کے کہا بانو نے ہی ہی غضب آیا بس اب نہ رکے گا نہ رکے گا مرا جایا
اصغر کو تو گہوارے میں جلدی سے لٹایا سر پیٹ کے یہ زینب بیکس کو سنایا
دوڑو مری دولت پہ زوال آتا ہے بی بی لال آپ کا مرنے کے لیئے جاتا ہے بی بی
تم ڈیوڑھی پہ جا کر مرے دلبر کو بلا لاؤ مرجاؤنگی جلدی علی اکبر کو بلا لاؤ
زینب نے کہا سبط پیمبر کو بلا لاؤ ہی ہی مرے مظلوم برادر کو بلا لاؤ
میں نکلونگی گھر سے جو نہ یاں آئیں گے اکبر کیا باپ کے بے حکم چلے جائیں گے اکبر

ماں بولی رضا دے کے چلے شاید انھیں سرور زینب نے کہا یہ مجھے آتا نہیں باور
ہاں مجھ کو بھلا دیں تو بھلا دیں علی اکبر پر بے مری مرضی نہ رضا دیں گے برادر
اٹھارہ برس پالا ہے مختار ہوں میں بھی وہ بیٹے کے مالک ہیں تو حقدار ہوں میں بھی
آئے تو مرے سامنے وہ گیسوؤں والا پوچھوں گی بتاؤ مجھے کس نے تمھیں پالا
آغاز مسیں بھی ہوئیں سبزہ بھی نکالا اللہ یہ بھولے ہمیں جب ہوش سنبھالا
مادر سے رضا جنگ کی لینے کو نہ آئے بیٹوں کا بھی پرسا ہمیں دینے کو نہ آئے

ای لال بھلا مجھ کو بھلایا تو بھلایا بانو کی محبت کا بھی کچھ دھیان نہ آیا
جس ماں نے تمھارے لیئے اک جوگ کمایا خود راتوں کو جاگی تمھیں چھاتی پہ سلایا
اس کو بھی بھلایا مرے پیارے علی اکبر نہ ماں کے ہوئے تم نہ ہمارے علی اکبر

یہ ذکر ابھی تھا کہ شہ بحر و بر آئے
اور باپ کے پیچھے علی اکبر نظر آئے
چلائی سکینہ مرے بیکس پدر آئے
منہ موڑ لیا سر بانو نے اور اشک بھر آئے
زینب پسرِ نائبِ حیدر سے نہ بولی
لیں شہ کی بلائیں علی اکبر سے نہ بولی

تھی جان تو اکبر میں نظر تھی سوئے شبیر
کہنا تھا کچھ اور بھائی سے کچھ کہتی تھی تقریر
فرماتے تھے حضرت کہ یہ کیا حال ہے ہمشیر
دیکھو تو ذرا کہتے ہیں کیا اکبرِ دلگیر
وہ کہتی تھی میں کون ہوں کیا مجھ سے کہیں گے
جو دل میں ہے اُن کے وہ بھلا مجھ سے کہیں گے

بانو نے اشارہ کیا با گریہ و زاری
آزردہ ہیں کچھ تم سے پھوپی جان تمہاری
منہ ڈھانپ کے روئی ہیں ابھی یہ کئی باری
قدموں پہ گرو پالنے والی کے میں واری
جو مرضی ہو اُن کی وہی اب کیجیو بیٹا
مر جانے کی رخصت نہ طلب کیجیو بیٹا

سمجھے علی اکبر کہ خفا ہیں پھوپی اماں
قدموں پہ گرے دوڑ کے با دیدۂ گریاں
لپٹا کے گلے سے وہ پکاری کہ مری جاں
زینب ترے بابا کے فدا اور ترے قرباں
زندہ نہ محمدؐ ہے نہ اب عون ہے بیٹا
تم مجھ کو نہ پوچھو تو مرا کون ہے بیٹا

تم صبح سے میداں میں سدھارے مرے دلدار
جا جا کے میں ڈیوڑھی پہ پکار آئی کئی بار
واری مجھے دکھلا نہ گئے آخری دیدار
اکبرؑ نے کہا نرغے میں تھے سید ابرار
تلواریں لیے اہلِ ستم گرد کھڑے تھے
عباس کے لاشے پہ یہ بے ہوش پڑے تھے

بغلوں میں اگر ہاتھ میں دے کر نہ اُٹھاتا
بابا کو بڑی دیر تلک ہوش نہ آتا
نیزہ کوئی ظالم کوئی شمشیر لگاتا
گھر میں اگر آتا تو نہ پھر باپ کو پاتا
سب کہتے کہ الفت نہیں بابا سے پسر کو
چھوڑ آیا ستمگاروں میں مظلوم پدر کو

جب سنتیں پسر زندہ ہے اور مر گئے سرور
بتلایئے پھر دودھ نہ مجھے بخشتیں مادر
میں جانتا تھا آپ ہیں شیدائے برادر
یوں پیار نہ کرتیں کبھی چھاتی سے لگا کر
کہتیں نہ مرے سامنے آئے علی اکبرؑ
کہہ دو مجھے صورت نہ دکھائے علی اکبرؑ

میں آپ کے صدقے نہ بلائیں مری لیجے
لے آیا ہوں بابا کو صلہ کچھ مجھے دیجے
میدان میں مارے گئے سب بھائی بھتیجے
ٹلتی ہے بلا شہ کی تصدق مجھے کیجے
اماں بھی خفا ہیں مجھے قدموں پہ گرا دو
بابا ہو تمھیں نے تمھیں مرنے کی رضا دو

یہ وقت مصیبت کا ہے مجھ پر کرو احساں
حضرت سے کہا آپ سفارش کریں اس آں
مادر سے کہا آپ کے قدموں کے میں قرباں
چھاتی سے لگا لو کوئی دم کا ہوں میں مہماں
آزردہ نہ ہونا کہ نہایت مجھے غم ہے
اماں تمھیں میری ہی جوانی کی قسم ہے

بانو نے کہا میں تو خفا کچھ نہیں واری
میں کون ہوں ماں بھی مالک ہیں تمھاری
رضی ہیں یہ رخصت پہ تو منگواؤ سواری
تم سے تو نہ ان کو نہ مجھے جان ہے پیاری
یہ خوش ہیں اگر تم سے تو خرسند ہوں میں بھی
مرضی ہے یہ ان کی تو رضامند ہوں میں بھی

مجھ کو تو فقط دودھ پلانے کی ہے الفت
زینب نے تو اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
صدقے گئی جب ان کی ہی دی تمھیں رخصت
پھر روک سکوں میں یہ بھلا ہے مری طاقت
دعویٰ ہے کنیزی کا مجھے بنت علی سے
میں دودھ بھی اپنا تمھیں بخشوں گی خوشی سے

بانو نے یہ ہمشکل پیمبر سے کہا جب
حضرت سے لگے دیکھنے اکبر سوئے زینب
زینب نے کہا مجھ پہ کھلا آپ کا مطلب
پھر چھاتی سے لپٹو کوئی حجت نہیں ہے اب
ہر چند سنبھلتا نہیں دل اے علی اکبر
چھاتی پہ رکھی صبر کی سل اے علی اکبر

بابا کی طرف بیٹے نے دیکھا بہ تبسم
خیمے میں ہوا رخصت اکبر کا تلاطم
چلائے شہ دیں کہ مری جان سے چلے تم
بابا کی ضعیفی پہ کیا خوب ترحم
اس غم میں نہیں صبر کا یارا علی اکبر
فریاد ہے تم نے ہمیں مارا علی اکبر

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے اکبر دلگیر
گھوڑے پہ چڑھا لال گرے حضرت شبیر
کی شمر سے جا کر یہ خبرداروں نے تقریر
محبوب خدا آتے ہیں تولے ہوئے شمشیر
ہم کہتے تھے دو دن کے نہ پیاسے کو ستاؤ
لو اور محمد کے نواسے کو ستاؤ

یہ احمدِ مرسل ہیں قسم کھانے کی جا ہے
روشن ہے جبیں حسنِ نبی کی یہ ضیا ہے
انوارِ مہ و مہر کو یاں مرتبہ کیا ہے
یوسف بھی کرے ان کی غلامی تو بجا ہے
مالک انھیں خالق نے کیا حشر کے دن کا
یہ آیۂ رحمت ہیں ادب چاہیے ان کا

بولا پسرِ سعد یہ ہے آمدِ اکبر
دُنیا میں وہی ایک ہے تصویرِ پیمبر
اب خاتمۂ جنگ ہے تنہا ہوئے سرور
ہاں فوج ہو تیار چلیں نیزہ و خنجر
بڑھ بڑھ کے جو لڑتے تھے وہ جاں باز کہاں ہیں
صف باندھ کے روکیں قدر انداز کہاں ہیں

عباسِ علمدار کے قاتل کو بُلاؤ
رستے پہ سواروں کے پرے جلد جماؤ
کھینچے ہوئے تلواروں کو اے بھائیو جاؤ
لاؤ سرِ اکبرؑ تو صلہ جنگ کا پاؤ
طاقت نہیں رہنے کی تنِ شاہِ اُمم میں
مرجائیں گے شبیر جواں بیٹے کے غم میں

عباسؑ کے مرنے سے تو ہیں بیکس و مجبور
ٹوٹی ہے کمر ہوگئے ہیں جنگ سے معذور
زخموں سے جو ہووے گا برابر کا پسر چور
آنکھیں شہِ مظلوم کی ہو جائیں گی بے نور
خوں کا بھی نہ بیٹے کے عوض لیویں گے شبیر
خود آکے گلا تیغ پہ دھر دیویں گے شبیر

یہ سُنتے ہی لشکر کی صفیں ہوگئیں تیار
ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے اک بار
بجلی سی چمکنے لگی ایک ایک کی تلوار
ڈھالوں کا اُٹھا چار طرف ابر دھواں دھار
شورِ دہلِ حرب گزرتا تھا فلک سے
خیرہ تھی نظر برچھیوں کے پھل کی چمک سے

اک سمت کماندار قدم آگے بڑھا کر
خم ہوگئے تیروں کو کمانوں سے ملا کر
کج بازوں نے سیدھا کیا نیزوں کو اُٹھا کر
کچھ آ رہے کمیں گہہ میں کمندوں کو بچھا کر
رونے کی ہے جا واں تو یہ سامانِ وغا تھا
یاں اکبرِ مظلوم تھے یا سر پہ خدا تھا

ناگاہ زمیں رن کی ہوئی وادیِ ایمن
صحرائے بلا دور تلک ہوگیا روشن
نعرہ جو کیا شیر نے تھرّا گئے دُشمن
رشکِ مہِ نو بن گئے نقشِ سمِ توسن
ذروں نے نگاہوں سے ستاروں کو گرایا
گھوڑوں نے الف ہوکے سواروں کو گرایا

اک شور ہوا دلبرِ شبیر کو دیکھو
وہ سلسلۂ زلف گرہ گیر کو دیکھو
پیشانیِ پُرنور کی تنویر کو دیکھو
اس ابروئے خمدار کی شمشیر کو دیکھو
وہ نور کی مصباح ہے یہ صاحبِ ضو ہیں
کس اوج پہ اک بدر ہے اور دو مہِ نو ہیں

نرگس کہیں آنکھوں کو بھلا کیا اولوا لابصار
وہ دیدۂ بے نور ہے یہ مطلعِ انوار
ہے سبزۂ نوخیز یہ مہتاب سے رخسار
گویا ورقِ زر پہ رقم ہے خطِ گلزار
لب پر ہیں مسی حسنِ شباب اُن سے عیاں ہے
لو آتشِ یاقوت کا دیکھو یہ دھواں ہے

دانتوں کی چمک دیکھ کے حیرت میں ہے مردم
آئی ہے نظر صاف دو دستہ صفِ انجم
دیکھا نہیں غنچے ہیں یہ اندازِ تبسم
ہے ان کا تبسم نمکِ خوانِ تکلم
کرتا ہوں جو وصفِ لبِ اعجاز بیاں کو
ہونٹوں کو زباں چاٹتی ہے ہونٹ زباں کو

گردن نہ کہو نور کی اک شمع ہے روشن
ہے طور کا شعلہ بھی چراغِ تہِ دامن
پروانہ ہے یاں روشنیِ وادیِ ایمن
اور شرم سے حوروں کی جھکی جاتی ہے گردن
پیاسا ہے یہ کم سمجھو نہ اس ماہ کی طاقت
ہے ساعد و بازو میں یداللہ کی طاقت

کس منہ سے کہوں سینۂ انور کی صفائی
آئینۂ مہ نے یہ صباحت نہیں پائی
کیونکر نہ کرے سینہ زنی ساری خدائی
جلادوں نے برچھی اُسی چھاتی پہ لگائی
سوراخِ جگر دیکھ کے ہمشکلِ نبی کا
کیا حال ہوا ہوگا حسین ابنِ علی کا

پٹکے سے محمد کے بندھی ہے کمرِ پاک
اور زیبِ بدن ہے گی یداللہ کی پوشاک
جس جا پہ رکھے پاؤں شبیہِ شہِ لولاک
کحلِ بصرِ اہلِ بصیرت ہے وہی خاک
ہاتھ آیا ہے غازی کو چلن شیرِ خدا کا
ثابت قدمی نام ہے نقشِ کفِ پا کا

ناگاہ بڑھی فوج ہوا جنگ کا ساماں
اور گھٹنے لگی طاقتِ جسمِ شہِ ذیشاں
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیروں کا باراں
تلوار علم کرکے کہا یا شہِ مرداں
اک برقِ جہانسوز چمکتی نظر آئی
جس صف پہ گری آگ بھڑکتی نظر آئی

نعروں سے بہادر کے دہلنے لگے ناری — اس شعلۂ جوالہ سے جلنے لگے ناری
سر بیچ کے لڑنے کو نکلنے لگے ناری — ٹھہرے نہ قدم ہاتھوں کو ملنے لگے ناری
میداں میں تو اس برقِ مجسم نے جلایا — تن سرد ہوا جب تو جہنم نے جلایا

تنہا تھے مگر فوجِ ستمگار کو روکا — دو چار کو گھائل کیا دو چار کو روکا
غازی نے سپر پہ نہ کسی وار کو روکا — روکا بھی تو تلوار پہ تلوار کو روکا
نیزے نے ستمگاروں کے دل توڑ دیئے تھے — تلوار نے تلواروں کے منہ موڑ دیئے تھے

اک اک زرہ پوش تہہ دامِ اجل تھا — چار آئنہ والوں کو بھی حیرت کا محل تھا
غازی تھے جنہیں حوصلۂ جنگ و جدل تھا — تیروں میں نہ پیکاں نہ کسی برچھی کا پھل تھا
کیونکر نہ عدو بھاگتے اس صف شکنی سے — حربوں کے بھی سر اڑ گئے تھے تیغ زنی سے

نیزے کے سناں سے تو سنانوں کو گرایا — تلوار سے غازی نے کمانوں کو گرایا
گھوڑوں سے نمودار جوانوں کو گرایا — شانوں سے لعینوں کے نشانوں کو گرایا
جنگ اسد اللہ کے سب ڈھنگ دکھائے — تیغِ علی اکبر نے عجب رنگ دکھائے

دو ٹکڑے کیا خودوں کو گردن پہ نہ ٹھہری — گردن سے بڑھی آگے تو جوشن پہ نہ ٹھہری
جوشن کو بھی جب کاٹ چکی تن پہ نہ ٹھہری — کیا تن کی حقیقت تھی کہ توسن پہ نہ ٹھہری
اسواروں کو جنبش نہ ہوئی خانۂ زیں پر — اللہ ری صفائی کہ یہ ٹھہری تو زمیں پر

اٹھی جو چمکتی ہوئی وہ برقِ شرر بار — اوچھی سی کمر پہ جو لگا دی تو ہوئی پار
جس غول پہ جا پڑتی تھی تولے ہوئے تلوار — پیدل پہ تو پیدل تھے اور اسوار پہ اسوار
سوکھے ہوئے لب چاٹ کے دم لیتے تھے اکبر — دو چار صفیں کاٹ کے دم لیتے تھے اکبر

گھوڑوں سے اڑی گرد ہوا رن میں اندھیرا — میداں سے نہ اکبر نے مگر باگ کو پھیرا
چلاتی تھی بانو کہ پھرا لعل نہ میرا — ہاں حضرتِ شبیر کو تشویش نے گھیرا
اٹھ اٹھ کے کبھی دیکھتے تھے فوجِ ستم کو — کہتے تھے کہ لو کچھ نظر آتا نہیں ہم کو

ہر مرتبہ گردوں کو ہلا دیتے تھے نالے
چلاتے تھے ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
آواز تو دے باپ کو اے گیسوؤں والے
آ کے ترے اے لال جدا مجھ کو اٹھا لے
تو باپ کو دنیا سے گزرتے ہوئے دیکھے
بابا تجھے مقتل میں نہ مرتے ہوئے دیکھے

کس صف میں ہو کس غول سے ہوتی ہے لڑائی
منہ پھیر کے صورت بھی نہ بابا کو دکھائی
پیارے کوئی برچھی تو نہیں چھاتی پہ کھائی
تکبیر کی آواز بھی ہم تک نہیں آئی
ایسا نہیں یہ ورنہ کہ موقوف ہو بیٹا
ہم مرتے ہیں تم جنگ میں مصروف ہو بیٹا

اب باگ پھراؤ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
دیدار دکھاؤ علی اکبر علی اکبر
دیر اب نہ لگاؤ علی اکبر علی اکبرؑ
بس لڑ چکے آؤ علی اکبر علی اکبر
گر اب نہیں آنے کے تو کب آؤ گے بیٹا
ماں گھر سے نکل آئے گی تب آؤ گے بیٹا

بابا ترے صدقے مرے رستم علی اکبرؑ
صفدر علی اکبر مرے ضیغم علی اکبرؑ
یاور علی اکبرؑ مرے ہمدم علی اکبرؑ
جلد آ کے خبر لو کہ موئے ہم علی اکبرؑ
پیری میں نہ بابا کو دغا دے ترے صدقے
چھاتی مری چھاتی سے لگا دے ترے صدقے

بانو نے سنی شہ کی جو یہ گریہ و زاری
دروازے کے پردے کو اٹھا کر یہ پکاری
اکبر کو ہوا کیا جو یہ حالت ہے تمھاری
حضرت نے کہا رن میں اسے گھیرے ہیں ناری
ذرے تو نظر آتے ہیں خورشید نہیں ہے
اکبرؑ کے پھر آنے کی اب امید نہیں ہے

میدان میں سنتی ہو یہ تلواروں کی جھنکار
اور برچھیوں کے پھل وہ چمکتے ہیں جو ہر بار
بی بی ترے فرزند پہ چلتے ہیں سب وار
وہ تشنہ دہن ایک ہے اور لاکھ ستمگار
مر کر ہمیں صورت بھی دکھاتے نہیں اکبرؑ
ہم دیر سے چلاتے ہیں آتے نہیں اکبرؑ

بانو نے کہا میں بھی کھلے سر نکل آؤں
بیتاب ہے دل خیمے سے باہر نکل آؤں
گہوارے میں اصغر کو لٹا کر نکل آؤں
کہتی ہوئی ہے ہے علی اکبر نکل آؤں
صدقے گئی قربان پسر ہونے دو مجھ کو
تلواروں میں اکبر کی سپر ہونے دو مجھ کو

یا شاہ مرے سر کی قسم دے کے بُلا لو
صاحب علی اصغر کی قسم دے کے بُلا لو
اپنے سرِ انور کی قسم دے کے بُلا لو
اکبر کو پیمبر کی قسم دے کے بُلا لو
تیروں کی جو بوچھار ہے اور تیغ زنی ہے
میداں میں پہ کیسی مرے بچے پہ بنی ہے

حضرت کو بہت جب قلقِ دل نے ستایا
جمّال سے ناقے کو محمدؐ نے منگایا
جب اُس پہ چڑھا حیدرِ کرار کا جایا
اک ابرِ ستم چاند پہ چھایا نظر آیا
فرمایا کہ اللہ بڑی جنگ ہے رن میں
نیزوں میں یہ اکبر ہے کہ خورشید کرن میں

سنبل سے نظر آئے جو اُڑتے ہوئے گیسو
پہچان کے اکبر کو پکارے شہِ خوشخو
بابا تری جرأت پہ فدا اے مرے مہ رو
شاباش مرے شیر مرے قوتِ بازو
گھبراؤ نہ گو فوجِ ستم چھاگئی بیٹا
حیدر کی لڑائی تمہیں یاد آگئی بیٹا

ناگاہ یہ دیکھا کہ چلا نیزۂ خونخوار
چلائے شہِ دیں کہ مرے لعل خبردار
یاں سینۂ اکبر سے ہوئی نوکِ سناں پار
تھرّائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
پھل برچھی کا چھاتی سے نکلتے ہوئے دیکھا
خوں سینۂ انور سے اُبلتے ہوئے دیکھا

تھی پیاس کئی دن کی کئی روز کا فاقا
ہے ہے علی اکبرؑ کہا اور غش ہوئے آقا
سر پیٹ کے جمّال نے بٹھلا دیا ناقا
ریتی پہ گرے غش سے ہوا کچھ جو افاقا
بسمل بھی نہ اس طرح کبھی خاک پہ تڑپے
جس طرح حسین ابن علی خاک پہ تڑپے

زینب تو یہ سمجھی کہ برادر ہوئے زخمی
چلائی یہ بانو علی اکبر ہوئے زخمی
حضرت نے کہا ہاں مرے صفدر ہوئے زخمی
افسوس کہ ہمشکلِ پیمبر ہوئے زخمی
آواز سُنا کر ابھی گھوڑے سے گرے ہیں
پھل برچھی کا کھا کر ابھی گھوڑے سے گرے ہیں

خاتونِ قیامت کی صدا اس میں آئی
ہے ہے مرے پوتے نے سناں سینے پہ کھائی
اٹھارہ برس والے نے جان اپنی گنوائی
اب لاش پہ نرغہ ہے محمدؐ کی دُہائی
پھل نیزوں کے بجلی کی طرح کوندتے ہیں
رہواروں سے لاشے کو عدو روندتے ہیں

لاشے پہ چلے خاک بسر سید عالم
اکبر کی جدائی کا پڑا خیمے میں ماتم
فریادِ محمد کی صدا آتی تھی ہر دم
جنباں تھی زمیں کانپتا تھا عرشِ معظم
سیدانیوں میں ہوتا تھا جب شور بکا کا
ہلتا تھا کلس خیمۂ شاہِ شہدا کا

راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا
اک بی بی نکل آئی اٹھا خیمے کا پردا
خورشید سا تھا بکھرے ہوئے بالوں میں چہرا
مریم کوئی کہتا تھا کوئی حضرت زہرا
دیکھا نہ گیا اشک ہمارے نکل آئے
گردوں پہ چھپا مہر ستارے نکل آئے

ملتے تھے در گوش کھلا تھا سر انور
اک دوش پہ اک خاک پہ تھا گوشۂ چادر
گرتی تھی کبھی اور کبھی چلاتی تھی اٹھ کر
ہے ہے علی اکبر علی اکبر علی اکبر
منزل کا پتہ مجھ کو نہ دیتے گئے واری
اس پالنے والی کو نہ لیتے گئے واری

مقتول کے لاشے کو جو اس بی بی نے پایا
مُردے کی بلائیں لیں کلیجے سے لگایا
پھر سینے کو ہاتھوں سے یہ پیٹا کہ غش آیا
ہاتھ اُس کا پکڑ کر شہِ بیکس نے اٹھایا
خیمے میں بصد غم اسے پہنچا کے پھر آئے
روتے ہوئے دروازے تلک جا کے پھر آئے

اس وقت یہ راوی نے کسی شخص سے پوچھا
ہے کون یہ خاتونِ معظم مجھے بتلا
مریم ہے کہ سارا ہے خدیجہ ہے کہ زہرا
جنت سے چلی آئی ہیں یا حضرتِ حوّا
اُس نے کہا یہ زینبِ آوارہ وطن ہے
بیٹی ہے علی کی شہِ والا کی بہن ہے

بس طول انیسِ جگر افگار کہاں تک
پہنچی یہ تری نظم شہِ کون و مکاں تک
ہر حرف تکبر کبھی لانا نہ زباں تک
تو خاک ہے کر عجز کیا جائے جہاں تک
سب کچھ تجھے آقا کے تصدق سے ملا ہے
اس نظم کا تعریف سخن فہم صلا ہے

تمام شد

اُردو ادب کی مایۂ ناز کتابیں

(مطبوعات نظامی پریس بدایوں)

سلسلہ آصفیہ

دیوانِ غالب مع فرہنگ سلسلہ آصفیہ نمبر ۱۔ جلی قلم خوشخط۔ کاغذ سفید چکنا سائز ۲۲×۲۹/۸ غالب کے مستند فوٹو اور خود نوشتہ سوانح عمری نے جو اس کے ساتھ شامل ہو اس کی وقعت کو بڑھا دیا ہو۔ آخر میں مشکل الفاظ اور غالبی محاورات کی فرہنگ دی گئی ہو۔ غیر مجلد عہ مجلد عہ

مراثی انیس جلد اول سلسلہ آصفیہ نمبر ۲۔ میر صاحب کی آخری عمر کا مشتاقانہ کلام مرتبہ مولانا علی حیدر طباطبائی مع ایک دلچسپ مقدمہ کے جس میں میر صاحب کے مختصر حالات بھی دیئے گئے ہیں کتاب کے شروع میں میر صاحب کا مستند فوٹو بھی شامل ہو ٹائٹل پیج کئی رنگ سے چھاپا گیا ہو۔ جلد سنہری اعلیٰ قسم سائز ۲۲×۲۹/۸ کاغذ سفید قسم اعلیٰ عہ

دیوان خواجہ میر درد سلسلہ آصفیہ نمبر ۳۔ خواجہ میر درد کا کلام فی الواقع درد سے بھرا ہوا ہو ایک مستند قدیم قلمی نسخے سے مقابلہ کرکے نہایت عمدہ طریقے سے چھاپا گیا ہو علاوہ چھپائی کی عمدگی کے صحت اور جدید رسم الخط کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہو۔ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر کا مقدمہ بھی شامل ہو۔ قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہ

مراثی انیس جلد دوم سلسلہ آصفیہ نمبر ۴۔ میر صاحب کے زمانہ متوسط کا مشتاقانہ کلام جلد اول میں شایع ہو چکا ہو (ٹائٹل پیج کئی رنگ سے چھاپا گیا ہو) بعدہٗ ۱۹۲۴ء میں یہ دوسری جلد شایع ہوئی جس میں میر صاحب کے متوسط عمر کا کلام ہو جس کے آخر میں ختام المسک کے عنوان سے مولنا طباطبائی صاحب مولف نے میر صاحب کے کلام پر دلچسپ تبصرہ کیا ہو سائز ۲۲×۲۹/۸ حجم ۵۲۸ صفحات کاغذ سفید للعہ مجلد عہ

مراثی انیس جلد سوم سلسلہ آصفیہ نمبر ۵۔ اس جلد میں میر صاحب کے عنفوانِ شباب کا کلام ہو میر صاحب کے فوٹو کی تصویر اور ان کے خط کا عکس بھی شامل ہو۔ مولوی نظامی بدایونی کا ایک مختصر دیباچہ ہو جس میں میر صاحب کے ابتدائی زمانہ کے کلام کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہو۔ سائز ۲۲×۲۹/۸ آرٹ پیپر نفیس اعلےٰ قسم کا کاغذ جلد خوبصورت عہ / کاغذ سفید قسم دوم مجلد عہ

تالیفات جناب سید راس مسعود المخاطب نواب مسعود جنگ بہادر

خطوط سر سید آنریبل سر سید احمد خاں صاحب کے بیش بہا خطوط کا مجموعہ جس میں بہت سے معاشرتی، مذہبی، تعلیمی مسائل کو حل کیا گیا ہو۔ مرتبہ سید راس مسعود صاحب

ملنے کا پتہ:- نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں - یو - پی

بی۔اے۔ آکسن وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔ اس سے قبل کوئی مجموعہ سید صاحب کے خطوط کا طبع نہیں ہوا سر سید کا فوٹو اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط کا عکس بھی شامل ہے۔ حجم ۳۰۰ صفحات قیمت قسم اول ؏ قسم دوم ؏

انتخابِ زرّیں۔ مرتبہ سید راس مسعود صاحب اس میں تقریباً ایک سو شعرائے ماضی و حال کا مختصر حال معہ سن ولادت و وفات اور ان کے کلام کا نمونہ درج ہے۔ طبع دوم ہے جس میں مولف کا فوٹو بھی شامل ہے جلد نہایت خوبصورت ہے قیمت قسم اول ؏ قسم دوم ؏

جناب ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب بالقابہ کی تالیفات

قصائد ذوق۔ نہ صرف قصائد بلکہ یہ اُستاد ذوق کے کے دیگر کلام قطعات رباعیات اور مثنویات وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ غزلیات کے سوا پورا کلام ایک جگہ جمع کیا گیا ہے غزلیات میں سے بھی قطع بند اشعار قطعات کے ذیل میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ یہ کلام نئی ترتیب اور خاص طریقے سے آنریبل جسٹس ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ایل ڈی جج ہائی کورٹ الہ آباد نے مرتب کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کا لکھا ہوا ایک مقدمہ بھی شامل ہے آخر میں تمام مشکل الفاظ اور محاورات کی فرہنگ دی گئی ہے ٹائٹل خوشنما اور چھپائی دیدہ زیب حجم تقریباً ۴۰۰ صفحے سائز ۲۰×۲۶/۱۶ کاغذ سفید غیر مجلد ؏

انتخاب غزلیات ذوق۔ ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب جج ہائی کورٹ کا مرتبہ ہے نہایت عمدہ انتخاب ہے سائز ۲۰×۲۶/۱۶ کاغذ سفید دبیز غیر مجلد ؏

مثنویاتِ میر۔ مرتبہ ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب حجم تقریباً ۹ جزو میر تقی مرحوم کی مثنویات کا مجموعہ جو کلیات میر میں موجود ہیں۔ نولکشوری نسخہ میں جو رائج ہے کتابت کی غلطیوں سے اکثر الفاظ کی صورت مسخ ہو جانے کے سبب بعض اشعار بے معنی ہو گئے تھے یہ مجموعہ متعدد نسخوں سے مقابلہ کر کے اغلاط کی درستی کے بعد شایع کیا گیا ہے غیر مانوس الفاظ کی جو قدیم اُردو میں مستعمل تھے معنی دیئے گئے ہیں شروع میں ڈاکٹر صاحب کا ایک عالمانہ دیباچہ بھی شامل ہے کاغذ سفید دبیز سائز ۲۰×۲۶/۸ غیر مجلد قیمت ؏

نظامی پریس کی دیگر کتب

دیوانِ غالب اردو پاکٹ ایڈیشن۔ مع شرح نظامی جس میں مرزا کا فوٹو اور عکسی خط بھی شامل ہے۔ کاغذ چکنا۔ چھپائی لکھائی دیدہ زیب۔ جلد خوبصورت سنہری ڈاکٹر سید محمود بار ایٹ لا کے عالمانہ مقدمہ قابل دید ہے قیمت ؏

نکاتِ غالب۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب کی خود نوشتہ سوانح عمری تصوف اخلاق اور شاعری کے متعلق وہ نکات جو انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے شاگردوں کو بتائے اور ان کے دلچسپ لطائف مع فوٹو مرزا غالب مجلد ؏

دیوانِ جان صاحب۔ لکھنؤ کی بیگماتی ٹکسالی زبان مستند اُردو محاورے اور واجد علی شاہ کے زمانہ کی معاشرت کا نقشہ۔ دیباچہ آغا حیدر حسین صاحب دہلوی نے اپنے خاص رنگ میں لکھا ہے۔ آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی دی گئی ہے یہ دوسرا ایڈیشن ہے جس کے آخر میں جان صاحب کا وہ کلام جو اب تک کسی دیوان میں نہیں چھپا تھا شامل ہے مجلد سرورق خوشنما قیمت ؏

ملنے کا پتہ:۔ نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں۔ یو۔پی

مفصل فہرست کتب کارڈ بھیجکر مفت منگا لیجئے

REGISTERED
NIZAMI PRESS
BUDAUN

Ram Babu Saksena Collection.

Date	No.	Date	No.